ماحولیات
قانون اور
ہم
شش فرخ
مشعل

ماحولیات قانون اور ہم

ش۔ فرخ

مشعل

آر۔ بی 5 ' سیکنڈ فلور' عوامی کمپلیکس

عثمان بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن' لاہور54600 ' پاکستان

ترتیب

پیش لفظ

ماحولیاتی آلودگی کی اصطلاح آج کل کچھ زیادہ ہی تواتر سے سنائی دے رہی ہے۔ ماحول اور اس کے بڑھتے ہوئے مسائل نے ہر سوچنے والے کے ذہن کو اس بات پر آمادہ کیا ہے کہ آبادی کی بڑھتی ہوئی شرح اور اس کی وجہ سے موجودہ وسائل و ذرائع پر دباؤ کے نتیجے میں جو حالات ترقی پذیر ممالک کی طرح پاکستان کو بھی درپیش ہیں' ان کا کوئی نہ کوئی حل ضرور تلاش کرنا چاہئے۔

ہمارے ملک کو اللہ تعالی نے بھلا کس نعمت سے نہیں نوازا' بلند و بالا برف پوش پہاڑ' گنگناتے چشمے' بہتے دریا' بل کھاتی ندیاں وسیع اور کھلے میدان چمکیلی ریت والے جھلملاتے صحرا اور ٹھاٹیں مارتا سمندر۔ لیکن ان خوبصورتیوں اور رعنائیوں کو ہم نے جس بے دردی سے پامال کیا ہے اس میں ہماری بے خبری اور بے اعتنائی سے زیادہ لاعلمی اور حالات کا ادراک نہ ہونے کا دخل ہے۔ ہماری بیشتر آبادی علم کی دولت اور فضائل سے بے بہرہ ہے۔ لیکن پڑھے لکھے لوگوں نے بھی ملکی ذرائع اور وسائل کے ساتھ کچھ زیادہ اچھا سلوک نہیں قانون بنانے والوں کی ترجیحات کچھ اور رہی ہیں۔ نیز ہمارے ملک کی منصوبہ بندی بھی حالات کے تابع اور شدید طور پر تغیر پذیر رہی ہے ان تمام واقعات کا نتیجہ آج ہمارے سامنے ہے۔ روز افزوں آبادی میں اضافہ' شرح خواندگی میں قابل ذکر اضافہ نہ ہونا' بغیر کسی منصوبہ بندی کے منصوبوں کا اجراء وسائل و ذرائع کے استعمال میں توازن کا فقدان' یہ سب وجہ بنے ہیں ان حالات کی جو ماحول کے بچاؤ کے حوالے سے نئے قوانین کا تقاضا کرتے ہیں۔

ماحول اور ماحولیاتی آلودگی کی تحفظ آج کے دور کا سب سے بڑا مسئلہ اور مرحلہ ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ماحول کے بچاؤ سے متعلق قوانین کا اجراء بھی ابھی اپنے ابتدائی مراحل میں ہے۔ قوانین بنانا' قانون ساز اداروں کا کام ہے' لیکن قانون کو رائج کرنا عوامی تقاضوں میں ڈھالنا اس پر عمل درآمد کے بعد مطلوبہ نتائج برآمد کرنا ہی قانون کا اصل

مقصد ہوتا ہے۔

زیر نظر کتاب میں بہت تفصیل سے ان تمام عوامل کا جائزہ لیا گیا ہے۔ جن کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ ماحول سے متعلق موجود قوانین کی ضرورت محسوس ہوتی ہے بلکہ ساتھ ہی ان پر عمل درآمد کے لئے ملک میں موجود انتظامی ڈھانچے پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

پاکستان میں ماحولیاتی تحفظ کے اداروں کی تاریخ کچھ زیادہ پرانی نہیں ہے۔ 1983ء کے ماحولیاتی آرڈی نینس کے بعد ہی صوبوں میں ادارے وقفے وقفے سے وجود میں آئے ہیں۔ آج بارہ سال گزرنے کے بعد بھی قانون پر عمل درآمد کرانے کے لئے ان اداروں کے پاس وہ وسائل اور اختیارات نہیں ہیں جن سے قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کو پابند بنانے کے لئے مجبور کیا جا سکے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ حکومت جہاں اور دوسرے قدم اٹھا رہی ہے وہاں وہ اپنے ان اداروں کو اتنا مضبوط بنائے کہ وہ اپنی ساکھ قائم کرنے کے ساتھ دھاک بھی بٹھا سکیں۔

غیر حکومتی ادارے اس ضمن میں انتہائی مثبت کردار ادا کر رہے ہیں۔ وہ جہاں ٹیکنکل معلومات بہم پہنچانے میں حکومت کی مدد کر رہے ہیں وہاں عوام کو آگہی اور شعور دینے میں بھی کوشاں ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حکومت کی کوششیں تب ہی بار آور ثابت ہوں گی جب اپنے منصوبوں کی تکمیل کے لئے وہ غیر حکومتی اداروں کا تعاون حاصل کرے اور عام لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر چلے۔

غیر حکومتی اداروں کے کرداروں پر بھی کتاب میں تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ماحول کی آلودگی جیسے نازک مسئلے کا ادراک نہ صرف زور پکڑ رہا ہے بلکہ ان مسائل کے حل کے لئے حکومت کے ساتھ ساتھ یہ ادارے بھی بھرپور کوششیں کر رہے ہیں۔

ش فرخ نے ماحول، اس کی آلودگی، قوانین، اور متعلقہ اداروں پر قلم اٹھا کر اس ضمن میں ایک بنیادی مطالعے کی ابتداء کی ہے۔ یہ مطالعہ اس طرح بحث کے لئے ایک یقینی بنیاد فراہم کرے گا۔

مہتاب اکبر راشدی
ڈائریکٹر جنرل
ایجنسی برائے تحفظ ماحول سندھ کراچی

دیباچہ

پاکستان میں ماحول کے بڑھتے ہوئے مسائل کے پیش نظر حکومت نے چند برس پہلے ماحول کی بہتری کے لئے ایک علیحدہ ادارہ قائم کیا' جس کا مقصد یہ تھا کہ ماحول کی خرابی کو جانچا جائے اور اس کی بہتری کے لئے اقدامات کئے جائیں۔۔اس مقصد کے لئے 1987ء میں حکومت پاکستان نے ایک آرڈی نینس جاری کیا جس کو تحفظ ماحول آرڈی نینس 1987ء کہا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی وفاقی اور صوبائی سطح پر دفاتر کا قیام عمل میں آیا۔ پنجاب میں یہ دفتر 1987ء میں قائم ہوا۔ چونکہ لاہور کی بڑھتی ہوئی آبادی اور صنعت نے بہت حد تک ماحول کو اثر انداز کیا تھا اس لئے اس مسئلہ کی سنگینی کو دیکھتے ہوئے حکومت پنجاب نے یہ قدم اٹھایا۔ اور اس کو ہاؤسنگ ڈیپارٹمنٹ کا ایک ذیلی ادارہ بنایا۔

دنیا بھر میں آج کل ماحول پر بہت توجہ دی جا رہی ہے اور اس پر قانون سازی بھی ہو رہی ہے پاکستان میں بھی قانون سازی ہو رہی ہے۔ اس کے علاوہ NGOs بھی ماحول کے تحفظ کے لئے اقدامات کر رہی ہیں۔ جہاں ماحول کے لئے قانون سازی ہو رہی ہے وہاں اس پر بہت سی کتابیں بھی لکھی جا رہی ہیں' جن میں سے ایک ''ماحول قانون اور ہم'' بھی ہے ''مشعل'' کی یہ ایک بہت بڑی خدمت ہے۔ کیونکہ ماحول کے تحفظ کے لئے اگر ہم انفرادی طور پر کام کریں تو میرا خیال ہے کہ آئندہ چند برسوں میں اس مسئلہ پر کسی نہ کسی حد تک قابو پایا جا سکتا ہے۔

اس کتاب میں پاکستان کے مختلف علاقوں کے ماحول کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے' جہاں کارخانوں کی بھر مار ہے اور جہاں تحفظ ماحول کے لئے اقدامات ہو رہے ہیں۔ اس کے علاوہ کتاب میں چاروں صوبوں کے قانون جو اس وقت نافذ ہیں ان کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ماحول کو خراب کرنے میں کون کون سے عوامل زیادہ پیش پیش ہیں۔ میرے خیال میں ان عوامل میں زیادہ تر آبادی صنعتی ترقی' ٹریفک کی بدنظمی اور کم

علمی کا زیادہ عمل دخل ہے۔ کم علمی سے مراد یہ ہے کہ ہمارے ہاں اتنے لوگ پڑھے لکھے نہیں ہیں کہ وہ اس مسئلے کی سنگینی کو جانچ سکیں اور اس کو بہتر کر سکیں۔ لیکن ماحول کو درست کرنے میں جو لوگ بھی پیش پیش ہیں خواہ وہ حکومت میں ہوں یا حکومت سے باہر ان کا یہ جذبہ قابل تحسین ہے اور قابل رشک بھی۔

شاہد سکندر
اسسٹنٹ ڈائریکٹر
ای پی اے۔ پنجاب

پاکستان میں ماحول کی صورتحال

جنوبی اشیاء کا حصہ ہونے کی وجہ سے پاکستان کو بھی عمومی طور پر چند مشترکہ علاقائی مسائل کا سامنا ہے۔ مثلاً آبادی کی بڑھتی ہوئی شرح آبادی کا شہروں کی جانب تیز رفتار انتقال اور غربت، یہ وہ عوامل ہیں جو ماحول کو تباہی کی جانب لے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ اداروں کی ٹوٹ پھوٹ کمزور ماحولیاتی قوانین اور غیر موثر کنٹرول نے مزید ستم ڈھایا ہے۔

پاکستان اس کے علاوہ اپنے دوسرے خصوصی مسائل سے بھی دو چار ہے۔ مثلاً یہ کہ جنوبی ایشیاء میں سب سے کم جنگلاتی رقبہ رکھنے والا ملک ہے۔ اس کے کل رقبے کا صرف 5.2 فی صد جنگلات پر مشتمل ہے۔ دوسرے الفاظ میں پاکستان اپنی حدود کے اندر 88.2 ملین ہیکٹر پر مشتمل ہے جس میں سے 61.8 ملین کا سروے کیا جا چکا ہے۔ تقریباً 20 ملین ہیکٹر زمین زرعی مقاصد کے لئے استعمال ہو رہی ہے۔ 31 ملین ہیکٹر کے جنگلات یا پہاڑی سلسلے ہیں یا وہ استعمال نہیں کی گئی یا ناقابل استعمال ہے۔

قابل کاشت زمین محدود ہونے کے باعث ملک کو زیادہ سے زیادہ زرعی پیداوار کی ضرورت ہے۔ اگرچہ پنجاب اور سندھ کے صوبوں میں دنیا کا بہترین نظام آبپاشی موجود ہے۔ لیکن غیر صف بستہ بندوں اور ناقص انتظام کے باعث سیم وتھور کے مسائل پیدا ہو رہے ہیں جن کے نتیجے میں قابل کاشت اراضی کا وسیع حصہ ضائع ہو رہا ہے۔

ملک کے شمالی علاقوں میں بھی تھور کے مسئلے پر قابو نہیں پایا جا سکا۔ پہاڑوں پر سے مٹی کی تہہ ہٹ گئی ہے۔ جن کی وجہ سے مٹی کے تودے اپنی جگہ سے کھسک جاتے ہیں اور دریاؤں کے پاٹ مٹی سے اٹ جاتے ہیں۔

پہاڑوں سے ترائی کی جانب جنگلی حیات کی ہجرت آبادی کے دباؤ کی وجہ سے ہو

رہی ہے۔

صنعتوں کا پیدا کردہ فضلہ کیڑے مار دواؤں اور نبادات کے تحفظ کے لئے استعمال ہونے والی دواؤں نے زرعی پیداوار پھلوں اور سبزیوں کی غذائیت کو متاثر کیا ہے۔

شہری علاقوں کوشدید سماجی اور ماحولیاتی دباؤ کا سامنا ہے۔ بنیادی سہولتیں غیر تسلی بخش ہیں۔ کچی آبادیوں کی ناقص رہائشی سہولتوں، گنجان ٹریفک، شہری خدمات کی کمی، تفریحی مقامات اور کھلی جگہوں کی کمی کی وجہ سے ماحولیاتی مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ پاکستانی معاشرہ ایک ایسے دور سے گزر رہا ہے۔ جہاں پیسے کے حصول نے واحد محرک کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ اس سے کوئی غرض نہیں کہ دولت کس طرح حاصل کی جاتی ہے۔ ہر شخص دولت کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔

امید ہے کہ آنے والے برسوں میں پاکستان جیسے ملکوں کو غربت کا جال توڑنے کا عظیم موقع ملے گا۔ اکیسویں صدی میں صنعت اور زراعت کے شعبے میں کروڑوں ڈالر کی سرمایہ کاری متوقع ہے۔ خیال ہے کہ صنعتی ممالک کثیر رقم تیسری دنیا کے ممالک کو منتقل کریں گے۔ یہ رقم عالمی ماحولیاتی سہولت کے تحت فراہم کی جائے گی۔

پاکستان خوشحالی کا آرزو مند ہے۔ وہ وقت کے اس دور میں ہے جہاں وہ صنعتی ممالک کے تجربے کو مدنظر رکھتے ہوئے پیداوار کے غلط نمونے اختیار کرنے سے گریز کرسکتا ہے۔

بنیادی ڈھانچہ

آئی یوسی این

تحفظ ماحول و قدرتی وسائل کی انجمن آئی یوسی این کی بنیاد 1948ء میں رکھی گئی اس میں 120 ممالک کے تقریباً 720 ارکان ہیں۔ یہ ادارہ حکومتی ایجنسیوں اور غیر سرکاری تنظیموں کے درمیان رابطہ قائم کرنے کا ایک معتبر وسیلہ ہے۔ اس کا نصب العین اقوام عالم کو کرہ ارض پر موجودہ قدرتی وسائل کے بہتر استعمال کے لئے علم اور رہنمائی فراہم کرنا ہے۔ آئی یوسی این تحفظ فطرت کے لئے علم کی ایسی عقلی و منطقی بنیاد فراہم کرتا ہے جو ایک پائیدار ترقی کے لئے عملی اقدامات وضع کرنے میں معاون ثابت ہو رہی ہے۔

پاکستان میں یہ ادارہ 1985ء سے سرگرم عمل ہے۔ پاکستان میں اپنے قیام کے ابتدائی دو سال کے دوران اس کی سرگرمیاں جنگلی حیات کے تحفظ کے چند منصوبوں تک محدود تھیں۔ اس کے بعد 1987ء میں آئی یوسی این نے ملکی سطح پر اپنا دفتر قائم کیا اور ایک مربوط منصوبہ بندی کے تحت ملک بھر میں وسائل کے تحفظ کے لئے کام شروع کیا۔ اکتوبر 1989ء میں حکومت پاکستان نے ایک معاہدہ کے تحت آئی یوسی این کے لئے مختلف مراعات کا اعلان کیا تاکہ یہ ادارہ اہم ماحولیات مسائل اور وسائل کے تحفظ کے لئے حکومت پاکستان اور غیر سرکاری تنظیموں کی مدد کر سکے۔ اس ضمن میں آئی یوسی این نے اپنی سرگرمیوں کو مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم کیا ہے:

زیر عمل پالیسیوں کا جائزہ اور تشکیل نو

آئی یوسی این نے ورلڈ وائیڈ فنڈ فارنیچر (WWF) اور اقوام متحدہ کے شعبہ ماحول (UNEP) کے اشتراک سے عالمی حکمت عملی برائے پائیدار ترقی کے نام سے ایک

دستاویز شائع کی جن میں ان رہنما اصولوں کا تعین کیا گیا جو کسی بھی ملک کی تعمیر و ترقی میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اس دستاویز کی بنیاد پر قومی حکمت عملی کے لئے(NCS)ایک خاکہ تشکیل دیا گیا۔ پاکستان میں قدرتی وسائل کے تحفظ اور پائیدار ترقی سے متعلق حکمت عملی کی تشکیل کا کام 1986ء میں شروع ہوا۔ یہ منصوبہ تین مراحل پر مشتمل تھا۔ 1-قدرتی وسائل اور ان پر اثر انداز ہونے والے عوامل کے بارے میں معلومات جمع کرنا۔ 2-دستاویز کی تیاری 3- ان سفارشات کو عملی جامہ پہنانا جو اس دستاویز میں مرتب کی گئی تھیں۔

منصوبے

ہمارا ملک مختلف النوع ماحولیاتی نظام کا حامل ہے۔ جہاں ایک طرف بحرہ عرب ہے۔ سندھ پنجاب اور سرحد کے سبز میدانی علاقے اور وادیاں ہیں۔ وہاں کوہستان کا ایک طویل سلسلہ ملک کے شمالی علاقے کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس فطری نظام میں ضرورت سے زیادہ انسانی مداخلت بہت سی غیر طبعی تبدیلیوں کا باعث بنی ہے۔ ان خطرات سے نبٹنے کے لئے ایسی حکمت عملیوں کی ضرورت ہے جو کہ ٹھوس سائنسی بنیادوں پر تشکیل دی جائیں' جو اقتصادی طور پر قابل عمل ہوں اور معاشرے کی تعمیر و ترقی میں فعال کردار ادا کرسکیں۔ یہی آئی یوسی این نے کیا ہے۔ چنانچہ حکومتی اداروں اور غیر سرکاری تنظیموں کے اشتراک سے بہت سے منصوبے اس وقت مراحل میں ہیں۔

ماحولیاتی شعور

اس مقصد کے لئے جرنلسٹس ریسورس سنٹر(JRC) میڈیا کے ساتھ مل کر کام کر رہا ہے تا کہ عوام کے اندر ماحولیاتی شعور پیدا کرنے کے لیے معلومات پیدا کی جائیں۔

ماحولیاتی تعلیم

اس پروگرام میں اسکولوں کے بچوں میں اپنے ماحول کے بارے میں شعور پیدا کرنے کے لیے مختلف منصوبے شامل ہیں۔ نیز پرائمری کے اساتذہ کو اس بارے میں تربیتی کورس کروائے جاتے ہیں۔

قانون اور اقتصادی ترغیبات

''جیو اور جینے دو'' کے اصول پر نظم و ضبط قائم رکھنے کے لئے قوانین کی تشکیل اور ان قوانین پر عملدرآمد کو یقینی بنانا اور اقتصادی ترغیبات دینا بھی اس میں شامل ہے۔

تربیت اور متعلقہ اداروں کا قیام

ایسے افراد کی انجمن بنانا جو ماحولیاتی مسائل کو سمجھ سکیں اور سائنسی اور تکنیکی رو سے مسائل کے حل میں مدد دیں۔ اس میں اپنی پالیسیاں مرتب کرنے کے لیے حکومت کے متعلقہ اداروں اور افراد یک رہنمائی بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ ورکشاپس کے ذریعے خواتین ماہرین جنگلات کے لئے تربیتی کورسز کا انعقاد بھی کیا جاتا ہے۔

غیر سرکاری تنظیمیں

غیر سرکاری تنظیموں کو منظّم اور فعال کرنا اور انہیں تکنیکی رہنمائی فراہم کرنا تا کہ وہ اپنی استعداد کو بہتر بنا کر پائیدار ترقی کے حصول کے لئے موثر کردار ادا کرسکیں۔

ماحولیاتی تحفظ کے لئے پاکستان کی قومی حکمت عملی

(NCS)

ماحول کو پہلی بار عالمی ایجنڈے پر 1972ء میں اقوام متحدہ کی انسانی ماحول پر منعقد کردہ کانفرنس کے بعد شامل کیا گیا تھا لیکن پاکستان میں اس کانفرنس کا اثر نہیں ہوا۔ حالانکہ ماحول 1973ء کے آئین کی فہرست میں شامل تھا۔ جس کے بعد ماحول اور شہری امور کے ڈویژن قائم کیے گئے تھے لیکن سا سمت میں مزید کوئی نمایاں پیش رفت نہیں ہوسکی۔

1980ء میں دو بین الاقوامی غیر سرکاری تنظیموں انٹرنیشنل یونین فار کنزرویشن آف نیچر اینڈ نیچرل ریسورسز (IUCN) اور ورلڈ وائلڈ لائف فنڈ (WWF) نے اقوام متحدہ کے ماحولیاتی پروگرام کے اشتراک سے تحفظ ماحول کی عالمی حکمت عملی شائع کرنے کا خیال پیش کیا۔ اس پر دنیا بھر میں کام شروع ہوگیا اور اب تک 40 ممالک اس نوعیت کی حکمت عملیاں تیار کر چکے ہیں۔

پاکستان میں اس کام میں سست روی کا ذمہ داری اقتصادی، معاشرتی اور سیاسی مسائل پر ڈالی جاسکتی ہے۔ لیکن بہر حال اسے یکسر نظر انداز نہیں کیا گیا۔ 1983ء میں پہلی بار تحفظ ماحول کے بارے میں ایک مقالے میں حکومت پاکستان اور آئی یو سی این (عالمی انجمن برائے تحفظ ماحول وقدرتی وسائل) کے مابین اشتراک عمل کا ایک خاکہ پیش کیا گیا۔ 1988ء میں ایک اعلیٰ سطحی کمیٹی کا قیام عمل میں آیا جس کے تحت اس کام کے لئے ایجنڈا تیار کیا گیا اور اس پر عمل درآمد شروع ہوا۔

406 صفحات کی یہ دستاویز ماہرین کی نگرانی میں 3 سال کے عرصے میں تیار کی گئی اس میں ورکشاپس‘ مشاورت‘ تبصرے‘ مسودے کی تیاری وغیرہ میں 3 ہزار افراد شامل ہوئے یہ دستاویز یکم مارچ 1992ء کو پاکستان کی کابینہ کے اجلاس میں منظور کی گئی۔

اس سلسلے میں قومی حکمت عملی کے 3 مقاصد اہمیت کے حامل ہیں:

1۔قدرتی وسائل کو تباہی سے بچایا جائے، 2۔ترقیاتی اقدامات دور رس نوعیت کے ہوں ،3۔ وسائل کے استعمال کے طریقوں کو بہتر سے بہتر بنایا جائے۔

اس دوران عالمی تناظر میں پاکستان میں ماحول کی صورت حال کے بارے میں کچھ حقائق بھی سامنے آئے۔ یہ کہ انسانی سرگرمیاں کرہ ارض کی آب و ہوا اور حیاتیاتی نظام کو متاثر کررہی ہیں۔مگر پاکستان کو اوزون کے فضائی شگاف‘ تیزابی بارش اور گرین ہاؤس اثر کے لئے موردالزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔

پاکستان کا بڑا مسئلہ بڑھتی ہوئی آبادی ہے۔قدرتی وسائل پر شدید دباؤ‘ اقتصادی کمزوری اور ہمہ جہت صالحیت میں محدود ترقی تشویشناک امر ہیں۔لیکن پاکستان پر تبدیلی آب وہوا اور عالمی ماحولیاتی مسائل اثرانداز ہو رہے ہیں جن سے زراعت ماہی پروری اور جنگل بانی کا طریقہ کار متاثر ہوسکتا ہے۔

پاکستان اگرچہ زرعی ملک ہے لیکن اس کے 88 ہیکٹر رقبے میں سے 20فیصد سے بھی کم حصہ ایسا ہے جو زرعی مقاصد کے لئے قابل استعمال ہے۔ تاہم جدید سائنٹیفک طریقے اختیار کر کے زرعی پیداوار میں اضافے کی گنجائش موجود ہے۔

پاکستان اپنی غذائی اجناس اور کپاس کی پیداوار کے لئے 90فیصد آبپاشی پر انحصار کرتا ہے۔لیکن یہ نظام ناقص ہے۔ جن سے دریا سے کھیت تک پانی کا صرف 30فی صد حصہ پہنچ پاتا ہے‘ 70فیصد پانی کسی نہ کسی انداز میں ضائع ہوجاتا ہے۔

کوہستانی علاقوں میں مویشیوں اور بھیڑ، بکریوں کے ریوڑ گنجائش سے زیادہ گھاس چر لیتے ہیں‘ جن کے نتیجے میں اراضی کی زرخیزی ختم ہو رہی ہے اور چراگاہیں بنجر ہو رہی ہیں۔ علاوہ ازیں دلدلی علاقوں میں خود رو درختوں کے جھنڈ جو گرم خطوں کی سمندری حیات کو پناہ اور غذا فراہم کرتے ہیں وہ شہری آلودگی اور صنعتی کثافت کی بنا پر تباہ ہو رہے ہیں۔اس کے نتیجے میں ماہی پروری کو نقصان پہنچ رہا ہے۔

پاکستان میں نباتات اورجنگلی حیات متنوع اور بکثرت پائی جاتی ہیں۔لیکن جنگلات میں لکڑی کے بے رحمانہ کٹائی اور بے درد شکاریوں کی وجہ سے جنگلات اورجنگلی حیات کوخطرہ لاحق ہے۔

پاکستان میں توانائی فراہم کرنے والے ذخیرے ملک کی ضروریات پورا کرنے کے لیے ناکافی ہیں۔اب تک وہ ذخائر جن سے گیس حاصل کی جاتی ہے ان کے بارے میں اندازہ ہے کہ ان کی عمر تقریباً16 برس ہے۔اب تک صرف 11فی صد پن بجلی حاصل کی جاسکی ہے۔لیکن افسوس ناک امریہ ہے کہ ہمارے ہاں توانائی کا تصرف ترقی یافتہ ممالک سے زیادہ ہے اس کی وجہ سے صنعتی توانائی کے استعمال میں بدنظمی ہے۔اسی طرح کوئلہ سے حاصل کی جانے والی توانائی کے استعمال میں بے احتیاطی اور بدنظمی سے بھی ماحولیاتی مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔

پاکستان کی تہذیب وتمدن کی تاریخ 5ہزار سال پرانی ہے۔ ہمارے پاس قدیم ثقافت وتہذیب کے آثار تاریخی عماتوں کے فن تعمیر، سماجی رسوم'لوک داستانیں'فنون لطیفہ اور دستکاریوں کی صورت میں موجود ہیں۔ان کا تحفظ ہماری ترجیحات میں شامل ہونا چاہیۓ مگر افسوس یہ کہ یہ ہماری لاپرواہی کا شکار ہیں۔

ہم اپنے قدرتی وسائل کو بے دردی سے استعمال کرتے ہیں۔اس سے ماحولیاتی آلودگی کے سنگین مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔شہری غلاظت کا نصف حصہ سیوریج کی نالیوں میں جاتا ہے باقی یا تو وہ سڑکوں کے کنارے ڈال دیا جاتا ہے۔یا وہ دریاؤں یا دیگر ذرائع آب میں شامل ہو جاتا ہے۔ملک میں پانی کی آلودگی کا سب سے بڑا سبب بھی یہی ہے۔ جس سے معدے اور آنتوں کی بیماریاں پھیلتی ہیں۔ دریائے راوی میں آلودگی کے باعث ماہی گیری میں 5ہزارٹن سالانہ نقصان ہو رہا ہے۔

ایک محتاط سروے کے مطابق ملک کی 100 کیمیاوی صنعتوں میں سے صرف 3کے پاس پانی صاف کرنے کی استطاعت ہے۔ باقی فیکٹریاں اور کارخانے مضرصحت پانی اپنی سہولت کے مطابق ادھرادھر نکال دیتے ہیں جس سے زرعی پیداوار کوشدید نقصان ہو رہا ہے۔کراچی کے صنعتی علاقوں سے خارج ہونے والا مضر اور تیزابی کیمیاؤں سے بھر پور پانی بندر گاہ اور مقامی دریاؤں کو آلودہ کررہا ہے۔ وادی پشاور کی صنعتیں دریائے کابل کو آلودہ

کررہی ہیں اور اس کا پانی آب پاشی اور انسانی استعمال کے قابل نہیں رہا۔ ملتان کی پاک عرب فرٹیلائزر فیکٹری سے خارج ہونے والے پانی سے زیر کاشت وسیع علاقہ آلودہ ہوا اور بے شمار مویشی مر گئے ہیں۔

اسی طرح موٹر گاڑیوں اور صنعتوں سے خارج ہونے والا دھواں ہوا کو آلودہ کررہا ہے۔ پٹرول میں سکے کی ملاوٹ پرانی اور ٹیوننگ کے بغیر چلائی جانے والی گاڑیاں اس کا سب سے بڑا سبب ہیں۔

پاکستان میں 47920 ٹن ٹھوس اخراج(Solid Waste) پیدا ہوتا ہے جو سالانہ 17.5 ملین ٹن بنتا ہے۔ٹھوس اخراج کی صفائی عموماً میونسپل کارپوریشنوں کے ذریعے ہوتی ہے۔اول تو تمام اخراج اٹھایا ہی نہیں جاتا جو صاف کیا جاتا ہے وہ عموماً صنعتی فضلہ بھی ڈال دیا جاتا ہے۔ جو زمین کو آلودہ کر کے اس کی زرخیزی کو ختم کرتا ہے۔

قومی حکمت عملی میں پاکستان میں ماحول کی صورت حال کو بگاڑنے کے اسباب کی نشاندہی اور بنیادی مسائل کا احاطہ کرنے کے ساتھ 3اہم مقاصد کو سامنے رکھا گیا ہے۔

- ترقی اور انتظامی امور میں عوام کی زیادہ سے زیادہ شرکت۔
- فیصلہ سازی میں ماحول اور معیشت کا انضمام۔
- پاکستان کے باشندوں کے معیارزندگی میں پائیدار اور مستحکم بہتری۔

اس دستاویز میں معاشی فیصلہ سازی کی فلاح کے لئے ذیل میں درج امور کو ترجیح دی گئی ہے:

زیر کاشت رقبہ میں اراضی کی پرورش
آبپاشی کی بہتر کارکردگی
سیرابی علاقوں کا تحفظ
جنگلات اور شجرکاری کا فروغ
کوہستانی چراگاہوں کی بحالی اور مال مویشیوں کی ترقی
آبی وسائل اور ماہی پروری کا تحفظ وفروغ
خطرات کے تنوع کا تحفظ

توانائی کے تصرف میں بہتر کارکردگی

قابل تجدید وسائل کی تشکیل نو اور ترقی

شہری غلاظت کوٹھکانے لگانے کا بہتر انتظام

مشترکہ وسائل کے ترویج کی حمایت

آبادی اور ماحولیاتی منصوبوں کا انضمام

ثقافتی ورثہ کا تحفظ

یہ حکمت عملی دراصل ایک دائرے کی مانند ہے جوحکومت کی سربراہی سے شروع ہوتی ہے اورحکومت اور غیرسرکاری تنظیموں کی مدد سے عملدرآمد پرختم ہوتی ہے۔

وفاقی اورصوبائی حکومتوں کی سربراہی

محکمہ جاتی ذمہ داری

اضلاعی باہمی تعاون

عوام کی شرکت

انفرادی عمل

اجتماعی کام

حکومت اور این جی اوز کی مدد

لیکن اس حکمت عملی کی کامیاب تعمیل عوام کے ہاتھ میں ہے۔کوئی بھی منصوبہ اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک ملک کے لوگ اس میں شامل نہ ہوں۔ یہ حکمت عملی انہی کے لئے ہے اور ہم سب مل کر اپنے مستقبل کوسرسبز بنا سکتے ہیں۔

ماحولیاتی پالیسی اور پروگرام

کسی بھی ملک کے قدرتی وسائل کے انتظام اور استعمال کے لئے واضح پالیسیاں فراہم کرنا ہی تحفظاتی حکمت عملی کا سب سے اہم خصوصیت ہوتی ہے۔لیکن پاکستان میں یہ امر بے توجہی کا شکار رہا۔ یہاں کوئی ایسی جامع پالیسی تیار نہیں کی گئی جس کا بنیادی مقصد قدرتی وسائل کا تحفظ اور پائیدار ترقی ہو۔ البتہ ساتویں پنج سالہ منصوبے میں اس ضمن میں کچھ بالواسطہ حوالے ضرور ملتے ہیں اس میں کہا گیا ہے۔

''سماجی تبدیلی ایک پیچیدہ اور طویل المیعاد عمل ہے۔ اس میں سماجی' سیاسی اور اقتصادی شعبوں میں اقدار اور تصورات کی تبدیلیاں اور قدرتی وسائل کے استعمال میں اختراعات شامل ہیں''۔

تاہم ماحولیات کے بارے میں جامع اور ہمہ گیر پالیسی کے رہنما خطوط فراہم کرنے کے حوالے سے ساتواں منصوبہ مایوس کن ہے۔صرف ''تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کی رہائش کے لئے ٹاؤن ڈیولپمنٹ پلاننگ اسکیموں'' اور سیم اور تھور پر مکمل قابو پانے جیسی ضروریات ہی ان مسائل سے مطالقت رکھتی ہیں۔ جبکہ ترقیاتی حکمت عملی کو فعال بنانے کے لئے ماحولیاتی مسائل کو مزید اہمیت دینے کی ضرورت ہے۔ منصوبے کے ترقیاتی اہداف میں ''معیشت کے تمام شعبوں میں توانائی کے تحفظ اور ماحولیاتی تحفظ'' کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

جہاں تک اقتصادی پالیسی کا تعلق ہے اس میں ایسے دو عوامل پر توجہ دی گئی ہے جن کا براہ راست تعلق قومی حکمت عملی برائے تحفظ کی تشکیل سے ہے۔ ایک تو یہ کہ ہمارا ٹیکس سسٹم حکومت کے ترقیاتی پروگراموں کے لئے درکار رقم جمع کرنے میں ناکام رہا ہے۔ دوسرے اقتصادی سرگرمیوں پر اثراندازی کے لئے امدادی رقوم اور رعائت میں کمی اور پیداواری استعداد کو بڑھانے کے لیے مثبت اقدام کی ضرورت ہے۔

دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ منصوبے میں عمومی حکومتی پالیسیوں

کی تشکیل میں قدرتی وسائل اور ماحولیات کا بہت کم حوالہ دیا گیا ہے۔ اس لئے آئندہ پنج سالہ منصوبے میں اس ضمن میں نئی جہتوں کو بروئے کار لانے کی توقع کی جاسکتی ہے۔

معاشی ڈھانچہ

1980ء کے عشرے میں ملکی ترقی کی اوسط سالانہ شرح 6.5 فیصد تھی اور دنیا کی صرف پانچ اقوام سے بہتر تھی۔ درحقیقت ''کالی معیشت'' اور نجی شعبے کے پھیلاؤ کی وجہ سے ترقی کی اصل شرح اس سے بھی زیادہ رہی ہو گی۔ گزشتہ عشرے میں سرکاری شرح ترقی کو صنعتی شعبے سے قوت رفتار ملی جس کی ترقی کی شرح 9 فی صد تھی۔ جبکہ زرعی شعبے میں 7 فی صد اضافہ ہوا لیکن زرعی شعبے کی اضافی پیداوار ملک کی 3.1 فی صد کی شرح سے بڑھتی ہوئی آبادی سے نمٹنے کے لئے ناکافی تھی۔

اقتصادیات اور ماحول کا باہمی تعلق

ماہرین اقتصادیات کی رائے میں مذکورہ ترقی کا بلند ریکارڈ فریب دہ ہے۔ کیونکہ اس کے لئے جو قدرتی وسائل استعمال کئے گئے ہیں ان کا حساب پیش نہیں کیا گیا۔

مزید برآں گذشتہ چند برسوں کے دوران ماحولیاتی ابتری کے ساتھ طبعی اور سماجی زیریں ڈھانے میں سنگین قطع و برید ہوئی ہے۔ البتہ صحت اور تعلیم کے شعبے میں نسبتاً زیادہ رقوم مختص کی گئیں اور اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اگر پاکستان غربت اور ماحولیاتی ابتری میں کمی کرنا چاہتا ہے تو سماجی شعبوں پر زیادہ توجہ دی جانی چاہئے۔ ماحولیاتی ابتری کا ایک سبب ایسی پالیسیوں کا فقدان بھی ہے جو قدرتی وسائل کے صحیح استعمال کی حوصلہ افزائی کریں اور آلودگی پیدا کرنے والوں کو سزا دیں۔

شعبہ جاتی ساخت

پاکستانی معیشت کی شعبہ جاتی ساخت میں وقت کے ساتھ خاصی تبدیلی آئی ہے۔ پاکستان معیشت میں تیزی سے بڑھتی ہوئی افرادی قوت کو جذب کرنے کی صلاحیت محدود ہے۔ ملک میں روزگار کے مواقع میں کمی اور بے روزگاری میں اضافہ ہو رہا ہے۔ بیرون ملک نقل مکانی نے محنت کی منڈی پر دباؤ کم کیا ہے لیکن مشرق وسطیٰ

شمالی امریکہ اور مغربی یورپ میں روزگار فراہم کرنے والے مواقع اب ختم ہو چکے ہیں۔ اس لئے پاکستان کے ہمہ وقت متحرک رہنے والے محنت کشوں کو ایسے علاقوں کی کھوج ہے جہاں افرادی قوت کی کمی ہو اور اس ضرورت کو پورا کر کے روزگار کما سکیں۔ اس کے لئے انہیں حکومت کی مدد درکار ہے۔

اخراجات

وسائل کے استعمال اور اقتصادی ترقی کی طریقہ وضع کرنے میں حکومتی پالیسوں اور اخراجات نے کلیدی کردار ادا کیا ہے۔گذشتہ چند برسوں میں حکومت کے سالانہ اخراجات مجموعی قومی پیداوار(GNP) کا تقریباً 21فی صد رہے ہیں۔تقریباً ایک تہائی حصہ دفاعی ضروریات پرخرچ ہو جاتا ہے اور ایک بڑا حصہ قرضوں کی ادائیگی اور انتظامی اخراجات پر اٹھ جاتا ہے۔انسانی مد میں سرمایہ کاری کے لئے بہت کم رقم بچتی ہے۔

حکومت اقتصادی شعبوں کے درمیان ترجیحات میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی استعداد کا تعلق محض پالیسی کے دائرہ کار سے نہیں بلکہ اخراجات کے معاہدوں سے بھی ہے۔ نجی شعبے کو فروغ دینے کی حکومتی پالیسیوں سے مطابقت رکھتے ہوئے پیداواری شعبوں کے اخراجات کم کر دیئے گئے ۔ جو گذشتہ عشرے میں 20 فیصد سے گھٹ کر 7فی صد ہو گئے جس کا ملک کے اقتصادی ڈھانچے پرنمایاں اثر ہوا۔

پائیدار ترقی کو متاثر کرنے والی سماجی و معاشی خصوصیات

ہمارے موجودہ سماجی و معاشی ڈھانچے کی خاصیتیں ایسی ہیں جن کا ماحول کے تحفظ کی حکمت عملی سے متاثر ہونے کا امکان نہیں۔

یعنی پاکستان میں گھریلو بچتوں کی شرح دنیا کی سب سے کم شرحوں میں سے ایک ہے۔ بے جا اسراف کی عادت اب مختصر سے اعلی طبقے تک ہی محدود نہیں رہی۔ ایسی بے اعتدالیاں اب معاشرے کے دوسرے طبقوں میں بھی سرایت کر گئی ہیں۔ 1970ء کی دہائی میں مشرقی وسطیٰ میں کام کے لیے جانے والے 2 ملین پاکستانی بھی اپنے طور پر اسراف کے ان طریقوں پر اثر انداز ہوئے ہیں اور انہوں نے اکابرین کے پرتعیش انداز زندگی کو مستحکم کیا ہے۔

پاکستان میں ابھی تک واضح طور پر آبادی کی پالیسی وضع نہیں کی گئی ۔ درحقیقت جو اقدامات کئے گئے ہیں ان سے نوزائیدہ بچوں کی شرح اموات میں تو کمی ہوئی ہے لیکن افزائش کی شرح میں کوئی کمی نہیں ہوئی جب کہ دیگر ترقی پذیر مما لک کا تجربہ اس سے مختلف ہے۔ بجٹ میں عورتوں کی تعلیم کے لئے زیادہ رقم مختص کر کے اس عمل میں مدد دی جاسکتی ہے۔

سب سے اہم مسئلہ منشیات اور دیگر انواع کی اسمگلنگ پر مبنی زیر زمین معیشت کا نشوونما کا ہے جس نے اقدار اور سماجی ضوابط کی دھجیاں اڑا دی ہیں ے البتہ اگر ایسے لوگوں کو سزا دینے کی حکومتی پالیسی موثر ثابت ہوئی تو اس سے تحفظ کی حکمت عملی میں مدد مل سکتی ہے۔

تیز یہ کہ نجی شعبے کی تیز رفتار ترقی ماحولیاتی حکمت عملی پر منفی اثرات مرتب کررہی ہے۔ صنعتی شعبے کا رجحان ان امور کی جانب ہے جو ماحول کو نقصان پہنچانے کا سبب بن سکتے ہیں۔

پالیسی اور قدرتی وسائل کا اصولی تعلق

سب سے پہلے ان طریقوں کی جانب توجہ مبذول کی جانی چاہئے جن کی وجہ سے قدرتی وسائل کا استعمال اقتصادی پالیسوں اور اقدامات سے متاثر ہوتا ہے۔ مثلاً یہ کہ ماحولیاتی اثرات کا تعلق بڑے پیمانے پر شعبہ جاتی اخراجات کی ترجیحات کے نمونے سے ہے۔ مخصوص اقتصادی آلات کاربھی بلاواسطہ یا بالواسطہ طور پر قدرتی وسائل کے استعمال پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ بلاواسطہ آلہ کار کی ایک مثال پانی کی کم قیمت ہے۔ جس کی وجہ سے آبپاشی کے وسائل کا بے جا استعمال ہو رہا ہے۔ اور بالواسطہ آلہ کار حد سے بڑھی ہوئی شرح مبادلہ ہے جو زراعت اور صنعت میں سرمائے پر مبنی طریقوں کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ اقتصادی پالیسی اور قدرتی وسائل کے استعمال میں تیسرے تعلق کی انوکھے طور پر منفی تعریف کی جاتی ہے۔ یعنی پالیسی کا فقدان دوسرے الفاظر میں جب پالیسی کی ضرورت پڑے تو پالیسی نہیں ہوتی۔

موجودہ قانونی ڈھانچہ

موجودہ قانون میں ماحولیاتی تعلق کے حوالوں ک مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے

کہ جہاں خصوصی ماحولیاتی قوانین کم اور نا کافی ہیں وہاں پاکستان میں ''اتفاقی'' ماحولیاتی قوانین اچھی خاصی تعداد میں موجود ہیں۔ 1983ء کے آرڈی نینس برائے ماحولیاتی تحفظ اور جنگلی حیات کے تحفظ کے چند قوانین کے سوا دیگر قوانین ماحول کے تحفظ اور وسائل کے تحفظ کے خصوصی مقصد کے لئے نہیں بنائے گئے تھے۔ اس لئے ان میں موجود ماحولیاتی مواد محض ایک معاون کا درجہ رکھتا ہے۔

قانون کی کوتاہیاں

مناسب تعریف کا فقدان

قوانین کے متعلقہ حصے میں ماحول کی مناسب تعریف کا فقدان بھی ایک مسئلہ ہے۔ یہاں تک کہ لوکل گورنمنٹ آرڈی نینس جو ماحولیاتی آلودگی کا احاطہ کرتا ہے اس کی تعریف والے حصے میں بھی ماحول کے بارے میں کچھ نہیں کہا گیا۔ یوں قانون کی عمل داری کی تشریحات زیادہ ہونے لگتی ہیں اور قانون کی حمایت میں اس کے استعمال یا نفاذ کا امکان کم رہتا ہے۔

معیارات کا فقدان

پاکستان کا ماحولیاتی قانون حدود اور معیارات کے تعین کی کمی کا شکار ہے جس کی وجہ سے یہ قوانین غیر موثر ہو جاتے ہیں۔ اور ان کا نفاذ مشکل ہو جاتا ہے۔ 1965ء کے موٹر گاڑیوں کے آرڈی نینس 1969ء میں یہ کہا گیا ہے۔

''ہر موٹر گاڑی اس طرح سے بنائی جائے' ایسی حالت میں رکھی جائے اور اس طرح چلائی جائے اور استعمال کی جائے کہ اس میں سے کوئی دھواں نظر آنے والے بخارات' چوکر' شرارے' راکھ' کجلایا ہوا کوئلہ چکنائی والا مادہ خارج نہ ہو۔ اس کے اخراج کو مناسب اقدامات یا مناسب احتیاط سے روکا جا سکتا ہو یا اس سے محفوظ ہونا آسان ہو۔ جس کا اخراج لوگوں یا املاک کے لئے نقصان دہ یا تکلیف دہ نہ ہو۔ یا سڑک پر چلنے والے کسی بھی شخص کی سلامتی کے لئے خطرہ نہ ہو۔''

ان الفاظ میں اخراج کے معیارات کسی مقدار کے حساب سے تجویز نہیں کئے گئے۔ اس کا انحصار صرف مناسب اقدامات اور احتیاط پر ہے۔ اس کا تعین کیسے ہو گا؟ نیز

لوگوں کو پہنچنے والے نقصانات اور تکالیف کی پیمائش کا معیار کیا ہوگا؟ اس کی وضاحت نہیں کی گئی یہ صرف سڑک پر چلنے والوں کو درپیش نقصان تک محدود ہے۔ ماحول کو پہنچنے والے خطرات کا اس میں ذکر نہیں ہے۔

معیارات کی توضیع نہ کرنے کی وجہ سے اس ضابطے کا نفاذ متعلقہ اتھارٹی کی صوابدید پر منحصر ہے۔ یہ امر اس کے باضابطہ نفاذ اور لوگوں کی جانب سے اس کی رضا کارانہ تعمیل کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے۔

نفاذ کے وسائل کی عدم دستیابی

کسی بھی حکومت کے پاس ماحول کی بہتری کے لئے انتہائی محدود مالی وسائل ہوتے ہیں۔ ان مجبوریوں کی وجہ سے ماحول کے تحفظ اور قدرتی وسائل کے پائیدار استعمال کے بارے میں قانونی ضوابط سے متعلق ضروری تکنیکی علم اور آلات میں خاصی کمی واضح ہوئی ہے۔ قانونی دفعات کے خاطر خواہ نفاذ کی عدم موجودگی کے ساتھ وہ آلات اور ٹیکنالوجی بھی دستیاب نہیں جن کی موجودگی نفاذ سے پہلے ضروری ہوتی ہے۔

اگر اخراج کے قابل تعین معیارات مقرر کر لئے جائیں اور متعلقہ قوانین میں تعریفات کو بھی شامل کرلیا جائے تب بھی گند اب اور اخراج کی سطحوں کی تعین کرنے کے لئے نفاذ کی ذمہ دار ایجنسیوں کو جدید آلات درکار ہوں گے۔ موٹر وہیکل آرڈی نینس 1965ء اس کی بھی مثال پیش کرتا ہے۔ 1969ء کے ضوابط کے تحت فضائی اور شور کی آلودگی کو روکنے کے لیے سائلنسیرز کا استعمال درکار ہے۔ لیکن اس قانون کے نفاذ کے لئے ٹریفک کانسٹیبل کے پاس اپنی تنک مزاجی کے سوا کوئی اور پیمانہ نہیں۔ اس لئے جب بھی اس قانون کو نافذ کیا جائے گا تو پکڑا جانے والا اسے زیادتی قرار دے گا اور کہے گا کہ اسے خوامخواہ پھنسایا گیا ہے۔

''سخت'' سماجی قانون کی بے عملی

محدود خواہش اور وسائل کے ساتھ اور مقامی آبادی کی حمایت حاصل کیے بغیر تمام تر اچھے عزائم کے باوجود اس قانون کو نافذ نہیں کیا جاسکا۔ اگر چہ سخت سماجی قوانین کبھی کبھار لازمی ہوتے ہیں لیکن ان کے نفاذ کے لئے مستحکم ارادہ اور ان کے قابل قبول ہونے کے

بارے میں گہرا مطالعہ ضروری ہے۔

قانون سازی کا تعزیری کردار

ماحولیاتی جرائم کے لئے سزائیں عام طور پر اصلاحی ہونے کے بجائے تادیبی ہوتی ہیں یہ نقطہ نگاہ غیر سود مند ہے۔ کیونکہ اس کا نتیجہ مستقل میں پابندی کی شکل میں تو نکل سکتا ہے لیکن جو نقصان ہو چکا ہے اس کی اصلاح نہیں ہوتی۔ پاکستان میں قانون سازی میں ان معاملات میں بھی تادیبی شعبوں کے اطلاق کی کوشش کی گئی ہے جہاں کمرشل لائسنسنگ سے بہتر نتائج نکل سکتے تھے۔ جج حضرات آلودگی کو اتنا سنگین جرم نہیں گردانتے اور مثالی فیصلے دیتے ہوئے جھکتے ہیں خاص طور پر جہاں معاملہ کچھ اداروں کے بند ہونے اور کچھ لوگوں کے روزگار چھن جانے کا ہو اور سزا دینے کے لئے مجرمانہ سطح کے ثبوت درکار ہوں۔

چھوٹے جرمانے

کسی بھی قانون کے کامیاب نفاذ کے لئے ضروری ہے کہ سزا اتنی سخت ہو کہ مجرم جرم کرنے سے باز رہے ادھر قانون نافذ کرنے والوں کے لئے پر آسائش زندگی کو یقینی بنایا جائے تاکہ وہ بدعنوانی سے باز رہیں۔ پاکستان کے بیشتر قوانین دونوں حساب سے ناکارہ ہیں ماحولیاتی قوانین کے حوالے سے تو صورت حال اور بھی سنگین ہے۔

عام طور پر جو جرمانے کئے جاتے ہیں وہ جرم کے تناسب سے نہیں ہوتے۔ چونکہ ان پر باقاعدگی سے نظر ثانی نہیں کی جاتی اس لئے ان میں سے اکثر افراط زر کی وجہ سے بالکل ہی برائے نام رہ گئے ہیں ویسے بھی جو جرمانے کئے جاتے ہیں انہیں انسدادی اقدامات یا ابتر ماحول کو بحال کرنے کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا۔ ایسا جرمانہ جو صوبائی یا وفاقی آمدنی میں شامل ہو کر اپنا تشخص کھو دیتا ہے وہ اصلاحی اقدامات کے لئے اتنا اچھا محرک ثابت نہیں ہوتا جتنا کہ نقصان کی اصلاح کے لئے الگ رکھا جانے والا جرمانہ ہوسکتا ہے۔

غربت کا دباؤ

پاکستان کے بیشتر علاقوں میں غربت عام ہے۔ اس کی بدولت لازمی طور پر اپنی

بقا کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ چنانچہ لوگ وسائل کے تحفظ کے لئے بنائے گئے قوانین کی اس وقت تک پروانہیں کرتے جب تک اس تحفظ کا نتیجہ انہیں فوری حقیقی فوائد کی صورت میں نظر نہ آئے۔ اس کی ایک مثال جنگلات سے متعلق وضع کئے گئے مختلف قوانین ہیں۔ 1927ء کا جنگلات ایکٹ صوبائی حکومت کو اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ وہ محفوظ جنگلات میں مقامی آبادی کو مویشی چرانے مداخلت بے جا کرنے اور جنگل کی کسی بھی پیداوار کے استعمال کی ممانعت کردے۔ جنگلات کے استعمال کو جرم قرار دینا مقامی آبادیوں کو ان قوانین کی نافرمانی پر اکساتا ہے کیونکہ جنگلات کا استعمال ان کے لئے آسائش کا نہیں ضرورت کا درجہ رکھتا ہے۔ اکثر صورتوں میں محکمہ جنگلات مقامی آبادی کے اشتراک سے کام کرنے کو ترجیح دیتا ہے لیکن بغیر سوچے سمجھے بنائے جانے والے اس نوعیت کے ضابطے تنازعات پیدا کرتے ہیں۔

آگہی کا فقدان

خواندگی کی کم شرح ماحولیاتی آگہی اور عملی اقدام میں بہتری کی رفتار کو نمایاں طور پر محدود کر دیتی ہے جو ہمارے خطے سمیت دنیا کے بہت سے ممالک میں بہتر قوانین کے لئے ایسے ماحولیاتی پریشر گروپس کی ترقی آگہی کے فقدان کی وجہ سے ست پڑ گئی ہے جو اس مقصد کے لئے تحریک کا باعث بن سکتے ہیں۔ نگرانی کرنے والے افراد قانون نافذ کرنے والی ایجنسیاں یہاں تک کہ عدلیہ میں بھی ماحولیاتی مسائل اور ان کی اہمیت اور موجودہ قوانین کے بارے میں آگہی کا فقدان پایا جاتا ہے اور مجموعی طور پر معاشرے کی جانب سے ماحول پر کم توجہ دینے کی بنا پر صورت حال سنگین ہو چکی ہے۔

قانون کا احترام کا فقدان

ملکی قانون کے احترام کی روایت برسوں سے ختم ہو چکی ہے۔ اس کی ایک وجہ یکے بعد دیگرے نافذ کئے جانے والے مارشل لاء ہیں۔ جنہوں نے ایک شخص کو اختیارات دینے کے لئے ملک کی سب سے بڑی مقدس دستاویز یعنی آئین کو منسوخ یا معطل کیا۔ مطلق العنان ایڈمنسٹریٹرز کی ذاتی خواہشات اور احکام کو ہر سطح پر قوانین پر بالادستی حاصل رہی۔
بہت سے لوگوں کے لئے خواہ وہ تعلیم یافتہ ہی کیوں نہ ہوں قانون کا عدم احترام

ایک طرح کا طرز زندگی بن چکا ہے۔ گذشتہ چند سال میں جو ایک طبقاتی معاشرہ ابھر کر سامنے آیا اس نے اس احساس کو جنم دیا ہے کہ قانون توڑ کر صاف بچ جانا بڑے مرتبہ کی علامت ہے۔

قانون سازی کے علاوہ

گو قانون کو موثر ماحولیاتی انتظام کے وسیلے کے طور پر مسترد کردینا صحیح نہیں ہوگا لیکن بہتر ماحولیاتی تحفظ اور وسائل کے انتظام کی ضمانت کے لئے محض قانونی اقدامات پر بھروسہ کرنا بھی درست نہیں۔ بلاشبہ ماحولیاتی تحفظ کی صوبائی ایجنسیوں کے حالیہ تجربے سے ثابت ہوا کہ عدالتی چارہ جوئی کے بغیر صنعتی شعبے میں نمایاں طور پر ماحولیاتی تحفظ ہوسکتا ہے۔

بہر حال موجودہ ماحولیاتی پالیسی اور قانونی ڈھانچے پر ایک نظر ڈالنے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ماحولیاتی قوانین کے ایک جامع مجموعے کے نہ ہونے سے ترقی کی راہ میں کوئی ناقابل عبور رکاوٹ پیش نہیں آتی۔ قانون نافذ کرنے کے رسمی طریقوں کے بغیر بھی باہمی تعاون خوش تدبیری اور راہنمائی سے بہت کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

موجودہ ادارے

وسائل اور بنیادی ڈھانچہ دونوں براہ راست ایک دوسرے سے مربوط ہیں لیکن دونوں تباہ ہو رہے ہیں۔ وہ سماجی نظم ونسق جو ان کی تدبیر کرتا تھا وہ ختم ہو چکا ہے۔ سماجی نظام کی کمزوری یا فقدان پہاڑی علاقوں میں ضرورت سے زیادہ چراگاہوں کا استعمال سندھ میں تھر پارکر کے علاقے میں بڑھتا ہوا ریگستان' شمالی پاکستان میں جنگلات کی تباہی اور نظام آبپاشی کے ڈھانچے کی ابتری سے ظاہر ہوتا ہے۔

وسائل کے مناسب استعمال کے روایتی ادارے کمزور یا ناکام ہوچکے ہیں اور شہری علاقوں میں جدید طریقے موثر ثابت نہیں ہو رہے۔ شہری آبادی کے پھیلاؤ کی وجہ سے حکومت تمام لوگوں کو بنیادی سہولتیں فراہم کرنے سے قاصر ہے۔ 1980ء کی دہائی میں حکومت کی جانب سے متعدد ادارے قائم کئے گئے بلدیاتی اداروں کو مضبوط کرنے کی کوشش کی گئی لیکن ان اقدام سے ایسے خاطر خواہ نتائج اخذ نہ ہو سکے جن سے دیہی سطح پر کسی ترقی کا

احساس ہو۔ جبکہ ماحولیاتی تحفظ کے حوالے سے پاکستان میں نجی شعبے کا کردار نہ ہونے کے برابر ہے بلکہ کچھ چھوٹے ادارے انجینئرنگ یا شہری منصوبے بندی شعبوں میں تو مشاورتی کام سرانجام دے رہے ہیں مگر آلودگی کے سدباب کے لئے کوئی ایسا ادارہ سامنے نہ آسکا۔

انسانی نقطہ نظر سے ماحول کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ تمام افراد کی مشترکہ ملکیت ہے۔ کمیونٹی کی سطح پر قائم ادارے وہ ادارے ہیں جو مشترکہ ملکیت کی تدبیر کرتے ہیں۔ لیکن روایتی طرز فکر یہ ہے کہ وسائل کا انتظام یا بندوبست دو سطح پر کیا جاتا ہے۔ ایک افراد کی سطح پر اور دوسرے حکومتی اقدامات کے حوالے سے حکومتی سطح پر۔ دوسرے الفاظ میں موجودہ پالیسی اور منصوبے ماحول کی انتظامی امور کے ضمن میں انفرادی یا سرکاری شعبے پر مرکوز ہیں۔ جو نجی یا سرکاری ملکیت کو تسلیم کرتے ہیں مگر عمومی ملکیت کو نظر انداز کرتے ہیں۔

حکومت کا آئینی ڈھانچہ اور رابطہ

وفاقی حکومت پالیسی یا پروگراموں کی تشکیل کے لئے مختلف اور مخصوص ڈویژنوں کی مدد سے نظم ونسق چلاتی ہے۔ ایک شعبے سے تکنیکی مشورے لئے جاتے ہیں اور پالیسی کا نفاذ محکموں یا خودمختار اداروں کے ذریعے کروایا جاتا ہے۔ صوبوں میں یہ شعبہ جاتی محکمے ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہیں جنہیں علاقائی رو سے ڈویژنوں' ضلعوں یا تحصیلوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ یعنی قومی اقتصادی کونسل سے لے کر ترقی کے لائحہ عمل کو چلانے والے محکموں تک رابطے کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ جو پالیسی سازوں' مشیروں منصوبہ سازوں اور تعمیل کرنے والوں کے باہمی تعاون کے لئے اہم کردار ادا کرتا ہے تاکہ ترقی کے موثر فیصلے وجود میں آسکیں۔

موجودہ نظام کی بنیادی کمزوریاں

دیگر ترقی پذیر ممالک کی طرح پاکستان میں انتظامی اور ترقیاتی مشینری میں بہت سی خامیاں اور کمزوریاں پائی جاتی ہیں۔ جن میں بدعنوانی اور کام میں عدم دلچسپی سرفہرست ہیں جنہیں درست کرنے کے لیے قومی جذبے کے علاوہ کام کے فرسودہ طریقوں میں تبدیلی لانے اور ان کے بجائے جدید طریقے کار کو اپنانے کی شدید ضرورت ہے۔

قدرتی وسائل کے انتظام کے لئے موجودہ لائحہ عمل

پاکستان میں قدرتی وسائل کو آئین میں متعین طریقہ کار کی بنیاد استعمال کیا جارہا ہے۔ قدرتی وسائل میں سے زیادہ تر مرکز کے دائرہ اختیار میں ہیں، جبکہ باقی ماندہ صوبوں کی ملکیت ہونے کے باعث ان کے رحم و کرم پر ہیں۔ صوبوں نے انہیں بلدیاتی آرڈی نینس کے تحت بلدیاتی اداروں کو سونپ دیا ہے اور کچھ کو صوبائی محکموں کے تحت بروئے کار لایا جا رہا ہے۔ دراصل ذمہ داریوں کی تقسیم، ارتقائی عمل کے لئے ضروری ہے جس میں مرکز نمایاں کردار ادا کرتا ہے تا کہ طویل مدت وسائل سے استفادہ کرنے کے لئے ماتحت شعبوں کے مابین باہمی تعاون پیدا ہو۔

ماحول کے تحفظ کے لئے موجودہ طریقہ کار

70-1960ء میں جب صنعتی ترقی اور صنعتی انقلاب کا دور دورہ تھا تو اس دوران یہ احساس پیدا ہوا کہ ماحولیاتی ابتری کے اسباب معلوم کرنے کے لئے کوئی وزارت یا ایجنسی قائم کرنا چاہئے تا کہ وہ ان کے اثرات اور تدراک کے بارے میں بروقت اقدام کر سکے۔ بے شک اس میں متعدد کامیابیاں حاصل ہوئیں خصوصاً صنعتی آلودگی کے ضمن میں، دراصل پاکستان میں حفاظتی تدابیر کا یہی آغاز ہے۔

وفاقی سطح

دنیا بھر میں ماحولیاتی معاملات کے بڑھتے ہوئے شعور کے ردعمل میں پاکستان میں بھی 1974ء میں ماحول اور شہری امور کا ڈویژن قائم کیا گیا۔ جسے ہاؤسنگ اور تعمیرات کی وزارت کے ماتحت رکھا گیا۔ یہ قدم اسٹاک ہوم میں منعقد ہونے والی اقوام متحدہ کی کانفرنس برائے انسانی ماحول کے بعد اٹھایا گیا تھا۔

1983ء میں پاکستان ماحولیات آرڈی نینس کے ذریعے وفاقی سطح پر تحفظ ماحول کونسل قائم کی گئی جسے ملک میں ماحولیاتی آلودگی پر کنٹرول اور ماحول کے تحفظ کی ذمہ داری سونپی گئی۔ جبکہ وزارت خوراک و زراعت اور امداد باہمی جنگلی حیات اور نیشنل پارکس کے تحفظ کا سربراہ ادارہ ہے جو جنگلی حیات کی قومی کونسل اور متعلقہ محکموں کے ذریعے عمل کرتا

ہے۔ اس وقت پاکستان کے 10 فی صد رقبہ کو نیشنل پارک یا جنگلی حیت کی پناہ گاہیں قرار دیا گیا ہے۔ مگر درحقیقت ایک فیصد پر بھی عمل نہیں ہو سکا۔ دوسرا اہم وفاقی ادارہ واپڈا کا آبی شعبہ ہے جو 1989ء تک آبی ذخائر کے انتظام میں سرگرم عمل رہا۔

صوبائی سطح

جنگلات، زراعت اور پانی کو آلودگی سے محفوظ رکھنے کی ذمہ داری صوبائی حکومتوں پر ڈال دی گئی ہے حتی کہ ان اداروں کو وفاقی منصوبوں، بالخصوص آبی نظام کی حفاظت اور مرمت کی ذمہ داری بھی دے دی گئی ہے۔ اس سلسلے میں تمام صوبوں میں ادارہ تحفظ ماحولیات (EPAS) قائم کر دیئے گئے مگر ان میں سے دو یا تین ہی سرگرم عمل ہیں۔ سندھ کی ای پی اے کو وزارت صنعت اور بعد میں ہاؤسنگ اور ٹاؤن پلاننگ کے حوالے کر دیا گیا۔

سندھ ایجنسی برائے ماحولیاتی تحفظ

(ENVIRONMENT PROTECTION AGENCY SINDH)

جنوری 1989ء میں کابینہ کے فیصلے کے بعد قائم کی گئی جو پاکستان تحفظ ماحول آرڈی نینس کے اطلاق کی ذمہ دار ہے۔

عمومی طور پر ایجنسی سرکاری نیم سرکاری تنظیموں غیر سرکاری تنظیموں (NGOS) صنعتی انتظامیہ اور دیگر ترقیاتی اداروں کو آلودگی کو کم کرنے اور دیگر ماحولیاتی مسائل کے بارے میں مشورے دیتی ہے۔

صوبہ سندھ میں بڑے ماحولیاتی مسائل میں موٹر گاڑیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد اس کے ملاوٹ والا پٹرول پرانی فیکٹریاں انسانی استعمال کے لیے ناصاف پانی صنعتوں سے خارج ہونے والا پانی اور اس کی دریاؤں اور دیگر شہری ندیوں میں ملاوٹ صنعتوں سے نکلنے والا ضرر رساں مواد کیڑے مار دواؤں کا استعمال سیم اور تھور اور قدرتی وسائل کی بدانتظامی یہ تمام اور ماحولیاتی آلودگی میں اضافہ کرتے ہیں۔ لیکن اس کی روک تھام کسی ایک تنظیم یا ادارے کے بس کی بات نہیں بلکہ ان مسائل پر مختلف اداروں اور تنظیموں کے باہمی تعاون ہی سے قابو پایا جا سکتا ہے۔

صوبے مسائل کی نشاندہی اور ان پر قابو پانے کے لئے قدم اٹھانے کے مشوروں کے علاوہ ایجنسی (EPA) نے ماحول کے بارے میں عوامی شعور بڑھانے کے لئے بھی کئی پروگرام مرتب کئے ہیں۔ جن میں کراچی ٹیلی ویژن سینٹر کا پروگرام پرکھ ریڈیو پروگرام ''ہم آپ اور ماحول'' کے علاوہ سندھ کے مختلف شہروں میں مذاکروں کا انعقاد شامل ہے۔

کراچی کے لئے صاف ہوا'ای پی اے کا ایک اہم منصوبہ ہے۔ جس کے لئے مالی اعانت وفاقی حکومت نے فراہم کی ہے۔ اس پراجیکٹ کے اغراض و مقاصد میں کراچی میں فضائی آلودگی کی جانچ پڑتال بسوں سے خارج ہونے والے دھوئیں پر کنٹرول اور اس ضمن میں عوامی اطلاع کے لئے اخبار ریڈیو ٹی وی مذاکروں کے ذریعے پروگرام پیش کرنا ہے۔ (اسکے علاوہ مختلف اوقات میں سیمینار منعقد کرنا بھی اس میں شامل ہے)

تکمیل شدہ منصوبے

ایجنسی کے زیر اہتمام جن منصوبوں کی تکمیل ہو چکی ہے ان میں

1۔ لیاری اور ملیر دریاؤں میں آلودگی پر تحقیق

2۔ سندھ میں ماحول کی ترقی

3۔ کراچی میں شور کی آلودگی کا مطالعہ شامل ہیں۔

ای پی اے سندھ کے آئندہ پروگراموں میں ذبح خانوں میں ماحولیاتی صورت حال کا مطالعہ۔

کراچی میں کمپیوٹر نیٹ ورک سے ائیر مانیٹرنگ سینٹرز کا قیام سندھ کے بڑے شہروں میں پینے کے پانی پر تحقیق اور سندھ کی شوگر ملز کی پیدا کردہ آلودگی کا مطالعہ شامل ہے۔

پنجاب ایجنسی برائے ماحولیاتی تحفظ

یہ ادارہ یکم جولائی 1987ء میں قائم ہوا۔ اس سے قبل ڈائریکٹریٹ برائے ماحولیاتی تحفظ برسر پیکار تھا۔ اس کی اہم سرگرمیوں میں پنجاب کے بڑے شہروں یعنی لاہور' گوجرانوالہ' سرگودھا' فیصل آباد اور ملتان میں فیلڈ افسروں کی وساطت سے صوبے کی ماحولیاتی صورت حال کی نگرانی صنعتی اور غیر صنعتی آلودگی کا مطالعہ' سروے' عوامی شکایات پر ضروری

اقدامات شامل ہیں۔ لوگوں میں ماحولیاتی شعور ر دمعلومات بڑھانے کے لئے اخبار' ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعے پروگرام کئے جاتے ہیں۔ ایجنسی میں قانونی امور سے نمٹنے کے لئے علیحدہ قانونی شعبہ قائم کیا گیا ہے۔ ای پی اے نے لیک روڈ پر ایک لیبارٹری بھی قائم کی ہے جس میں ہوا' سیال اور ٹھوس اخراج کے نمونوں کے تجزیے کے لیے الگ الگ شعبے ہیں۔ اس کے علاوہ ہوا کی آلودگی کے تجزیے کے لئے ایک گشتی لیبارٹری بھی ہے۔ ایک معتبر رپورٹ کے مطابق 1987ء سے 1994ء تک پانی کے 1016 نمونوں' نباتات کے 4337، ہوا کے 5042 شور کے 1098 اور ٹھوس اخراج کے 106 نمونوں کا تجزیہ کیا گیا۔

سردست پنجاب کی ایجنسی برائے ماحولیاتی تحفظ جن منصوبوں پر کام کر رہی ہے ان میں عوام کے لئے معلوماتی پروگرام' دریائے راوی کے پانی کی آلودگی کا مطالعہ۔ شہری کوڑے کو ٹھکانے لگانے کے لئے پنجاب کے چھوٹے شہروں میں تربیتی مظاہرے۔ شیخوپورہ میں ٹھوس اخراج کا انتظام، لاہور کے سیوریج کی صفائی ہسپتالوں کے فضلے کو ٹھکانے لگانا وغیرہ شامل ہیں۔

اس کے علاوہ پنجاب بھر میں ہوا اور پانی کے معیار کو مانیٹر کرنے اور کم سے کم زیاں کے بارے میں عوامی تربیت کے پروگرام بھی شامل ہیں۔

ای پی اے پنجاب کے مطابق صنعتی آلودگی کی ذمہ داری حکومت پر عائد نہیں ہوتی بلکہ اس کے ذمہ دار صنعت کار ہیں۔ وفاقی حکومت نے نیشنل ان وائرن منٹ کوالٹی کنٹرول اسٹینڈرڈ (VEQCS) وضع کیا ہے۔ اب ان معیارات کو کس طرح کنٹرول کرنا یہ کام صنعت کاروں کا ہے اور حکومت قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف کارروائی کی مجاز ہے۔

صوبہ سرحد ایجنسی برائے ماحولیاتی تحفظ

صوبہ سرحد کی ایجنسی برائے ماحولیاتی تحفظ پشاور میں واقع ہے اور وہ علاقے کے مسائل کے بارے میں تحقیق کرنے' انہیں ریکارڈ پر لانے اور اس ضمن میں ضروری اقدامات کرنے کے لئے سرگرم عمل ہے۔ گذشتہ سال کے دوران ادارے نے جن شعبوں میں تحقیقی اور تجزیاتی کام کیا ان میں پشاور شہر کی فضائی آلودگی' گدون انڈسٹریل اسٹیٹ میں فضائی

آلودگی پشاور میں پینے کے پانی کی کوالٹی دریائے سوات کے پانی کا تجزیہ پشاور شہر کے رہائشی علاقوں میں چھوٹے کارخانوں کا سروے ایجنسی کو پیش کیے گئے ترقیاتی منصوبوں کے ماحولیاتی اثرات کا تجزیہ (EIA) پر نظر ثانی، صنعتوں سے پیدا ہونے والی اور پانی کی آلودگی کے بارے میں ملنے والی شکایات پر توجہ، چمڑے، دھات کیمیاوی، سیمنٹ، شکر، غذا اور مشروبات کی صنعتوں میں شامل افراد کے لئے ورکشاپس کا انعقاد، پلانٹ پروٹیکشن ڈیپارٹمنٹ کے گودام میں کیڑے مار دواؤں کی تلفی وغیرہ شامل ہیں۔

اس کے علاوہ ادارے کے تحت وادی پشاور کے پھلوں کے باغات پر بھاری دھاتوں کے اثرات کا تجزیہ بھی کیا گیا۔ ماحول کے بارے میں عوامی شعور بڑھانے کے لئے میڈیا کے ذریعے معلومات فراہم کی گئیں۔ نیز سوات کے رہائشی علاقوں سے نکلنے والے فضلے کو ٹھکانے لگانے کا بندوبست اور پشارو کے ہسپتالوں کے ضرر رساں فضلے محتاط تلفی کے لئے ضروری اقدامات کئے گئے۔

یونیورسٹیاں اور تحقیقی ادارے

ماحول کے حوالے سے یونیورسٹی پروگرام لاہور یونیورسٹی آف انجینئرنگ کے شعبہ پبلک ہیلتھ، پشاور یونیورسٹی میں شعبہ ماحولیاتی منصوبہ بندی، این ای ڈی میں شعبہ ماحولیاتی انجینئرنگ کے پاس ہے۔ جبکہ وفاقی حکومت بھی وزارت سائنس اور ٹیکنالوجی کے ذریعے متعدد یونیورسٹیوں کے تحقیقی شعبوں کو مالی امداد دیتی ہے۔ پی سی ایس آئی ار لاہور کی لیبارٹریز میں بھی صنعت میں کیمیائی اجزاء کے استعمال پر تحقیق ہوتی ہے۔ جامہ کراچی کے شعبہ میرین بیالوجی اور انسٹی ٹیوٹ آف اوشنوگرافی نمایاں ہیں جہاں ساحلی اور سمندری حیات پر تحقیقات کی جاتی ہیں۔ جبکہ پشاور میں ادارہ جنگلات وزارت خوراک و زراعت سے منسلک ہے۔

ویمن ڈویژن کو اب وزارت کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ اس کے قیام کا بنیادی مقصد اس امر کو یقینی بنانا تھا کہ خواتین کی ضروریات اور دلچسپیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے انہیں پالیسی، منصوبہ سازی اور پروگرام میں شامل کیا جائے، یہ وزارت اس ضمن میں منصوبے اور پروگرام وغیرہ تیار کرتی ہے۔ جن پر متعلقہ محکمے عمل درآمد کرتے ہیں۔ کچھ منصوبے وزارت

خواتین خود بھی چلاتی ہے۔

خواتین کے حوالے سے دیگر ادارے پبلک سیکٹر میں ہیں جن کی تعداد تقریباً 12 ہے۔ ان میں محکمہ سماجی بہبود چھوٹی صنعتوں کی کارپوریشن محکمہ محنت وصحت ڈائریکٹریٹ تکنیکی تعلیم، بلدیہ اور محکمہ دیہی ترقی، زراعت، جنگلات، ٹیلی فون اور ٹیلی گراف کا محکمہ شامل ہیں۔ یہ دراصل بنیادی تربیت فراہم کرنے کے ادارے ہیں۔

غیر سرکاری تنظیمیں

غیر سرکاری تنظیمیں(NGOS)

پاکستان کئی ایسی بلا منافع اور غیر سرکاری تنظیمیں بن چکی ہیں۔ جو سماجی بہبود، شعبہ تعلیم اور دیگر ایسے موضوعات پر کام کر رہی ہیں۔ ان کا دائرہ کار اور رجسٹریشن متعلقہ قوانین کے تحت ہے۔

غیر سرکاری تنظیم کی رجسٹریشن کا قانون

کمپنیز آرڈی نینس 1984ء کے تحت بلا منافع کمپنی متعلقہ آئینی حکام (کارپوریٹ لا اتھاڑتی) کے پاس رجسٹر کروائی جا سکتی ہے۔ اس قانون کے تحت این جی اوز کو کام کرنے کے وسیع دائرہ کار میسر آتا ہے بورڈ آف ڈائریکٹرز تنظیم کے انتظامی امور کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

سوسائیٹر رجسٹریشن ایکٹ 1980ء کے تحت این جی اوز کو رجسٹرار جوائنٹ سٹاک کمپنیز کے یہاں رجسٹر کروایا جاتا ہے۔ انتظامی امور ذمہ دار افراد یا بورڈ آف گورنرز کے سپرد کئے جاتے ہیں۔ اس قانون کے تحت بھی تنظیموں کا دائرہ کار خاصا وسیع ہے۔ جس میں سماجی بہبود و ترقی کے علاوہ سیاسی شعور و تعلیم وغیرہ شامل ہے۔

والنیٹر ری سوشل ویلفیئر ایجنسیز ایکٹ(1961)

اس کے تحت رجسٹر ہونے والی انجمنوں کے اغراض و مقاصد محدود ہوتے ہیں۔ رجسٹرار سوسائیٹیز کے پاس رجسٹر ہونے ک بعد صوبائی حکومت کے محکمہ سماجی بہبود سے مالی امداد حاصل کی جا سکتی ہے۔ بورڈ آف گورنرز انتظامی امور کی ذمہ داری سنبھالتے ہیں۔

ٹرسٹ ایکٹ (1882) اور چیریٹیبل انڈومنٹ ایکٹ (1890) کے تحت رجسٹر ہونے والی این جی اوز کو نجی ذرائع سے مالی امداد اور عطیات حاصل ہوتے ہیں۔ جنہیں مخصوص اغراض و مقاصد کے تحت تقسیم اور خرچ کیا جاتا ہے۔ ان رقوم کو ایک معاہدے کے تحت رجسٹرار کے پاس جمع کیا جاتا ہے اور یہ سرکاری تحویل میں ہوتی ہیں۔ پھر انہیں ٹرسٹ کے قواعد کے مطابق ادا کر دیا جاتا ہے اس کا دائرہ کار محدود ہوتا ہے اور معاہدے کے وقت

مقرر کیا گیا ٹرسٹی اس کے انتظامی امور کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

کوآپریٹو سوسائیٹیز ایکٹ 1925ء کے تحت وجود میں آنے والی سوسائٹیاں منافع بخش کاروبار بھی کر سکتی ہیں اور حاصل ہونے والا منافع سوسائٹی کے ارکان میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ یہ سوسائٹیاں رجسٹرار کوآپریٹو سوسائیٹیز کے پاس رجسٹر کروائی جاتی ہیں۔

مروجہ قوانین کے تحت رجسٹریشن صوبائی حکومت کے دائرہ اختیار میں ہے۔ جبکہ تنظیم کسی ایسے ادارے کے پاس رجسٹریشن کی درخواست دے سکتی ہے جس کے چاروں صوبوں اور دارالحکومت اسلام آباد میں دفاتر ہوں۔ ایک صوبے میں رجسٹر ہونے کے بعد تنظیم پورے ملک میں کام کر سکتی ہے۔ لیکن اس کے اغراض ومقاصد اور دائرہ کار پہلے سے واضح ہونا چاہئیں۔

پلاننگ اور ترقیات ڈویژن کے سروے کے مطابق اس ملک میں 8500 غیر سرکاری تنظیمیں کام کر رہی ہیں۔ جن میں 6 ہزار والنٹری سوشل ویلفیئر ایجنسیز کے تحت رجسٹرڈ ہیں۔ جبکہ دیگر تنظیمیں مختلف قوانین ک تحت رجسٹر کی گئی ہیں۔

زیادہ تر تنظیموں میں تجربہ کار اسٹاف بالائی سطح پر کام کرتا ہے۔ جبکہ وسطی اور نچلی سطح پر کام کرنے والوں کی کمی ہے۔ جبکہ مرکزی دفتر اور علاقے میں کام کرنے والے عموماً جزوی وقتی ہوتے ہیں۔ البتہ خواتین کے لئے کام کرنے والی ایسی تنظیمیں ہیں جن کے لیے کہا جا سکتا ہے کہ ان کا دائرہ کار وسیع ہے۔ مگر وہ بھی ایک حد تک رضا کارانہ کام کرتی ہے۔ ان کا کام خواتین کارکنوں کے وقت اور دلچسپی کے مطابق رہتا ہے۔

ہمارے ہاں کی غیر سرکاری تنظیموں میں سے زیادہ تر غیر مستحکم ہیں لیکن اس کے باوجود وہ بہت سی جگہوں پر حکومت کا ہاتھ بٹاتی ہیں۔ اور ان کی کارکردگی حکومتی اداروں کے بہ نسبت زیادہ بہتر رہی ہے۔ خصوصاً سماجی بہبود کے حوالے سے انہوں نے کئی کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں۔

ماحولیاتی غیر سرکاری تنظیمیں

پوری دنیا میں ماحولیاتی آلودگی کے مسئلے کو حل کرنے کے لئے پہلے پہل پیش رفت غیر سرکاری تنظیموں ہی نے کی تحفظ کے اطلاق کا براہ راست تعلق انہی گروپوں کی

طاقت اور صلاحیت سے ہے۔ ماحولیاتی تنظیموں کے دو کام ہیں۔ زمین کی صورت حال اور صحت کو لاحق خطرات کے بارے میں اپنے ارکان اور احباب کو معلومات فراہم کرنا اور حکومت تک ماحولیاتی مسائل کے بارے میں عوام کی رائے اور تشویش کو پہنچانا۔ ماحولیاتی غیر سرکاری تنظیمیں وسائل کے مناسب استعمال اور ماحول کے تحفظ کے ضمن میں اختراعی سوچ کی حامل ہیں اور وہ ماحول کو بچانے کے لئے نئی نئی اسکیمیں متعارف کرواتی رہتی ہیں۔

پاکستان میں ماحولیاتی کے لئے کام کرنے والی بیشتر این جی اوز خاطر خواہ طور پر منظم نہیں ہیں۔ کسی بھی قومی گروپ میں ایڈووکیسی کی بھرپور صلاحیت نظر آتی ہے حالانکہ ان کے ارکان میں ماہر پیشہ ور افراد شامل ہیں۔ بہر حال ایسی بے شمار تنظیمیں ہیں جو شہری اور دیہی سطح پر تحفظ ماحولیات کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ یہاں چونکہ سب تنظیموں کے بارے میں تفصیلات شامل کرنا ممکن نہیں اس کے لئے صرف اہم این جی اوز کا جو ماحولیاتی شعبے میں نمایاں کام کررہی ہیں تعارف پیش کیا جارہا ہے۔

''شہری'' برائے بہتر ماحول

''شہری'' سی بی ای کراچی کی ایک فعال غیر سرکاری تنظیم ہے جو شہریوں کے لئے بہتر ماحول پیدا کرنے کے لئے سرگرم عمل ہے۔ اس نے محدود وسائل کے باوجود اس میدان میں بے شمار کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ اس کی نمایاں حکمت عملی یہ ہے کہ یہ لوگ عوام میں ماحولیات کے بارے میں شعور پیدا کرنے کے لئے ان سے براہ راست رابطہ قائم کرتے ہیں اور پھر وہ انہیں اپنے منصوبوں میں ملوث کر کے ان کے شکایات کی روشن میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

''شہری'' نے شہر کراچی کے ماحولیاتی مسائل کو حل کرنے اور پائیدار ترقی کے لئے 1988ء میں اپنی ایڈووکیسی حکمت عملی تیار کی تھی۔ چونکہ ''شہری'' سہولتیں فراہم کرنے والے ادارے بڑھتی ہوئی آبادی اور وسعت شہر سے پیدا ہونے والے مسائل مثلاً پانی، ہوا فطری نباتات وغیرہ سے نمٹنے سے قاصر ہیں اس لئے ''شہری'' ان گمبھیر معاملات سے لوگوں کو باخبر کر کے حکومت پر دباؤ ڈالتا ہے کہ کراچی کے ماحول کے متعلق ایک ماسٹر پلان تیار کرے۔

''شہری'' کی مینجنگ کمیٹی میں ممتاز وکلاء اہل علم ماہرین تعمیر اور معزز شہری شامل ہیں۔ اس کے علاوہ قانونی امور، ثقافتی ورثہ، آلودگی کی روک تھام، میڈیا اور بیرونی روابط تفریحی مقامات وغیرہ کے لیے الگ الگ سب کمیٹیاں ہیں۔

''شہری'' سی بی ای کے پروگراموں کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

1۔ بلامنصوبہ بندی شہر کی توسیع کی مخالفت۔

2۔ تحفظ ماحول کے لئے عوامی شعور پیدا کرنا۔

3۔ ٹھوس اخراج کو ٹھکانے لگانا۔

مختلف سب کمیٹیوں کے فرائض اور کارکردگی

تاریخی عمارتیں اور ثقافتی ورثہ

اس سب کمیٹی کے تحت شہر کی تاریخی عمارتوں کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے مختلف پروگراموں پر عمل کیا جاتا ہے۔

خالق دینا ہال وہ مقام ہے جہاں جدوجہد آزادی اور تحریک خلافت کے سربراہ محمد علی جوہر اور شوکت علی کے خلاف مقدمے کی سماعت کی گئی تھی گزشتہ فروری میں اس ہال کی چھت گر گئی تھی ''شہری'' نے اس تاریخی عمارت کے تعمیر نو کے لئے ماہرین تعمیر اور کے ایم سی کی مدد حاصل کی اور ایم اے جناح روڈ پر واقع اس قدیم عمارت کے کلاسیکی تعمیراتی خدوخال کو برقرار رکھتے ہوئے اس مکمل طور پر بحال کر دیا۔

اسی طرح چوہدری خلیق الزماں فرئیر گارڈن کلفٹن تقسیم ہند سے پہلے کی پتھر سے تیار کی ہوئی خوبصورت عمارت ہے۔ اس کے مالک نے عمارت کی تاریخی اہمیت کا احساس نہ رکھتے ہوئے اسے ایک ٹھیکیدار کے ہاتھ فروخت کر دیا جو اس پر ایک بلند بالا پلازہ تعمیر کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

''شہری'' سی بی ای نے داؤد انجینئرنگ کالج اور انڈس ویلی اسکول آف آرٹس کے تعاون سے بروقت اقدامات کر کے اس کی فروخت اور گرانے کے عمل کو رکوا کر فن تعمیر کے ایک نادر نمونے کو محفوظ کر لیا۔

''شہری''سی بی اے کے اردو اور انگریزی کے سہ ماہی نیوز لیٹر 4000 گھریلو

اور کاروباری قارئین تک پہنچ کر ماحولیات کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کرتے ہیں۔

شہری سی بی ای کی قانونی امور کی سب کمیٹی کا اہم مقصد سندھ بلڈنگ کنٹرول آرڈی نینس 1979ء اور متعلقہ قوانین میں تبدیلی لانا ہے۔ کیونکہ موجودہ قوانین میں بہت سے سقم ہیں اور آلودگی کے خلاف مہم کے دوران متعدد منصوبوں پر بخوبی عملدرآمد ہو رہا ہے تاکہ کمیونٹی کو بہتر حل میسر آ سکے اس میں ایک ''درخت کو اپنایئے'' کی مہم اکتوبر 94ء میں شروع کی گئی تھی جس میں سکول کے بچوں کی توجہ شجر کاری کی طرف دلائی جاتی ہے۔

''شہری'' سی بی ای نے کراچی زولوجیکل گارڈن کو بوٹینیکل گارڈن بنانے کا بیڑہ بھی اٹھایا ہے جس میں درختوں پر معلوماتی تختیاں لگائی جائیں گی۔ اس مقصد کے لئے تربیت یافتہ (TEXONIMIST) کی خدمات حاصل کی گئیں۔ نیز ایم اے جناح روڈ پر جسے ٹریفک کا جنگل کہتے ہیں شدید آلودگی کو کم کرنے کے لئے ''ایک درخت کا عطیہ دیں'' کی اسکیم تیار کی گئی ہے۔

اسکوپ

سوسائٹی فار کنزرویشن اینڈ پروٹیکشن آف اینوائرنمنٹ (SCOPE) کا قیام 1988ء میں عمل میں آیا۔ اس کا بنیادی مقصد پاکستان کے ماحول اور عوام کے ماحولیاتی حقوق کا تحفظ ہے اس کا نعرہ ہے ''عالمی سوچ مقامی عمل'' (Think Globally Act Locally) جو اس تنظیم کے طرز عمل کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔

مقاصد

سرفہرست مقصد عام لوگوں میں ماحولیاتی شعور پیدا کرنا ہے۔ تنظیم کو عمدگی سے چلانے کے لیے پیشہ ور ماہرین کی خدمات حاصل کی گئی ہیں۔ مطمع نظر یہ ہے کہ آلودگی کے مسائل سے نمٹنے کے لئے مناسب اقدامات کئے جائیں اور ان کے حل نکالے جائیں۔ مقامی فلاحی تنظیموں کی معاونت اور رہنمائی کی جائے تاکہ قومی حکمت عملی برائے پائیدار ترقی (NCS) اور ریوارتھ سمٹ میں منظور کئے جانے والے ایجنڈا 21 پر عملدرآمد کیا جا سکے۔ نیز ملک میں ماحولیاتی صورت حال پر نگاہ رکھنا ماحولیاتی قوانین پر عملدرآمد پر زور اہم ماحولیاتی

معاملات پر تحقیق اور ماحولیات کے ضمن میں ٹیکنالوجی اور معلومات کے تبادلے اسکوپ کے بنیادی مقاصد میں شامل ہیں۔

کار ہائے نمایاں

پانی صاف کرنے کے پلانٹ

اسکوپ "سن 2000ء تک ہر ایک کے لئے صاف پانی فراہم کیا جائے" کے پروگرام پر کام کر رہا ہے۔

اس کے تحت ماہرین پینے کے پانی کے لئے کیمیاوی عمل اور گندے پانی کو صاف کرنے کے منصوبوں پر کام کر رہے ہیں دیہی اور شہری آبادیوں میں بڑے پیمانے پر یونٹس نصب کئے گئے ہیں۔ اب تک اس نوعیت کے چار یونٹ کراچی کے نزدیک واقع دیہات ملیر، صالح محمد گاؤں، ریڈ میانی اور چیز گوٹھ میں نصب کئے گئے ہیں۔

پانی ٹیسٹ کرنے کی لیبارٹری

اسکوپ نے پانی ٹیسٹ کرنے کی ایک چھوٹی لیبارٹری قائم کی ہے۔ اس کا بنیادی مقصد شہریوں کو پانی کے معیار کو جانچنے کی سہولت فراہم کرنا ہے۔ ان کی کوشش ہے کہ اس لیبارٹری کو جدید ترین ماحولیاتی لیبارٹری میں تبدیل کیا جائے۔

بنجر علاقوں کی ترقی

کراچی کے مضافات میں ضلع ملیر میوادان یونین کونسل کے بارہ گاؤں کے مکینوں کے تعاون سے زراعت کے فروغ کے لئے ایک پروگرام شروع کیا گیا ہے اس پروگرام کا مقصد آبی ذخائر کی ترقی پہلے سے ذخیرہ کئے ہوئے پانی کا تحفظ درختوں کی دیکھ بھال اور شجر کاری ہے۔ اس مہم میں مقامی غیر سرکاری فلاحی تنظیموں کا تعاون بھی شامل ہے۔

دریائے ملیر

اس ادارے نے مقامی آبادی اور غیر سرکاری فلاحی تنظیموں کو دریائے ملیر سے غیر قانونی طور پر بجری اٹھانے والوں کے خلاف کاروائی کرنے کے لئے منظم کیا ہے تاکہ

علاقے کی زرعی اور ماحولیاتی فضا کو تباہی سے بچایا جا سکے۔ مقامی فلاحی تنظیموں کو تحریک دی جا رہی ہے کہ وہ ایسے عناصر کے خلاف جنگ لڑیں جو زمین اور پانی کے ذخائر کو تباہ کرنے کر درپے ہیں۔ اس سلسلے میں متعدد مذاکرے اور ورکشاپس منعقد کی گئیں۔

آلودہ اور کھاری پانی

اندرون سندھ لوگوں کو آمادہ کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنی زرخیز زمینوں کو کھاری اور آلودہ پانی سے بچانے کے لئے جدوجہد کریں۔ اس سلسلے میں حیدرآباد کے نزدیک ایک گاؤں میں یوکلپٹس لگانے کا ماڈل پراجیکٹ شروع کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں حیدرآباد میں وسیع پیمانے پر کانفرنس منعقد کی گئی۔

اسکوپ کی دیگر سرگرمیوں میں سیم وتھور کے خلاف سندھ میں این جی اوز کمیشن کا قیام، کیرتھر نیشنل پارک میں جنگلی حیات کا تحفظ، جھیل ہالے جی کا تحفظ، تلور کے شکار کے خلاف اقدامات وغیرہ شامل ہیں۔

کراچی ایڈمنسٹریشن ویمن ویلفیئر سوسائٹی (KAWWS)

شہری ترقی اور ماحولیاتی مسائل سے نمٹنے والا خواتین کا پریشر گروپ ''کوز'' 1988ء میں قائم کیا گیا تھا۔ بنیادی شہری مسائل پینے کا پانی، صفائی، نکاسی آب کا نظام، شجر کاری، سڑکیں، کھیل کے میدان اور پارکوں کی ترقی اس کی اہم سرگرمیوں میں شامل ہیں۔ اس غیر سرکاری تنظیم کے تحت 1993ء میں انٹرنیشنل ڈیویلپمنٹ ایجنسی کے تعاون سے ومنز اینوائرنمنٹل انفارمیشن اینڈ ریسرچ سینٹر (WEIRG) قائم کیا گیا تھا۔

اس تنظیم نے اپنے حلقہ کار میں کتنی کامیابی حاصل کی ہے اس کی مثال یہ ہے کہ ''کوز'' نے 1995ء میں اقوام متحدہ کا ماحولیات کا سب سے بڑا ایوارڈ تنظیم (UNEP'S GLOBSAL 500-ROOL OF HONOUR) حاصل کیا ہے۔

اس تنظیم نے قیام کے بعد اپنے علاقے جو متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے ٹیچروں انجینئروں اور دیگر ملازمت پیشہ افراد پر مشتمل ہے میں بنیادی سہولتوں کی فراہمی کے لئے کمیونٹی کی سطح پر کئی مثبت اقدامات کئے ہیں اس کی یہ سرگرمیاں بدستور جاری ہیں

شرکت گاہ

یہ ایسی تنظیم کا نام ہے جو خود مختار بنیادوں پر عالمی سطح پر پاکستان کی پائیدار ترقی کے لئے عورتوں کو باشعور اور عملی کردار کا شہری بننے میں بھر پور تعاون اور تحقیق کرتی ہے۔

اس کے نمایاں مقاصد میں عورتوں کے حقوق کا تحفظ کرنا اور رابطے قائم کرنا بین الاقوامی سطح پر اور مقامی طور پر دیگر این جی اوز کے ساتھ مل کر ترقیاتی منصوبہ بندی کرنا شہری سہولتوں کے لئے سماجی کارکنوں کو تربیت دینا مردم شماری اور قدرتی ماحول کے تحفظ کے لئے اقدام کرنا شامل ہیں۔

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ شرکت گاہ ایک ایسا تنظیمی ڈھانچہ رکھتی ہے جس میں ہر خاص و عام اقتصادی اور معاشی بہتری کے کاموں میں حصہ لے سکتا ہے۔

شرکت گاہ عموماً ''تین نمایاں منصوبوں کے ساتھ سرگرم عمل ہے۔ جس میں تحقیق طباعت اور اشاعت کے علاوہ عورت اور ماحول سے متعلق عالمی سطح پر دوسری تنظیموں کے ساتھ مربوط طریقوں سے رابطہ قائم کرنا شامل ہے۔

ماحولیات کے ضمن میں شرکت گاہ کا ایک اہم کام آئی یو سی این کے تعاون سے ''ہمارا ماحول'' کے نام سے دیواری اخبار کی اشاعت شامل ہے۔ نیز اس تنظیم نے ایک دستاویزی فلم مقامی مچھیروں کی بستی سے متعلق ''ساحل کے محافظ'' کے نام سے بنائی ہے۔ جس میں ان کی پیشہ ورانہ مشکلات، رہائشی اور دیگر بنیادی سہولتوں کی کمی اور بنیادی مسائل کی عکاسی کی گئی ہے۔

بانہہ بیلی

''جہاں کہیں پہیہ ہے وہاں راستہ ہے'' یا اس کا الٹ یعنی ''جہاں راستہ ہے وہاں پہیہ ہے'' ترقیاتی اور ماحولیاتی کاموں میں سرگرم اس غیر سرکاری تنظیم کا مطمع نظر یہ ہے۔

''بانہہ بیلی'' جس کا مطلب ہے ایک مستقل دوست 88-1987ء سے تھر کے بنجر علاقے میں ترقیاتی کاموں میں مصروف ہے۔ وہ ان جگہوں پر کام کرنے کو ترجیح دیتی ہے جہاں پکی سڑکیں نہیں بجلی نہیں، پائپوں سے ملنے والا پانی نہیں اور جہاں کے لوگوں کو زندگی کی دیگر بنیادی سہولتیں میسر نہیں۔

''بانہہ بیلی کی اہم سرگرمیوں میں شامل ہے۔

1۔ ایسے دور دراز دیہات میں کام کرنا جہاں بنیادی سہولتیں ناپید ہیں۔
2۔ خشک علاقوں میں پینے کے پانی کے لئے کنویں کھودنا۔
3۔ دیہی علاقوں اور بچوں کو طبی امداد کی فراہمی کے لئے ان کے دروازے تک خاتون ڈاکٹروں کو لے کر جانا۔
4۔ مفت میڈیکل کیمپ لگانا اور صحت کی تعلیم دینا۔
5۔ بالغ عورتوں، لڑکیوں اور مردوں کے لئے تعلیمی کلاسیں منعقد کرنا۔
6۔ تعلیم کو فروغ دینا، خصوصاً عورتوں کے لئے۔
7۔ غریب افراد کو نجی کام کے لئے قرضے دینا۔
8۔ قحط اور خشک سالی کے دوران غذا، نقدی اور دوائیں تقسیم کرنا۔
9 حکومت اور پرائیویٹ ایجنسیوں کے مابین دیہاتیوں کی شمولیت کے ساتھ ترقیاتی کاموں کے لئے رابطہ قائم کرنا۔
10۔ پسماندہ علاقوں میں صورت حال سے متعلق شعور پیدا کرنا۔
11۔ سماجی کارکنوں کو تربیت دینا۔

بانہہ بیلی نے تھر کے بنجر علاقے میں رہنے والے 8 لاکھ نادار افراد کی ایڈووکیسی کی ذمہ داری سنبھالی اور اپنے آغاز کے پہلے 4 برسوں کے دوران 142 منصوبوں پر کام کیا جن سے 30 ہزار افراد مستفیض ہوئے۔

بانہہ بیلی کو آئی یو سی این کی رکنیت حاصل ہے۔

ماحول سدھار

پاکستان میں ماحولیات کے متعلق منصوبوں کی مالی امداد و معاونت کے لیے اقوام متحدہ کا ادارہ برائے ترقیاتی پروگرام (UNOP) اپنے ذیلی پروگراموں کے تحت پاکستان کے مختلف علاقوں کی چھوٹی غیر سرکاری تنظیموں کو فنڈز مہیا کر رہا ہے۔ ان میں درج ذیل منصوبے شامل ہیں:

1۔ مظفر گڑھ میں بوعلی سینا ویلفیئر سوسائٹی کے زیر انتظام بلوچ نگر کے علاقے میں صحت

وصفائی کی حالت کو بہتر بنانا، کوڑا کرکٹ تلف کرنا اور ایسے تمام کاموں میں مقامی آبادی کے ارکان کو شامل کرنا، آمدنی بڑھانے کے لئے چھوٹے پیمانے پر کاروباری اور تجارتی کاروائیاں کرنا۔

2۔ ملتان میں پاکستان ٹیچرز فورم کے تحت مقامی افراد کی شمولیت کے ساتھ کچرا تلف کرنا اور لوگوں کو اس ضمن میں ماحولیاتی تعلیم فراہم کرنا۔

3۔ کوئٹہ میں یو این ڈی پی کی جانب سے 1994ء میں صحت وصفائی کا ایک سالہ منصوبہ بنایا گیا تھا اس کا مقصد نواں کلی میں صحت و صفائی کے متعلق آبادی کی استطاعت کے مطابق متبادل سہولتوں کو تجرباتی بنیادوں پر متعارف کرانا تھا۔ اس سے علاقے کے چالیس ہزار باشندے فائدہ اٹھا سکیں گے۔ اس کے علاوہ متبادل اور سستی تکنیک پر تحقیق، حفظان صحت کی تعلیم، آمدنی بڑھانے کے لئے بچت کی عادت ڈالنے اور قرضوں کی فراہمی وغیرہ شامل ہیں۔

4۔ کراچی میں دی بک گروپ کے ذریعے اسکولوں کے بچوں کے لئے ماحولیاتی تعلیم پر مواد فراہم کرنا۔ نیز اساتذہ کی ماحولیاتی تربیت کا بندوبست۔ یو این ڈی پی کی جانب سے فراہم کئے گئے مواد کو 121 اسکولوں میں تقسیم کرنا وغیرہ شامل ہیں۔

5۔ فیصل آباد میں چوہدری رحمت علی کمیونٹی ڈویلپمنٹ آرگنائزیشن کے ذریعے تحفظ ماحول اور شجر کاری کا منصوبہ، اس کے تحت نرسریوں کا قیام جہاں سے علاقے کے رہنے والے بیج اور تکنیکی معاونت حاصل کرسکیں گے۔

6۔ ضلع سانگھڑ میں وہمرا ویلیج ویلفیئر آرگنائزیشن کے تحت شجر کاری کا منصوبہ۔ جس سے پانچ دیہات مستفیض ہوں گے۔ نیز بیت الخلا کی تعمیر اور صحت وصفائی کے ضمن میں دیگر اقدامات۔

7۔ لاہور میں ''اسلامک ویلفیئر سوسائٹی'' کے تحت 600 ایکڑ اراضی کا منصوبہ جہاں 1170 افراد رہتے ہیں جو گزر اوقات کے لئے نواحی قصبات میں دودھ اور چارہ فروخت کرتے ہیں۔ اس منصوبے برادری اور گاؤں کی سطح پر کھیتی باڑی اور شجر کاری شامل ہے اس کے علاوہ علاقے کے مکینوں کو مقامی طور پر جلانے کی لکڑی کی فراہمی قابل کاشت زمین کو بہتر بنانا اور مقامی سطح پر آمدنی بڑھانے کے ذرائع پیدا کرنا اور مقامی صنعتوں کو ترقی دینا بھی اس میں شامل ہے۔

8۔ شہد پور ضلع سانگھڑ میں ''ملانا فلاحی تنظیم'' کے تحت شجر کاری کی غرض سے دیہی نرسری کا قیام علاقے میں بیت الخلاء کی تعمیر۔

9۔ ملتان کے قریب لال پور بھنیدا بھرات اور شہبھی میں پتن ترقیاتی تنظیم کے تحت زمین بردگی کو ختم کرنا اور سیلاب کو روکنے کے لئے اقدامات کرنااور سیلاب کی مزاحمت کرنے ولی فصلوں مثلاً گنا اور چاول کی ترغیب دینا۔

10۔ سندھ کے گاؤں کٹل کریو میں ''سیوالیڈیز کو اپریٹو سوسائٹی'' کے ذریعے جنگل کاری کی غرض سے نرسری کا قیام اور سیم کو روکنے کے لیے ضروری اقدامات۔

11۔ لاہور کی ''سوسائٹی فار ایڈوانس منٹ آف ایجوکیشن'' کے ذریعے سماجی کارکنوں کو تعلیم فراہم کرنا۔

12۔ لاہور میں ''ڈبلیوڈبلیوایف'' کے ذریعے جھنگیر وادی میں حیاتی تنوع کا تحفظ اور ایسے طریقوں اوراقدامات کا جائزہ لینا جن پر عمل کر کے جنگلی حیات کو محفوظ بنایا جا سکے اوراس متعلقہ قوانین کی خلاف ورزی کو روکا جا سکے۔

13۔ کوٹ لکھپت کی تنظیم ''یوتھ کمیشن فار ہیومن رائٹس'' کے ذریعے فضائی آلودگی صنعتی فضلہ کو محفوظ طریقے سے تلف کرنا، شجر کاری اور گھروں میں سبزیاں کاشت کرنے کے لئے تحریک پیدا کرنا وغیرہ۔

آباد

صوبہ پنجاب کے پہاڑی علاقوں میں زراعت کا انحصار مکمل طور پر بارش پر ہے اس طرح اس علاقے میں زرعی مسائل مختلف اور نسبتاً زیادہ ہیں۔ اعداد وشمار کے مطابق صوبے کے کل 5 کڑور 9لاکھ ایکڑ رقبے میں سے 4 کڑور 9لاکھ ایکڑ کا سروے کیا گیا۔ جس میں سے 2 کڑور 74لاکھ ایکڑ آباد ہے جبکہ ایک کڑور 43لاکھ ایکڑ رقبہ کسی نہ کسی صورت میں کٹاؤ کا شکار ہے۔ اس زمین بردگی کو جسے زمین کا کینسر بھی کہا جاتا ہے روکنا بہت ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بارشوں کا زیادہ پانی زرعی تصرف میں آئے بغیر قدرتی ندی نالوں یا آبی راستوں میں سے زمین کی زرخیز سطح کو کاٹتا ہوا اپنے ساتھ بہا کر لے جاتا ہے۔ اس عمل سے نہ صرف پیداوار میں کمی واقع ہوتی ہے بلکہ پیداواری رقبہ بنجر اور ناکارہ ہو جاتا ہے۔

ایک محتاط اندازے کے مطابق اس صوبے میں آبی کٹاؤ سے ہر سال بارہ ہزار ایکڑ سے زیادہ رقبہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے کاشتکار اپنی زمینوں میں دلچسپی کھو دیتے ہیں اور تلاش معاش کے لئے دوسرے کام ڈھونڈ لیتے ہیں۔

اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے 1962ء میں آباد ایجنسی برائے بارانی ایریا ڈیویلپمنٹ ایجنسی قائم کی گئی جس کی سفارشات پر مختلف طریقوں سے زمین کی بحالی کے لئے اقدامات کئے جا رہے ہیں ان علاقوں میں بسنے والے کاشتکاروں کی کمزور مالی حالت کے پیش نظر امداد اور رعایت کی فراہمی ضروری تھی لہٰذا آبادی کی وساطت سے نہ صرف کسانوں کو مفت معلومات فراہم کی گئیں بلکہ شجر کاری وغیرہ کے لئے مالی امداد کے علاوہ چھوٹے بند اور تالاب تعمیر کرنے، ندی نالوں کے کناروں کو مستحکم کرنے اور فوری مشینری خریدنے کے لئے رعایتیں دی گئیں۔

اب تک اس بارانی علاقے میں ایک سو پندرہ چھوٹے ڈیم تعمیر کئے جا چکے ہیں۔ جن سے نہ صرف تقریباً نو ہزار ایکڑ رقبے کو سیراب کیا جاتا ہے بلکہ وہاں کے مکینوں کو پینے کا پانی بھی فراہم کیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ آباد کے زیر انتظام خواتین کے لئے 21 تربیتی مراکز قائم کئے گئے جبکہ مردوں کے لئے 23 فنی مراکز کھولے گئے۔ آباد کے آئندہ پروگرام میں فتح جنگ، سوہاوہ، چکوال، اور شکر گڑھ میں ترقیاتی اقدام شامل ہیں۔ جس کے تحت تحفظ اراضیات، دیہات سے شہروں تک اجناس کی ترسیل کے لئے ذرائع آمدورفت کی سہولتیں، مویشی بانی، ماہی پروری اور جنگل کاری پر خصوصی توجہ دی جائے گی۔

سنگی

سنگی ڈیویلپمنٹ فاؤنڈیشن کا صدر دفتر ایبٹ آباد میں واقع ہے اس غیر سرکاری تنظیم نے گذشتہ چند برسوں کے دوران ہزارہ ڈویژن اور دیگر شمالی علاقوں میں دیہی سطح پر عوامی شرکت کے ساتھ بہت سے ترقیاتی کام کئے ہیں۔ ماحولیات کے ضمن میں پالیسی سازی کے عمل میں ایڈوکیسی سنگی کے اہم مقاصد میں شامل ہے۔ جنگلات کے تحفظ، ڈیم ڈس پلیس منٹ یعنی ڈیم کی تعمیر کے نتیجے میں مقامی آبادی کا متاثر ہونا اور نئی آباد کاری اور صنعتی آلودگی کے سدباب کے لئے اقدامات کرنا اس کے پروگرام میں شامل ہے۔

اس کے علاوہ غیر سرکاری تنظیموں کے مابین رکاوٹ، حکومت اور این جی اوز کے درمیان بہتر تعلقات قائم کرنا بھی سنگی کی ایڈووکیسی پروگرام کا اہم حصہ ہے۔

سنگی وادی کاغان کے مقامی سماجی گروہوں کے تعاون سے جنگلات کی بربادی پر احتجاج اور قدرتی وسائل کی دیکھ بھال کے لئے سرگرم عمل ہے۔

پاکستان انیوائرنمنٹل پروٹیکشن فاؤنڈیشن

ملک کے شمالی علاقوں میں پی ای پی ایف کی غیر سرکاری تنظیم 1989ء میں قائم کی گئی تھی۔ اس کا بنیادی مقصد ماحول اور قدرتی وسائل کا تحفظ اور اس کے علاوہ کمیونٹی کی سطح پر معاشرتی اور معاشی ترقی کے لئے کوششوں کو بروئے کار لانا تھا۔ اس تنظیم کی کارکردگی کی ایک مثال یہ ہے کہ انہیں 94 کا بہترین ''ماہر ماحولیات'' کے ایوارڈ کا مستحق قرار دیا گیا وہ اس سے پہلے بھی متعدد انعامات حاصل کر چکے ہیں۔

اس تنظیم کے اہم کارناموں میں ماہر سائنس دانوں کی نگرانی میں پشاور کی سڑکوں پر گاڑیوں سے پیدا ہونے والی آلودگی کا تجزیہ۔ جنگلات کا تحفظ اور کٹائی کئے گئے جنگلات میں از سر نو شجرکاری اور پشاور کے نواحی علاقوں میں قائم اینٹیں بنانے والے بھٹوں کا سروے شامل ہے۔

پی ای پی ایف نے اب تک جن پراجیکٹس پر کامیابی حاصل کی ان میں پشاور کے گردنواح میں ایک لاکھ پودے لگانا، سستے پودے فراہم کرنے کی غرض سے نرسری کا قیام اور پشاور کی نواحی بستی وی آباد میں سیوریج اسکیم شامل ہے۔ اس سے قبل اس علاقے میں گھروں کی غلاظت اور بارش کے پانی کے نکاس کا کوئی ذریعہ نہیں تھا اور یہ پانی غلیظ تالابوں میں جمع ہو کر علاقے میں ماحولیاتی آلودگی کا باعث تھا۔

شمالی علاقوں میں پی ای پی ایف کے اقدامات برائے تحفظ ماحول

1۔ تنظیم کو سوات سے یہ شکایت موصول ہوئی کہ اس علاقے میں لکڑی کی اسمگلنگ ہو رہی ہے اور منگورہ میں سیوریج کا پانی دریائے سوات میں شامل ہو رہا ہے۔ اس پر مالاکنڈ ڈویژن کے کمشنر سے گزارش کی گئی کہ وہ ان شکایات کو دور کرنے کے لئے فوری اقدامات کریں۔

2۔ بابری بند سے شکایت ملی کہ کوہاٹ سیمنٹ فیکٹری کے دھوئیں سے علاقے کے مکینوں خصوصاً بچوں اور بوڑھوں میں بیماریاں پھیل رہی ہیں فضائی آلودگی سے فصلیں اور باغات تباہ ہو رہے ہیں۔ یہ معاملہ سرحد ایجنسی برائے ماحولیاتی تحفظ اور فیکٹری کے چیف ایگزیکٹو تک پہنچایا تاکہ وہ آلودگی کا سد باب کریں۔

3۔ پلانٹ پروٹیکشن ڈیپارٹمنٹ کے گرد ونواح میں رہنے والوں نے شکایت کی کہ کیڑے مار دواؤں کے ذخیرے سے علاقے میں ناقابل برداشت بو پھیل رہی ہے۔ نیز فضائی آلودگی سے صحت پر مفیداثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ اس پر پی ای پی ایف کی جانب سے تحقیقاتی ٹیم کے ذریعے سروے کیا گیا اور اس کی رپورٹ کو متعلقہ حکام تک پہنچایا جس پر فیکٹری کو یہ نوٹس جاری کیا گیا کہ اگر وہ فوری طور پر کیڑے مار دوائیں استعمال نہیں کر رہے تو انہیں آبادی سے کہیں دور منتقل کر دیا جائے۔

4۔ نصیر پور کے مکینوں نے شکایت کی کہ گھی فیکٹری سے خارج ہونے والا آلودہ مواد آبپاشی کے ذرائع میں شامل ہو کر فصلوں کو تباہ کر رہا ہے۔ علاقے میں جلدی اور دیگر امراض پھیل رہی ہیں۔ فیکٹری کے شور سے لوگ آرام کی نیند نہیں سو سکتے۔ اس معاملے کو متعلقہ حکام تک پہنچایا گیا تاکہ عوام کی شکایات دور کی جائیں۔

5۔ تخت بائی کے مکینوں سے شکایت موصول ہوئی کہ تخت بائی شوگر مل علاقے کے ماحول کو خراب کر رہی ہے۔ مذکورہ تنظیم نے تحقیقاتی ٹیم مقرر کی جس پر یہ واضح ہوا کہ اس علاقے کا پانی اور ہوا دونوں آلودہ ہیں شوگر مل کا آلودہ سیال چھ سو میٹر لمبی کھلی نالی کے ذریعے تخت بائی گاؤں کے گنجان آباد علاقے سے گزرتا ہوا دریائے کابل میں شامل ہوتا ہے نیز نومبر سے اپریل تک چقندر کو کچلنے کے عمل کے دوران بدبو دور دور تک پھیل جاتی ہے اس کے اثرات سے بچوں میں جلدی اور دیگر امراض پھیل رہے ہیں سلفر ڈائی آکسائیڈ اور دیگر گیسوں اور کاربن کے اخراج سے ہوا شدید طور پر آلودہ ہو چکی ہے۔ اس پر کمشنر مردان ڈویژن اور ای پی اے سے گزارش کی گئی کہ کھلی نالی کو ڈھکا جائے اور فیکٹری کی چمنیوں اور ٹریٹ منٹ پلانٹ میں صفائی کے آلات نصب کئے جائیں تاکہ مکینوں کو فوری افاقہ ہو سکے۔

6۔ والزک گاؤں کے مکینوں کی شکایت پر ایک سروے کیا گیا۔ جس پر یہ ظاہر ہوا کہ

پشاور شہر کا گندہ نالہ تمام غلاظت سمیت گاؤں والزک کے مرکز سے گزر کر آبپاشی کی نہروں میں شامل ہو جاتا ہے نیز پینے کا پانی آلودہ ہو رہا ہے۔ گاؤں کے باشندوں میں جلد اور پیٹ کی بیماریاں پھیل رہی ہیں۔ کمشنر پشاور ڈویژن تک یہ معاملہ پہنچایا گیا تا کہ ضروری اقدامات کیے جائیں۔

7۔ پشاور کے گردونواح میں اینٹ بنانے کے تقریباً 300 بھٹے قائم ہیں جن میں پرانے ٹائر اور غیر معیاری کوئلہ جلایا جاتا ہے جس کے نتیجے میں علاقے کے مکینوں میں سانس کی بیماریاں عام ہیں۔ پی ای ایف پی نے صوبے کی ایجنسی برائے ماحولیاتی تحفظ کو بھٹوں کے خلاف سی آر پی سی کی شق 144 کے تحت پابندی لگانے کی گزارش کی۔ لیکن بھٹوں سے پیدا ہونے والی آلودگی اور اس کی روک تھام اور بھٹہ کے مناسب استعمال سے متعلق ایک ورکشاپ آواری ہوٹل میں منعقد ہوئی۔ کچھ عرصہ تک مسئلے کی سنگینی کی بنیاد پر انہیں اس ضمن میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی اس پر تنظیم نے چند ماہرین ماحولیات کے تعاون سے بھٹوں میں انٹیں بنانے کے لئے چینی ٹیکنالوجی استعمال کرنے کی ترغیب کا منصوبہ بنایا۔ جو ورٹیکل شیفٹ برک کلن کہلاتی ہے۔ اس سے روایتی بھٹوں کے مقابلے میں 50 فیصد کم ایندھن استعمال ہوتا ہے اس فوائد میں جو امور شامل ہیں وہ ذیل میں درج ہیں:

1۔ اس کا آپریشن آسان اور سادہ ہے

2۔ حرارت کے تسلسل کو قائم کرنے کے لئے لکڑی کی ضرورت نہیں۔

3۔ اس میں معدنی کوئلہ استعمال کیا جاتا ہے۔

4۔ یہ کم زمین پر بھی قائم کیا جا سکتا ہے۔

5۔ اینٹوں کا معیار بہتر ہے۔

پی ای ایف پی کی ترغیب پر علاقے میں اس نوعیت کا ایک پلانٹ قائم کیا جا چکا ہے۔

قوانین

ماحول اور پاکستان کا آئین

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین 1973ء میں کسی اصول یا پالیسی کا ذکر نہیں ہے جس کے تحت ماحول کے ضمن میں شہریوں یا حکومت کی کوئی ذمہ داری یا حقوق کی نشاندہی کی گئی ہو۔ البتہ اس کی دفعہ 142 کے تحت وفاقی اور صوبائی سطح پر ارکان اسمبلی ماحولیاتی آلودگی اور ماحول کے تحفظ کے بارے میں کوئی قانون وضع کرنے اور منظور کرنے کے مجاز ہیں۔

ماحولیاتی قوانین

ماحول کے بارے میں پہلا باقاعدہ قانون 1983ء میں بنایا گیا جو 1993ء میں موثر ہوا۔ اس کا یہ مطلب قطعی نہیں ہے کہ پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد سے 1993ء تک ماحولیاتی امور کے بارے میں کوئی قواعد وضوابط موجود نہ تھے۔ زمین کے استعمال، پانی اور ہوا کی خاصیت ، شور، زہریلے مواد، ماہی پروری، جنگلات، معدنی او ر توانائی کے بارے میں وقتاً فوقتاً اورحسب ضرورت صوبائی سطوں پر متعدد قوانین نافذ کئے جاتے ہیں جن سے شہری اور دیہی علاقوں میں متعلقہ امور کے ضمن میں باقاعدگی لائی جا سکی۔

پاکستان ماحولیاتی تحفظ آرڈی نینس 1983ء

پاکستان میں ماحولیاتی قانون سازی کے ضمن میں یہ آرڈی نینس سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے تحت ایک با اختیار کونسل کا قیام عمل میں آیا جو پالیسیاں اور معیارات وضع کرنے کی مجاز ہے اور ان کے عمل درآمد کی ذمہ داری ایجنسی کوسونپی گئی ہے۔
اس آرڈی نینس کی اہم خصوصیات ماحولیاتی اثرات کا تجزیہ ہے۔
دفعہ 8 کے تحت ماحولیاتی اثرات کا گوشوارہ وغیرہ ایجنسی میں جمع کرانا ہوگا۔

(1) اس دفعہ کی شرائط کا اطلاق ان پر ہو گا۔

(اے) افراد یا افراد کا طبقہ یا

(بی) صنعتی سرگرمی یا صنعتی سرگرمی کا طبقہ

(سی) ہوا کی آلودگی اور فضا کی نوعیت، قسم، حجم۔

(ای) عوامی آبی وسائل کے درجے یا جیسے کہ قواعد وضوابط تجویز کیا گیا ہے۔

2۔ ہر اس منصوبے کی تجویز، تعمیر اور تکمیل جس سے ماحول پر مضر اثرات مرتب ہونے کا امکان ہو، منصوبے کی پلاننگ کے وقت ایجنسی میں داخل کروائی جائے گی جس میں ماحولیاتی اثرات کا تفصیلی گوشوارہ اور ذیل میں درج معلومات شامل ہوں گی۔

(الف) مجوزہ صنعتی سرگرمی کے ماحول پر اثرات۔

(ب) مجوزہ منصوبے کا کیمیاوی عمل۔

(ج) مجوزہ منصوبے کے ناگزیر ماحولیاتی اثرات۔

(د) مضر ماحولیاتی اثرات کو کم کرنے کے لئے منصوبے کے تجویز کنندہ کی جانب سے اٹھائے جانے والے اقدامات۔

3۔ ماحولیاتی اثرات کے گوشوارے کی تیاری کے لئے ایجنسی رہنما خطوط تجویز کر سکتی ہے اور جہاں کہیں رہنما خطوط تجویز کئے گئے ہوں، منصوبے کا تجویز کنندہ ماحولیاتی اثرات کے گوشوارے اس کے مطابق تیار کرے گا۔

4۔ ایجنسی از خود یا مناسب حکومتی ایجنسی کے ذریعے ماحولیاتی اثرات کے گوشواروں پر نظر ثانی کرے گی وہ جہاں ضروری خیال کرے ماحولیاتی اثرات کے گوشوارے کے تجزیے کے لئے عوامی شرکت کو ملوث کر سکتی ہے۔

5۔ ذیلی دفعہ 4 کے تحت نظر ثانی کے بعد ایجنسی ماحولیاتی اثرات کے گوشوارے کو منظور کر سکتی ہے یا وہ ماحولیاتی مقاصد کے پیش نظر وفاقی حکومت سے سفارش کر سکتی ہے کہ منصوبے میں ردو بدل کیا جائے یا اسے مسترد کیا جائے۔

تعزیرات

دفعہ 12

1۔ جو کوئی اس آرڈی نینس کے قواعد وضوابط یا ایجنسی کی جانب سے جاری کی گئی ہدایات کی خلاف ورزی کرے یا ناکام رہے، اسے دو سال تک قید کی سزا ہوسکتی ہے یا ایک لاکھ روپے تک جرمانہ ہوسکتا ہے، یا دونوں ہو سکتے ہیں۔ اور مسلسل خلاف ورزی یا ناکامی کی صورت میں مسلسل خلاف ورزی یا ناکامی کی پہلی سماعت کے بعد 10 ہزار روپے روزانہ کا اضافی جرمانہ ہوسکتا ہے۔

2۔ ڈائریکٹر جنرل کی جانب سے خصوصی یا عمومی طور پر مقرر کردہ افسر،اس آرڈی نینس کے تحت کسی جرم کا تصفیہ کرسکتا ہے۔

تعزیرات پاکستان قانون1960ء

دفعہ 425شرارت

اس کے تحت ہر وہ شخص جوعوام یا کسی شخص جوعوام یا کسی شخص کو یا اس کی جائیداد کونقصان پہنچاتا ہے یا وہ نقصان پہنچانے کی نیت یا ارادہ رکھتا ہے تو دفعہ 426 کے تحت قید اور جرمانے کا مجرم ٹھہرایا جائے گا۔

اراضی کا استعمال

اراضی کی بحالی کے لئے قرضہ ایکٹ 1983ء

یہ ایکٹ دراصل زرعی ترقی کے لئے قرضے دینے کے لئے نافذ کیا گیا تھا تاکہ آبپاشی کے لئے کنویں یا ٹینکیاں وغیرہ بنائی جاسکیں اوردریاؤں سے پانی حاصل کرنے کے علاوہ سیلاب سے تحفظ اور دیگر نقصانات کے ازالے کے لئے مالی امدادفراہم کی جا سکے۔

تباہ شدہ علاقوں کی ترقی کے لئے پنجاب ایکٹ1952ء

اس ایکٹ کے تحت حکومت ایک نوٹس کے ذریعے کسی بھی علاقے یا کسی علاقے کے حصے کوتباہ شدہ علاقہ قرار دینے کی مجاز ہے۔ یہ ایکٹ درحقیقت کھلی جگہوں کوعلاقے کے مکینوں کی فلاح و بہبوں کی خاطر ترقی دینے کے لئے وضع کیا گیا تھا۔ اس میں زمین کو پھلوں، سبزیوں، ایندھن یا چارہ پیدا کرنے کے لئے وقف کرنا، پانی کی فراہمی اور نکاس کا انتظام،گلیوں میں روشنیاں لگانا وغیرہ شامل ہے۔جس سے علاقے کے مکین مستفید ہوسکیں۔

اس کے سیکشن 32 کے تحت کلکٹر کے مطالبے پر اگر کوئی شخص زمین کا قبضہ دینے میں ناکام رہتا ہے یا وہ متعلقہ ادارے کے کسی شخص کو کوئی نقصان پہنچاتا ہے یا وہ ترقیاتی غرض سے کی گئی حد بندی کو ہٹاتا ہے تو وہ دوسال قید با مشقت اور ایک ہزار جرمانے کا مستحق قرار دیا جاسکتا ہے۔

اراضی کو قابل کاشت بنانے کا پنجاب ایکٹ1952ء

اس ایکٹ کے سیکشن 3 کے تحت صوبائی حکومت کو اس مقصد کے لئے بورڈ بنانے کی اجازت دی گئی تھی۔ یہ ایکٹ زرعی ترقی کے لئے مثبت اقدامات کرنے کی خاطر وضع کیا گیا تھا۔ اس کے بنیادی منصوبے میں اجناس، پھل، سبزیاں، ایندھن اور چارہ اگانے کے لئے آبپاشی کی سہولتیں دیہی آبادیوں اور زرعی علاقوں میں نالیوں کی تعمیر، پولٹری فارم لائیواسٹاک فارم، ڈیری فارم، گلہ بانی، شہد کی مکھیوں اور ریشم کے کیڑے وغیرہ پالنا، ٹیوب ویلز کی تعمیر، زرعی زمین کی زرخیزی بڑھانے کے لئے تحقیق پہلے سے موجود ذرائع آبپاشی میں ردوبدل اور وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔

اس ایکٹ کی سیکشن 63 کے تحت کوئی شخص جو اراضی کی بحالی کی خاطر کئے گئے اقدامات یا کنٹریکٹر کے کام میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے یا کوئی نشان مٹاتا ہے تو وہ دوسو روپے جرمانے یا زیادہ سے زیادہ دوماہ کی قید کا مستحق ہوگا۔ البتہ سیکشن 65 کے تحت بورڈ کے چیئرمین کی اجازت کے بغیر اراضی کے کسی ایسے ٹکڑے پر کاشت کرتا ہے جو بورڈ کے دائرہ اختیار میں ہے یا جو قصبے یا دیہی برادری کے مجموعی مفاد کے لئے حاصل کی گئی تھی۔ یا وہ ایسی زمین پر عمارت بناتا ہے درختوں کو نقصان پہنچاتا ہے یا ناجائز قبضہ کرتا ہے تو وہ مجسٹریٹ کی صوابدید پر زیادہ سے زیادہ سوروپے جرمانے کا مستحق ہوگا۔

مغربی پاکستان زرعی کیڑوں کا آرڈی نینس1959ء

اس آرڈی نینس کے سیکشن 3 کے تحت حکومت کسی بھی ایسی فصل کی کاشت روکنے کی مجاز ہے جس سے زرعی کیڑوں کے پھیلنے کا خدشہ ہو۔ نیز وہ جراثیم والی فصل کی نقل وحمل کو بھی روک سکتی ہے۔ اس کے سیکشن 4 کے تحت زمین کا مالک جو جراثیم پیدا کرنے والی فصل کی کاشت کرتا ہے وہ مذکورہ فصل کے بارے میں تجویز کئے گئے انسدادی اقدامات

کرنے کے پابند ہوگا۔

مغربی پاکستان زرعی کیڑوں کے قوانین 1960ء

یہ دستاویز 9 قوانین پر مشتمل ہے جس کے تحت پاکستان کے مختلف موسموں یعنی ربیع اور خریف میں پیدا کی جانے والی بڑی فصلوں مثلاً چالو، جوار، باجرہ، کپاس اور گنے کی کاشت سے لے کر کٹائی تک مختلف قواعد وضوابط وضع کئے گئے ہیں۔ جس میں نہ صرف فصل کی بوائی اور کٹائی کے لئے مخصوص تاریخیں مقرر کی گئیں بلکہ کٹائی کے بعد دانہ یا کپاس چننے کے بعد زمین سے باقی ماندہ لکڑیوں یا بھوسے کے صاف کرنے کی پابندی بھی شامل ہے۔ یا یہ کہ باغ کا مالک گلے سڑے یا کیڑے والے پھلوں یا جو زمین نالے، گڑھے میں گر گئے ہوں انہیں جلانے یا گڑھے میں دفنانے کا پابند ہوگا۔

اسلام آباد آرڈی نینس برائے تحفظ فطری منظر 1966ء

یہ اس آرڈی نینس کے سیکشن 4 کے تحت کسی شخص کو فری منظر (LANDSCAPE) کو خراب کرنے یا کسی کا نقصان پہنچانے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اس کی خلاف ورزی کرنے والے کو پانچ ہزار روپے تک جرمانے کے علاوہ حکام کی طرف سے متعین کئے گئے سرکاری افسر، پولیس افسر یا مجسٹریٹ گرفتار بھی کر سکتے ہیں۔

صوبہ سرحد کا تھور کا کنٹرول اور اراضی کو قابل کاشت بنانے کا ایکٹ 1988ء

اس کے تحت حکومتی اداروں کو شورے والی زمین کی بحالی اور اسے قابل کاشت بنانے کے منصوبوں پر عملدرآمد کی اجازت دی گئی ہے۔ نیز اس کی سیکشن 5 کے تحت بغیر اجازت گہری جڑوں والے درخت مثلاً دیودار، بکائین، پیپل، کیکر، یوکلپٹس، شیشم وغیرہ اگانا ممنوع قرار دیا گیا تاکہ زمین کی ذیلی سطح اور نکاسی آب کے نظام کو نقصان سے محفوظ رکھا جا سکے۔ خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے مخصوص سزائیں تجویز کی گئی ہیں۔

پاکستان پودوں کا قرنطینہ ایکٹ 1976ء

اس کے تحت پر ہر قسم کی زندہ مردہ پیڑ پودے جن سے کسی فصل کو نقصان یا بیماری

پھیلنے کا خدشہ ہو، وفاقی حکومت نوٹیفکیشن کے ذریعے اس کی پیداوار اور درآمد پر پابندی لگانے کی مجاز ہے۔ اس کی خلاف ورزی پر پانچ سو روپے تک جرمانہ اور 6 ماہ کی قید کی سزا ہوسکتی ہے۔

پانی کی کوالٹی

تعزیرات پاکستان دفعہ1860ء

اس کے سیکشن 277 کے تحت ہر وہ شخص جو عوامی چشمے یا ذخیرہ کے پانی کو ایسا خراب کرے گا کہ وہ روز مرہ استعمال کے قابل نہ رہے تو اسے 3 ماہ کی قید اور 5 سو روپے تک جرمانے کی سزا ہوسکتی ہے۔

نہروں اور نالوں کا ایکٹ1873ء

اس کے تحت زرعی علاقوں میں آبپاشی کے ضمن میں قواعد وضوابط وضع کئے گئے ہیں:

پنجاب لوکل گورنمنٹ آرڈی نینس1979ء

اس کے سیکشن 59 کے تحت بلدیاتی کونسل کی اجازت کے بغیر کنواں، نلکا وغیرہ کھودنے کی ممانعت ہے نیز کاروباری یا صنعتی علاقے میں فراہمی اور نکاسی آب کے نظام کے بارے میں قانون سازی کی گئی ہے۔

بلوچستان زیر زمین پانی کے حقوق کے نظم وضبط کا آرڈی نینس1978ء

صوبائی سطح پر واٹر بورڈ کی تشکیل کی گئی تاکہ بورڈ کے ارکان زیر زمین پانی کے مختلف اداروں کے حقوق کی نگرانی کرسکیں اورشہریوں کو پانی کی فراہمی اور نکاس کی بہتر سہولتیں فراہم کرسکیں۔ اس کے تحت تمام کنوئیں، کاریز،چشمے اور زیر زمین پانی کو نکالنے کے آلات رجسٹر کروانے ہوں گے۔ تاکہ کوئی شخص ضلعی کمیٹی کی اجازت کے بغیر زیر زمین پانی نہ نکال سکے۔

ہوا کی کوالٹی

تعزیرات پاکستان1960ء

اس کے سیکشن 278 کے تحت ہر وہ شخص جو کاروبار وغیرہ کر کے کوئی ضرررساں شے تیار کرتا ہے اور کسی رہائشی مقام کی فضا کو آلودہ کرتا ہے۔ اسے 5 سو روپے تک جرمانہ کیا جا سکتا ہے۔

موٹر گاڑیوں کا آرڈی نینس 1965 اور موٹر گاڑیوں کے قوانین 1969ء

اس کے تحت موٹر گاڑیوں کے دیکھ بھال ضروری ہے تاکہ وہ دھواں یا شعلے وغیرہ نہ چھوڑیں موٹر گاڑیوں کے آرڈی نینس 1965ء کی دفعہ 112 کے مطابق آرڈی نینس کے تحت مرتب کئے گئے قوانین کی خلاف ورزی کرنے والے کو پانچ سو روپے جرمانہ کیا جا سکتا ہے۔

سینما گھروں میں سگریٹ نوشی کی ممانعت کا آرڈی نینس مغربی پاکستان 1960ء

اس کے سیکشن 3 کے تحت کسی بھی نمائش مظاہرے یا پر فارمنس کے دوران حاضرین کے لئے مخصوص کی گئی نشستوں پر سگریٹ نوشی کرنے والے کو سو روپے تک جرمانہ ہو سکتا ہے۔

پنجاب لوکل گورنمنٹ آرڈی نینس 1979ء

حکومت کی ہدایت پر ضلع کونسل کو ماحولیاتی آلودگی کے خلاف قدم اٹھانے کے اختیارات سونپے گئے ہیں تاکہ گاڑیوں انجنوں، فیکٹریوں، بھٹوں اور آٹا پیسنے کی چکیوں وغیرہ سے خارج ہونے والی دھوئیں سے فضائی آلودگی کے تدراک کے لئے اقدامات کر سکیں۔

شور

موٹر گاڑیوں کے آرڈی نینس 1965ء اور موٹر گاڑیوں کے قوانین 1969ء کے قانون نمبر 154 میں گاڑیوں میں مختلف آوازیں نکالنے والے ہارن نصب کرنے کی ممانعت ہے۔ اس کے علاوہ انہیں دستاویزات میں بے وجہ ہارن بجانے، چلتی ہوئی گاڑیوں میں شور روکنے اور مناسب سائلنسر نصب کرنے کی ہدایات درج ہیں۔

زہرلا اور مہلک مواد

زرعی کیڑے مار دواؤں کا آرڈی نینس1975ء

اس کے سیکشن 4 کے تحت کوئی شخص ایسے کیڑے مار دوائیں درآمد ان کی پیداوار ذخیرہ،فروخت یا تیار نہیں کرسکتا یا ان کا اشتہار نہیں دے سکتا جو رجسٹر نہ کروائی گئی ہوں۔

دھماکہ خیزی ایکٹ1984ء

اس کے تحت حکومت سرکاری گزٹ میں نوٹیفیکیشن کے ذریعے دھماکہ خیز مواد کے رکھنے درآمد کرنے یا تیار کرنے کی ممانعت کرسکتی ہے۔ اس کے خلاف ورزی پر تین ہزار روپے تک جرمانہ ہوسکتا ہے۔

فیکٹریز ایکٹ1934ء

اس ایکٹ کی دفعہ 2 کی مختلف ذیلی شقوں میں صنعت کاری کی تعریف شامل ہے۔ دفعہ 16 میں دھول اور دھوئیں کے نکاس کے بارے میں قواعد وضوابط وضع کیے گئے ہیں تاکہ کارخانے کی کارکنوں کوکسی ضرر رساں عمل کے خلاف تحفظ فراہم کیا جائے۔ دفعہ 33 کے تحت خطرناک گیسوں کے نکاس کے خلاف احتیاطی تدابیر وضع کی گئی ہیں، دفعہ 33 ایل، فیکٹری ایس پلانٹ یا مشینری کے لیے قواعد وضوابط وضع کیے گئے ہیں جو دھماکہ خیز یا شعلہ بار گیس یا بخارات پر مشتمل ہو۔ جبکہ دفعہ 33 کے تحت صحت اور تحفظ سے متعلق اصول مرتب کیے گئے۔ اس ایکٹ کی دفعہ 66 کے تحت وضع کردہ احتیاطی تدابیر کی خلاف ورزی پر پانچ سو روپے تک جرمانہ ہوسکتا ہے۔

ٹھوس اور سیال اخراج

فیکٹری ایکٹ1934ء

دفعہ 14 ٹھوس اور سیال اخراج کوتلف کرنا۔ اس کے تحت فیکٹریوں کے ٹھوس اور سیال اخراج کو تلف کرنے کا موثر بندوبست ضروری قرار دیا گیا ہے اس ضمن میں صوبائی حکومت کوقواعد وضوابط وضع کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔

پنجاب لوکل گورنمنٹ آرڈی نینس1979ء

اس کے تحت صوبائی حکومت کی ہدایات کے مطابق ضلع کونسل ڈرینج اور کوڑا

کرکٹ کو جمع اور تلف کرنے کی ذمہ دار ہوگی۔

پاکستان آرڈی نینس برائے ماحولیاتی تحفظ1981ء

اس آرڈی نینس کی دفعہ 9 کے تحت ماحولیاتی تحفظ کی ایجنسی بلدیاتی کونسلوں، بلدیاتی حکام کے ساتھ، کچرا تلف کرنے کے سلسلے میں تعاون کرے گی۔ ایجنسی کو کچرا تلف کرنے کے منصوبوں کے لائحہ عمل تیار کرنے اور معیارات قائم کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔

سمندر اور ماہی پروری

مغربی پاکستان ماہی پروری آرڈی نینس1961ء

دھماکہ خیز مادہ سے یا پانی میں زہر ملا مواد شامل کرنے سے مچھلیوں کی تباہی کو جرم قرار دیا گیا ہے۔ ممنوعہ مچھلیوں کو رکھنے یا پکڑنے یا پرمٹ لائسنس کے بغیر جال، کنڈے یا مشین کے ذریعے مچھلیاں پکڑنے، یا حکومت کی طرف سے جاری کردہ سمندر کے مخصوص حصے کو مچھلیوں کی پرورش گاہ کے نوٹیفیکیشن کی خلاف ورزی کرتے ہوئے وہاں مچھلیاں پکڑنے پر 3 ماہ تک قید اور پانچ سو روپے تک جرمانہ ہوسکتا ہے۔

بلوچستان بحری ماہی گیری آرڈی نینس1971ء

اس کے تحت سون میانی اور مارہ، کلمت پسنی اور جیونی کے پانیوں میں ماہی پروری کے فروغ اور مچھلیوں کے تحفظ اور پرورش کے بارے میں قوانین وضع کئے گئے ہیں۔

صوبہ سرحد ماہی پروری قوانین1976ء

یہ قوانین مغربی پاکستان ماہی پروری آرڈی نینس 1976ء کے سیکشن 26 کی رو سے وضع کئے گئے ہیں۔ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ دریاؤں میں مچھلیاں پکڑنے کی خصوصی آلات اور جال کے استعمال کا لائسنس لینا ضروری ہے۔ نیز 19انچ سے چھوٹی مچھلی پکڑنے کی ممانعت ہے اور لائسنس یافتہ ایک شخص ایک دن میں پانچ سے زیادہ مچھلیاں نہیں پکڑ سکتا۔

جنگلات کا تحفظ

پنجاب جنگلات (عمارتی لکڑی کی فروخت) ایکٹ1913ء

اس کے تحت صوبائی حکومت عمارتی لکڑی کے معیار کو جانچنے اور سیلز ڈپو قائم کرنے اور دیگر قواعد وضوابط کے اطلاق کے لئے قوانین وضع کرنے کی مجاز ہوگی۔

جنگلات ایکٹ1927ء

اس کے تحت جنگلات کا تحفظ، درختوں کو کاٹنے، آگ لگانے اور دیگر ذرائع سے نقصان پہنچانے کی ممانعت ہے۔

مغربی پاکستان جلانے کی لکڑی اور کوئلہ (پابندی) ایکٹ1964ء

اس کے سیکشن 3 کے تحت کسی فیکٹری، اینٹوں کے بھٹے اور چونے کے بھٹے میں لکڑی اور کوئلہ جلانے کی ممانعت ہے۔ البتہ مٹی کے برتن گھریلو مقاصد یا ذاتی استعمال کے لئے اینٹیں اور چونا بنانے کے بھٹوں میں لکڑی اور کوئلہ جلانے کی اجازت ہوگی۔

پنجاب شجر کاری اور درختوں کا تحفظ ایکٹ1974ء

اس کے تحت فی ایکڑ 3 درخت لگانا لازم قرار دیا گیا ہے۔ پہلے سے لگائے گئے درخت اور باغات کو تحفظ فراہم کیا جائے گا۔

درخت کاٹنے (پابندی) کا ایکٹ1975ء

کوئی شخص مجاز حکام سے تحریری اجازت نامہ کے بغیر درخت نہیں کاٹ سکتا۔

صوبہ سرحد انتظامیہ برائے محفوظ جنگلات قوانین1975ء

یہ قوانین جنگلات ایکٹ 1927ء کے رو سے وضع کئے گئے ہیں۔ اس کے تحت مقامی باشندوں کو گھریلو ضروریات کے لئے مفت لکڑی فراہم کرنا اور مخصوص علاقوں میں درختوں کی حفاظت وغیرہ شامل ہے۔ نیز جن افراد کو سرکاری اہل کاروں کی طرف سے لکڑی دی گئی ہے ان پر لازم ہے کہ شجر کاری کے موسم میں 5 درخت لگائیں۔

پنجاب لوکل گورنمنٹ آرڈی نینس1979ء

اس کے تحت ضلع کونسل کو فرائض سونپے گئے ہیں کہ وہ سڑکوں کے کنارے عوامی مقامات اور عوامی عمارتوں کے قریب شجر کاری کریں اور درختوں کی حفاظت کریں۔

صوبہ سرحد (ہزارہ ڈویژن میں جنگلات کی حفاظت ور استفادہ حاصل کرنا)
آرڈی نینس 1980ء

اس کے تحت نجی طور پر عمارتی لکڑی کی کٹائی ممنوع ہے۔

پارک اور جنگلی حیات

سندھ تحفظ جنگلی حیات آرڈی نینس 1972ء

اس کا اطلاق جنگلی جانوروں اور پرندوں کے شکار پر ہوتا ہے۔ اس آرڈی نینس کے تحت سندھ تحفظ جنگلی حیات قوانین 1972ء وضع کئے گئے ہیں۔

پنجاب جنگلی حیات (تحفظ اور انتظام) ایکٹ 1972ء

اس کے تحت سرکاری طور پر ایک بورڈ قائم کیا گیا۔ جس کے فرائض میں صوبے میں پرندوں کا شکار اور جنگلی حیات کا تحفظ شامل ہے۔

اسی مقصد کے لئے ملک کے دوسرے صوبوں میں بلوچستان تحفظ جنگلی حیات ایکٹ 1974ء صوبہ سرحد جنگلی حیات (تحفظ اور انتظام) ایکٹ 1975ء صوبہ سرحد جنگلی حیات تحفظ اور انتظام قوانین 1979ء اسلام آباد جنگلی حیات (تحفظ اور انتظام) آرڈی نینس وضع کئے گئے۔

معدنی ترقی

پاکستان میں پٹرولیم (تحقیق اور پیداوار) قوانین 1986ء

یہ قوانین کانوں اور تیل کے ذخیروں اور معدنی ترقی (گورنمنٹ کنٹرول) ایکٹ 1984ء کے سیکشن 2 کے تحت وضع کئے گئے ہیں۔ اس دستاویز قانون نمبر 55 کے تحت یہ جانچ پڑتال کی جاتی ہے کہ معدنیات اور تیل کا نکاس زرعی پیداوار اور ماہی پروری کو نقصان نہ پہنچائے اور ان کے فضلے سے ماحول کو نقصان نہ پہنچے۔

ثقافتی ماحول

قدیم نوادرات ایکٹ 1975ء

قدیم نودرات کے ضمن میں فنون لطیفہ، ادب، اخلاقیات، سیاست، مذہب، جنگ، فن تعمیر سائنس، ثقافت اور تہذیب وتمدن آتے ہیں۔ اس ایکٹ کے تحت قدیم نوادرات کی فروخت، برآمد، نقل وحمل یا آثار قدیمہ کو نقصان پہنچانے پر پابندی لگائی گئی ہے۔

پنجاب خصوصی مقامات (تحفظ) آرڈی نینس 1985ء

اس کا مقصد تاریخی اور ثقافتی اہمیت کی عمارتوں کو تحفظ فراہم کرنا ہے۔

مال مویشی

مغربی پاکستان بھڑ بکری (پابندی) آرڈی نینس 1959ء

اس کے تحت خصوصی جگہوں پر بھڑ بکریاں چرانا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

محفوظ جنگلات میں مویشی چرانے کے قوانین 1978ء

اس کے تحت جنگلات میں بلا روک ٹوک مویشی چرانے پر پابندی کے ضمن میں قواعد وضوابط وضع کئے گئے ہیں۔

پنجاب لوکل گورنمنٹ آرڈی نینس 1979ء

ضلع کونسل کی زیرنگرانی مویشیوں خصوصاً دودھ یدنے والے جانوروں، گھوڑوں کی افزائش نسل اور جانوروں پر ظلم کے خلاف پابندی لگائی گئی ہے۔

عوامی صحت

پاکستان تعزیرات قانون 1960ء

سیکشن (278) کے تحت فضا کو مضر صحت بنانا قابل سزا ہے۔ زہریلے مواد، آتش گیر اور دھماکہ خیز مادے کی جانب سے لاپروائی جرم قرار دیا گیا ہے۔

عوامی صحت (ہنگامی صورت حال) آرڈی نینس 1944ء

اس سے ہنگامی صورت حال میں طبی خدمات یقینی بنانا مقصود ہے۔

مغربی پاکستان وبائی امراض ایکٹ 1958ء

خطرناک وبا کی صورت میں مہلک وبائی امراض پھیلنے پر فوری طبی امداد کی فراہمی

اور روک تھام کو یقینی بنانا اس قانون کا مقصد ہے۔

مغربی پاکستان فیکٹریز کینٹینز قوانین1959ء

اس کے تحت فیکٹریوں میں واقع کنٹین میں حفظان صحت کے اصولوں پر کاربند ہونا ضروری ہے۔

پنجاب لوکل گورنمنٹ آرڈی نینس1979ء

اس کے تحت ضلع کونسل کے فرائض میں جراثیم پھیلانے والے امراض کا انسداد اور ٹیکے لگانا، ہسپتالوں اور دیہی مراکز کی دیکھ بھال، صفائی، غذا اور مشروبات میں ملاوٹ کی روک تھام وغیرہ شامل ہے۔

توانائی

بوائلر ایکٹ1923ء

دفعہ 2 کے تحت بوائلر کی تعریف اور دفعہ 6 کے تحت غیر رجسٹر شدہ یا بنا سرٹیفکیٹ بوائلر کے استعمال پر پابندی عائد کی گئی ہے۔ اس ایکٹ کی دفعہ 22 کے تحت معمولی لاپرواہی پر سوروپے کا جرمانہ ہوسکتا ہے اس سے زیادہ قواعد وضوابط کی خلاف ورزی کرنے پر دفعہ 24 کے تحت پانچ سوروپے تک جرمانہ ہوسکتا ہے۔

قومی ماحولیاتی کوالٹی معیارات

National Environmental Quality Standards (NEQS)

24اگست 1993ء کو پاکستان ایجنسی برائے ماحولیاتی تحفظ اسلام آباد کی جانب سے پاکستان کونسل برائے ماحولیاتی تحفظ کی توثیق کے بعد پاکستان ماحولیاتی تحفظ آرڈی نینس 1983ء کے تحت قومی ماحولیاتی کوالٹی معیارات(NEQS)وضع کیے گئے۔ اس کا مقصد صنعتوں سے خارج ہونے والی گیس، موٹر گاڑیوں کے دھوئیں اور شور پر کنٹرول کرنا ہے۔ یہ قانون فوری طور پر نافذ کردیا گیا۔ سوائے موجودہ صنعتی یونٹس کے جن پر یہ جولائی 1996ء سے اثر انداز ہوگا اور نئے صنعتی یونٹس جن کی پیداوار جون 94 سے شروع ہوئی ان پر یہ دفعہ یکم جولائی 1994ء سے اثر انداز ہوئی۔

این ای کیو ایس برائے میونسپل اور صنعتوں کے سیال اخراج کے لئے معیار

1- درجہ حرارت=40 سینٹی گریڈ
2- پی ایچ مقدار=10.6 پی ایچ
3- 5 روز بائیو کیمیکل آکسیجن ڈیمانڈ (بی او ڈی)
20 °سی پر 80 ملی گرام ایل
4- کیمیکل آکسیجن ڈیمانڈ (سی او ڈی) 150 م گ/ایل
5- مجموعی معطل شدہ ٹھوس مواد -1150 م گ/ایل
6- مجموعی حل شدہ مواد
7- گریس اور تیل 10 م گ/ایل
8- فینال 0.5 م / گ ایل
9- کلورائیڈ (سی 1) 1000 م گ/ایل
10- فلورائیڈ (ایف) 20 م گ/ایل
11- سائنائیڈ (سی این) 2 م گ/ایل
12- آئیونک ڈٹرجنٹ[2] (ایم بی اے ایس)[3]-120 م گ/ایل
13- سلفیٹ (ایس او) 600 گ/ایل
14- سلفائیڈ (ایس) 1.0 م گ/ایل
15- ایمونیا (این ایچ 3)
16- کیڑے مار یا جراثیم کش کیمیکل 0.15 م گ/ایل
17- کاڈمیم 4-0.1 م گ/ایل
18- کرومیم -1.0 م گ/ایل
19- تانبا 4-1.0 م گ/ایل
20- سیسہ 4-0.5 گ/ایل
21- پارہ 4-0.01 م گ/ایل

22- سیلسیم 4-0.5م گ/ایل

23- نکل 4-1.0م گ/ایل

24- چاندی 4-1.0م گ/ایل

25- مجموعی تیزابی دھاتیں 2.0م گ/ایل

26- زنک -5.0م گ/ایل

27- سنکھیا-1.0م گ/ایل

28- بیرم-1.0م گ/ایل

29- فولاد-2.0م گ/ایل

30- مینگنیز -1.5م گ/ایل

31- بورن 6.0م گ/ایل

32- کلورین-1.0م گ/ایل

این ای کیو ایس برائے صنعتوں سے گیس کے اخراج کا معیار

1- دھواں دھوئیں کی کثافت 40 فیصد یا 2	(رنگل مین اسکیل)
2- بوائلر یا بھٹی جو تیل استعمال کرتی ہو	300
جن میں کوئلہ استعمال ہوتا ہے	500
سیمنٹ کی بھٹی	200
پیسنے کوٹنے، منہ بند کولر اور متعلقہ عمل، دھات کو صاف کرنے کا عمل، کنورٹرز اور بھٹیاں	500
3-ہائیڈروجن کلورائید	400
4- کلورین	150
5- ہائیڈروجن	150
6-ہائیڈروجن	10
7-ہائیڈروجن سلفائیڈ	10
8-سلفر اوراوکسائیڈ	800

9-سیسہ	50
10-پارہ	10
11- کاڈیم	20
12-سنکھیا	20
تانبا	50
کحل	20
زنک	200
نائٹروجن اکسائیڈ	
1-نائٹرک ایسڈ بنانے والی صنعتیں	400
2-دیگر	400

این ای کیوایس برائے گاڑیوں کا دھواں اور شور

1-دھواں 40فیصد یا 2رنگل میں اسکیل پر جب گاڑی کا ایکسیلیٹر دبایا جائے۔

اسے رنگل میسن چارٹ سے 6 میٹر کے فاصلے پر جانچا جائے گا۔

2- کاربن مونو اکسائیڈنئی گاڑی 4.5فیصد۔ پرانی گاڑی6فیصد (جب گاڑی کم رفتار ہواسے گیس اینالائز 4.5سے دیکھا جائے گا)

3-شور۔85ڈی بی (اے)

اسے 5-7میٹر کے فاصلے پر ساؤنڈ میٹر سے دیکھا جائے گا۔

پاکستان ایکٹ برائے ماحولیاتی تحفظ 1995ء (مجوزہ)

اہم خصوصیات

1- یہ ایکٹ ہوا، پانی، مٹی، سمندر اور شور کی آلودگی (بشمول موٹر گاڑیوں کی آلودگی، فضلے کو تلف کرنے اور ضرر رساں مادوں کو ٹھکانے لگانے کے طریقوں کا احاطہ کرتا ہے۔

2- ماحول، ذی روح ماحول، نا مساعد ماحولیاتی اثرات، حیاتیاتی تنوع، منصوبے اور

پائیدار ترقی کی جامع تعریفیں شامل کی گئی ہیں۔

3- اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ پاکستان ایجنسی برائے ماحولیاتی تحفظ (PEPC) وفاقی حکومت کی منظور کردہ قومی تحفظ کی حکمت عملی (NCS) کے دائرہ کار رہتے ہوئے قومی ماحولیاتی پالیسوں کی منظوری دے گی۔

4- ماحولیاتی تحفظ کی صوبائی ایجنسیوں کو قانونی تحفظ دیا گیا ہے۔

5- اخراج یا نکاس جو قومی ماحولیاتی کوالٹی معیارات (NEQS) سے تجاوز کریں یا پی ای پی اے کے قائم کردہ سخت معیارات سے زیادہ ہو اور جہاں کہیں صورت حال واضح نہ ہو وہ ممنوع قرار دیئے گئے ہیں۔

6- ماحولیاتی چھان بین کے دو مرحلے متعارف کرائے گئے ہیں۔ مجوزہ منصوبے کی فائلنگ کے لئے ابتدائی ماحولیاتی معائنہ (IEE) اور جن منصوبوں سے مضر ماحولیاتی اثرات کا امکان ہو ان کے لئے جامع ماحولیاتی اثرات کا تجزیہ (EIA)

7- غلاظت پھیلانا ممنوع ہے اور فضلے کو تلف کرنے کے مناسب طریقوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔

8- ضرر رساں فضلے کے بندوبست پر پابندی لگائی گئی ہے۔

9- ضرر رساں فضلے کے بندوبست پر پابندی لگائی گئی ہے۔ سوائے اس کے کہ ایسا کرنے کا لائسنس حاصل کیا گیا ہو۔

10- قومی ماحولیاتی کوالٹی معیارات (NEQS) کی تعمیل کے لئے پی ای پی اے کو آلودگی کنٹرول کرنے کے لئے موٹر گاڑیوں میں آلات نصب کرنے کی ہدایت دینے کا اختیار دیا گیا ہے۔

11- پی ای پی اے کو اس ایکٹ کی شرائط کی خلاف ورزی کی صورت میں شدید ضرر رساں ماحولیاتی اثرات سے نمٹنے کے لئے حکم برائے ماحولیاتی تحفظ جاری کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔

12- ایکٹ کے تحت سنگین نوعیت کے جرائم کی صورت میں خصوصی اختیارات کے ساتھ ماحولیاتی ٹربیونل قائم کرنے کا قانون وضع کیا گیا ہے۔ نسبتاً چھوٹے جرائم، جن کا تعلق غلاظت پھیلانا، فضلہ تلف کرنا، موٹر گاڑیوں کی آلودگی اور قواعد و ضوابط کی

خلاف ورزی وغیرہ سے ہے ان کے مقدمات مقرر کردہ مجسٹریٹوں کی عدالت میں چلائے جائیں گے۔

13- متاثرہ شخص یا ایجنسی 30 دن کا نوٹس دینے کے بعد ٹریبونل میں شکایت درج کرا سکتا ہے۔

14- انسدادی جرمانے کی تجویز کئے گئے ہیں۔ ٹریبونل اور مجسٹریٹوں کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ نقصانات کے لئے رعایت دیں۔ ٹریبونل مجرم کے مالی فوائد بازیافت کروا سکتا ہے۔

مجوزہ ڈرافٹ

پاکستان ایکٹ برائے ماحولیاتی تحفظ1995ء

دیباچہ

یہ ایکٹ جاندار ماحول کے تحفظ، بحالی اور بہتری کے لئے آلودگی کی روک تھام اورکنٹرول اور پائیدار ترقی کے فروغ کے لئے بنایا گیاہے۔

اللہ تعالی کی طرف سے پاکستان کے عوام کو عطا کردہ جاندار ماحول آنے والی نسلوں کی مقدس امانت ہے۔

جاندار ماحول کے تحفظ، بحالی اور بہتری کے لئے، آلودگی کی روک تھام اور کنٹرول کے لئے پائیدار ترقی کی فروغ کے لیے اور اس سے متعلقہ یا معاون امور کے لئے یہ قانون اس طرح وضع کیا گیا ہے۔

باب اول---ابتدائیہ

1- مختصر عنوان، حدود اور آغاز

i- یہ ایکٹ پاکستان ایکٹ برائے ماحولیاتی تحفظ 1995ء کہلائے گا۔

ii- اس کا اطلاق پورے پاکستان میں اس کے علاقائی آبی ذرائع، خصوصی اقتصادی علاقے اور تاریخی آبی ذخیروں پر ہوگا۔

iii- یہ ایکٹ وفاقی حکومت کی جانب سے سرکاری گزٹ میں نوٹیفیکیشن جاری ہونے پر نافذ العمل ہوگا۔

تعریفات

جب تک کوئی امر موضوع یا سیاق عبارت کے متضاد نہ ہو، یہ ایکٹ

i- ’’شدید ماحولیاتی اثرات‘‘ سے مراد ماحول کا بگاڑ یا نقصان، جس میں شامل ہے۔

ii- انسانی صحت اور تحفظ حیاتیاتی اقسام اور جائیداد کا بگاڑ یا نقصان۔

iii- آلودگی اور ہر وہ شے جسے قواعد میں ماحول پر ناموافق اثر قرار دیا گیا ہے۔

-2 ''ہوا کو آلود کرنے والے'' سے مراد ہر وہ جز جو ہوا کی کیمیائی، طبعی حیاتیاتی اور ریڈ بائی خاصیت میں تبدیلی لائے اس میں دھواں، مٹی کے ذرات، بو، روشنی، گرمی، بخارات، احتراقی نکاس، مضر گیس، ضرر رساں مادے اور تابکار مادے شامل ہیں۔

-3 '' با اختیار مجسٹریٹ'' سے مراد فرسٹ کلاس مجسٹریٹ ہے جسے شق 27 کے تحت اختیار دیا گیا ہو۔

-4 ''حیاتی اقسام یا حیاتیاتی اقسام'' سے مراد ارضی، بحری اور دیگر ماحولیاتی نظاموں سمیت تمام ماخذ سے تعلق رکھنے والے جاندار نامیاتی اجسام کے درمیان تغیر پذیری اور ماحولیاتی مرکب، جس کا وہ حصہ ہیں اور اس میں جانداروں کی مختلف انواع میں انواع کے درمیان اور ماحولیاتی نظاموں میں تفریق شامل ہے۔

-5 ''کونسل'' سے مراد دفعہ 3 کے تحت قائم ہونے والا ادارہ پاکستان کونسل برائے ماحولیاتی تحفظ (PEPC) ہے۔

-6 ''نکاس'' سے مراد گرنا، رسنا، پمپ کرنا، انڈیلنا، نکالنا، خالی کرنا یا جمع کرنا ہیں۔

-7 ''ماحولیاتی نظام'' سے مراد پودوں، جانوروں اور جانداروں کی وہ چھوٹی اقسام ہیں جو بے جان ماحول میں بطور محرک اکائی کے اثر انداز ہوں۔

-8 ''اخراج'' سے مراد کسی صنعتی نسل سے یا کسی اور ذریعے سے جس میں سیال، بخارات، دھواں، ٹھوس اخراج اور آواز بھی شامل ہیں، خارج ہونے والا مواد ہے۔

-9 ''اخراجی معیارات'' سے مراد خارج ہونے والا پانی اور فضلات کی خاصیت اور مقدار سے متعلق وفاقی ایجنسی کے تجویز کردہ معیارات ہیں۔

-10 ''نکاس'' سے مراد باہر آنا، باہر بھیجنا، نکالنا اور اخراج ہے۔

-11 ''نکاسی معیارات'' سے مراد جو وفاقی ایجنسی کے تجویز کردہ معیارات کے مطابق ہو اور شور کی آلودگی کا نکاس۔

-12 ''ماحول سے مراد''

i- ہوا، پانی اور زمین

ii- فضا کی تمام تہیں

iii- تمام نامیاتی، غیر نامیاتی مادے اور جاندار اجسام

iv- ماحولیاتی نظام اور ماحولیاتی تعلقات۔

v-عمارتیں، ڈھانچے، سڑکیں، سہولتیں اور کاروائیاں

vi- کمیونٹی کی زندگی پر اثر انداز ہونے والے تمام معاشرتی اور اقتصادی حالات۔

vii-(i) تا (vi) کے ذیلی شقوں کے دو یا دو سا سے زیادہ عوامل کے باہمی تعلقات۔

13- ماحولیاتی اثر کی تشخیص ''رپورٹ'' یا ''EIA سے مراد ایسی دستاویز ہے جس میں ماحولیاتی مطالعے کے تکنیکی پہلو شامل ہوں۔ بشمول اعدادوشمار اکٹھا کرنے اثرات کے پیشگوئی، متبادلات کا تقابل اور تجاویز کا مسودہ۔

14- ''خصوصی اقتصادی علاقے'' کا مفہوم وہی ہو گا جو علاقائی ذرائع آب اور بحری علاقوں کے ایکٹ 1976ء میں ہے۔

15- وفاقی ایجنسی سے مراد دفعہ 5 کے تحت قائم ہونیوالی پاکستان ایجنسی برائے ماحولیاتی تحفظ یا کوئی بھی سرکاری ایجنسی جو دفعہ 5 کی ذیلی شق 6 کے تحت تفویض کردہ فرائض دے یا اختیارات استعمال کرے۔

16- سرکاری ایجنسی میں شامل ہیں

i-وفاقی حکومت یا صوبائی حکومت کا ایک ڈویژن، محکمہ، بیورو، کمیشن، بورڈ، دفتر یا یونٹ

ii-وفاقی یا صوبائی حکومت کے زیر ملکیت یا زیر اختیار کوئی ادارہ یا پبلک اتھارٹی، کمپنی، یا کارپوریشن (خواہ وہ خودمختار ہو یا نیم خودمختار)

iii-ایک صوبائی ایجنسی برائے ماحولیاتی تحفظ

17- ''زہریلے مادوں سے مراد''

i- کوئی مادہ یا مختلف مادوں کا مرکب (ماسوائے کیڑے مار دوا کے جس کی تعریف زرعی کیڑے مار دواؤں کے آرڈی نینس 1971ء (دفعہ 11) میں درج ہے جو اپنی کیمیائی ردعمل یا زہریلی خصوصیات کی بنا پر براہ راست دیگر مادوں کے ہمراہ ماحول پر منفی اثرات مرتب کرتا ہے یا کرسکتا ہے۔

ii-''زہریلے فضلے'' سے مراد یاسا فضلہ جو ضرر رساں مادہ ہو یا اسے ضرر رساں قرار دیا جا سکے، بشمول ہسپتالوں کے فضلے کے۔

19- ''تاریخی آبی ذخیرے'' سے مراد پاکستان کے زمینی علاقے میں شامل آبی ذخیرے

ہیں جن کی نشاندہی علاقائی ذرائع آب اور بحری علاقوں کے ایکٹ 1976ء کی دفعہ 7 میں کی گئی ہے۔

20- ''ہسپتالوں کا فضلہ'' میں ہر طرح کی طبی رسد کا فضلہ خون، رگیں، اعضاء اور انسانی جسم کے دیگر حصے شامل ہیں۔

21- صنعتی فعل سے مراد'' ہر وہ کاروائی یا عمل ہے جو صنعت کار کرنے، بنانے، تشکیل کرنے، یا کسی چیز یا مادے کو استعمال میں لانے، فروخت کرنے منتقل کرنے، تجویل میں دینے تفویض کرنے، یا کان کنی کے لئے یا تیل اور پانی کے لیے کھدائی اور ترقی، یا سیورتیج کا پانی پمپ کرنے یا توانائی کی پیداوار کی منتقلی یا تقسیم کی غرض سے کرتا ہے۔

22- ''صنعتی فضلہ'' سے مراد کسی صنعتی فعل کے نتیجے میں بننے والا فضلہ۔

23- ''ابتدائی ماحولیاتی معائنہ'' سے مراد ماحول کے بارے میں ابتدائی تبصرہ یا کاروائی جس میں مجوزہ منصوبے سے متعلقہ ماحول پر اثراندازی کی مناسب پیش گوئی کی گئی ہو۔ تاکہ یہ اندازہ لگایا جا سکے کہ وہ مضر ماحوالیاتی اثرات کا سبب بن سکتا ہے اور ماحولیاتی اثرات کی تشخیص کے بارے میں مطلوبہ تیاری۔

24- ''ذی روح یا جاندار ماحول'' سے مراد وہ عوامل ہیں جن کی نشاندہی، ماحول، کی تعریف کی دفعہ 10 کی ذیلی شقوں (i) تا (iv) میں کی گئی ہے بشمول ان کے باہمی تعلقات کے۔

25- ''مقامی اتھارٹی'' سے مراد سرکاری گزٹ میں نوٹیفکیشن کے ذریعے وفاقی حکومت یا صوبائی حکومت کی جانب سے قائم کردہ یا مقرر کردہ کوئی بھی ایجنسی اس ایکٹ کے مقاصد اور ماحولیاتی اثرات کے لئے مقامی اتھارٹی کہلائے گی۔

26- ''مقامی کونسل'' سے مراد ایک ایسی بلدیاتی کونسل ہے جو بلدیاتی حکومت کے متعلقہ قانون کے تحت بنائی یا قائم کی گئی ہو۔

27- ''موٹر گاڑیوں'' سے مراد سڑکوں پر استعمال کی جانے والی ہر وہ میکانی گاڑی خواہ اس کو توانائی بیرونی یا اندرونی ذریعے سے ملتی ہو اور اس میں وہ چیسی بھی شامل ہے جس کے ساتھ باڈی نہ لگائی گئی ہو، لیکن اس میں مقررہ پٹریوں پر چلنے والی گاڑیاں شامل نہیں ہیں۔

28- ''بلدیاتی فضلہ'' میں گند آب، فضلہ، کچڑا اور انسانی فضلہ جیسی چیزیں شامل ہیں۔

29- ''قومی ماحولیاتی قومی معیارات(NEQS) سے مراد سیکشن 4(i) تا (سی) کے تحت کونسل کا منظور کردہ کوئی سا بھی معیار۔

30- ''شور کا مطلب'' ہے ناگوار آواز اور ارتعاش۔

31- ''شخص''میں شامل ہے ایک فرد''فرم'' ایسوسی ایشن، پارٹنر شپ، کمپنی، کارپوریشن کو اپریٹو سوسائٹی، گورنمنٹ ایجنسی، تنظیم، بلدیاتی کونسل یا بلدیاتی اتھارٹی اور بحری جہاز ایک صورت میں مالک یا کوئی بھی شخص ہو جو اس وقت بحری جہاز کا انچارج ہو۔

32- ''آلودگی'' سے مراد فضائی آلودگی، گنداب یا فضلے یا شور یا کسی عام استعمال کے پانی کی آلودگی ہے جو براہ راست یا خارج ہونے والے دیگر مادوں کے ساتھ مل کر ہوا، مٹی یا عام استعمال کے پانی کی طبعی، حیاتیاتی، یا ریڈ یائی سالمیت کو نا سازگار طور پر تبدیل کرتی ہے۔ یا ہوا، مٹی اور عام استعمال کے پانی کو لوگوں کی صحت سلامتی، بہبود یا املاک کو غلیظ، مضر یا نا خالص یا نقصان دہ یا ناموافق یا ضرر رساں بن سکتی ہو، یا آبی حیات، جانوروں پرندوں مچھلی، پودوں یا زندگی کی کسی بھی دیگر صورت کے لئے نقصان دہ ہو۔

33- ''تجویز کردہ'' سے مراد قواعد وضوابط کے تحت تجویز کردہ ہے۔

34- ''پراجیکٹ سے مراد کوئی سی سرگرمی، منصوبہ، اسکیم، یا ذمہ داری جس میں ماحول کی کوئی تبدیلی ملوث ہو ——— اور اس میں شامل ہیں۔

i- عمارات یا دوسرے ترقیاتی کاموں (Works) کی تعمیر یا استعمال

ii- سڑکوں یا نقل و حمل کے دیگر نظام کی تعمیر یا ستعمال

iii- فیکٹریوں یا دیگر تنصیبات کی تعمیر اور طریق عمل

iv- یا پانی اور زمین کے استعمال میں کوئی تبدیلی یا

v- موجودہ عمارتوں سڑکوں یا نقل و حمل کے دیگر نظام، فیکٹریوں، یا دیگر تنصیبات میں رد و بدل یا توسیع

vi- ایسا پراجیکٹ جس کے لئے ضوابط کے تحت منظوری حاصل کرنا ضروری ہو۔

35- ملتمس سے مراد وہ شخص جو کسی پراجیکٹ کو حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

36- ''صوبائی ایجنسی'' سے مراد چاروں صوبوں (پنجاب، سندھ، سرحد، بلوچستان) میں سے کسی بھی صوبے کی جانب سے دفعہ 10 کے تحت قائم صوبائی ایجنسی برائے ماحولیاتی تحفظ

37- ''ضوابط'' سے مراد اس ایکٹ کے تحت وضع کئے گئے ضوابط ہیں۔

38- ''قواعد'' سے مراد اس ایکٹ کے تحت وضع کئے گئے قواعد ہیں۔

39- ''سورتیج'' سے مراد صفائی کی سہولتوں باورچی خانوں، لانڈریوں، دھلائی وغیرہ اور سیورتیج نظام یا سیورتیج خارج کرنے والے کارخانوں سے سیال اور نیم ٹھوس فضلہ ہے۔

40- ''معیارات'' سے مراد سیال یا فضلہ اور ہوا کو آلودہ کرنے والا نکاس اور شور کے خاصیتی اور مقداری معیارات ہیں جس میں قومی ماحولیاتی کوالٹی معیارات (NEQS) شامل اور نکاس کے وہ معیارات ہیں جو اس ایکٹ یا قواعد وضوابط کے تحت وضع کئے گئے ہیں۔

41- ''پائیدار ترقی'' سے مراد وہ ترقی ہے مستقبل کی نسلوں یک ضرورتوں کو پورا کرنے کی صلاحیت کو خراب کئے بغیر حال کی ضرورتوں کو پورا کرنے والی ہو۔

42- ''علاقائی آبی ذرائع'' کا مطلب وہی ہوگا جو 1976ء کے علاقائی آبی ذرائع اور بحری علاقوں کے ایکٹ 1976ء میں درج ہے۔

43- ''ٹریبونل'' سے مراد سیکشن 25 کے تحت قائم کیا گیا ماحولیاتی ٹریبونل ہے۔

44- ''فضلے'' میں سیال فضلہ، ٹھوس فضلہ، فاضل، گیسیں، کان کنی کا فضلہ، معطل فضلہ، صنعتی فضلہ، بلدیاتی فضلہ، گھریلو کچرے کو جلانے کے بعد رہ جانے والے حصے اور کھیت اور زرعی سرگرمیوں جیسے مرغ بانی، مویشی بانی اور کیڑے مار ادویات اور کیمیاوی کھاد کے فضلات ۔

45- فضلے کے انتظام کی سہولت'' سے مراد فضلہ جمع کرنے، ذخیرہ کرنے، صفائی کرنے یا ٹھکانے لگانے کی سہولت ہے۔

باب2

پاکستان کونسل برائے ماحولیاتی تحفظ

-3 ''کونسل کا قیام''

-1 وفاقی حکومت سرکاری گزٹ میں نوٹیفیکیشن کے ذریعے ایک کونسل قائم کرے گی جو پاکستان کونسل برائے ماحولیاتی تحفظ کہلائے گی۔ اس میں شامل ہے:

i	وزیراعظم پاکستان یا ان کا نامزد کردہ کوئی شخص	چیئر پرسن
ii	نگران وزیر برائے ماحولیات اور شہری امور	وائس چیئر پرسن
iii	صوبوں کے وزرائے اعلی	ارکان
iv	صوبوں کے نگران وزراء	ارکان
v	ایسے دیگر افراد جن کا تقرر وفاقی حکومت کی جانب سے کیا گیا ہو	ارکان
vi	حکومت پاکستان کے ماحولیاتی اور شہری امور کے ڈویژن کا سیکرٹری	سیکرٹری

-2 کونسل کے ارکان کے عہدے کی معیاد تین سال ہو گی سوائے بر بنائے عہدہ (Ex-Officio) ارکان کے۔

-3 کونسل اپنے دستور العمل کے قواعد خود وضع کرے گی۔

-4 کونسل حسب ضرورت اجلاس طلب کرے گی۔ ایک سال میں کم از کم دو اجلاس کرنا ضروری ہے۔

-5 کونسل جن حالات میں مناسب سمجھے عمومی یا خصوصی حکم کے ذریعے اس ایکٹ کے

تحت کسی سرکاری ایجنسی مقامی اتھارٹی یا بلدیاتی کونسل کو کوئی سا بھی کام تفویض کر سکتی ہے۔

4- کونسل کے فرائض منصبی

(ا) کونسل کے فرائض میں شامل ہوگا۔

(اے) اس ایکٹ کے نفاذ کو یقینی بنانا۔

(بی) قومی ماحولیاتی پالیسی وضع کرنا اور قومی حکمت عملی برائے تحفظ 165 کے دائرہ کار کے تحت اس کے نفاذ کو یقینی بنانا، جس پر وفاقی حکومت وقتاً فوقتاً نظر ثانی کر سکتی ہے۔

(سی) قومی ماحولیاتی کوالٹی معیارات (NEQS) منظور کرنا اور نظر ثانی کرنا۔

(ڈی) قابل تجدید اور نا قابل تجدید وسائل کے تحفظ کے بارے میں اور ان کے استعمال اور انتظام کی کارکردگی بہتر بنانے کے بارے میں مناسب ہدایات جاری کرنا۔

(ای) اس بات کو یقینی بنانا کہ قومی ترقیاتی منصوبوں اور پالیسوں میں ماحولیاتی ترجیحات اور پائیدار ترقی کے امور کو شامل کیا جائے۔

(ایف) سالانہ قومی ماحولیاتی رپورٹ پر غور کرنا اور اس بارے میں ہدایات جاری کرنا اور اس ایکٹ کے مقاصد پر عملدرآمد کے لیے کسی بھی سرکاری ایجنسی، بلدیاتی کونسل، ادارے یا فرد کو ضروری اقدام کرنے کی ہدایات دینا۔

2- کونسل ماحول کے کسی پہلو کے بارے میں تحقیق کے لیے اور آلودگی کی روک تھام اور انسداد کے لیے اور ذی روح ماحول کی بہتری بحالی اور تحفظ کے لئے کسی بھی وفاقی یا صوبائی حکومت یا کسی بھی سرکاری ایجنسی کی درخواست پر یا خود وفاقی یا صوبائی ایجنسی کو کوئی پراجیکٹ تیار کرنے جمع کرنے فروغ دینے یا نافذ کرنے کی ہدایت دے سکتی ہے۔

باب3

پاکستان ایجنسی برائے ماحولیاتی تحفظ

5-وفاقی ایجنسی کا قیام

-1 وفاقی حکومت نے سرکاری گزٹ میں نوٹیفیکیشن کے ذریعے ایک وفاقی ایجنسی قائم کی ہے۔ جو پاکستان ایجنسی برائے ماحولیاتی تحفظ کہلائے گی۔ اور وہ آئینی قواعد وضوابط اور اس ایکٹ کے ضابطوں کے تحت تفویض کردہ فرائض سرانجام دے گی۔

-2 وفاقی ایجنسی کا سربراہ ایک ڈائریکٹر جنرل ہوگا/ہوگی جس کا تقرر وفاقی حکومت اپنی طے کردہ شرائط کے مطابق کرے گی۔

-3 وفاقی ایجنسی کے اختیارات کا استعمال اور فرائض کی انجام دہی ڈائریکٹر جنرل کے ذمہ ہوگی۔

-4 وفاقی ایجنسی کے پاس وفاقی حکومت کا مقرر کردہ انتظامی تکنیکی اور قانونی عملہ ہوگا۔

-5 اپنے فرائض کی انجام دہی کے لئے ڈائریکٹر جنرل اگر منصب سمجھے تو مشاورتی کمیٹیاں قائم کر سکتا ہے/سکتی ہے اور یونیورسٹیوں تحقیقی اداروں، کاروباری، برادری اور دیگر علمی پیشوں اور شعبوں کے ممتاز نمائندوں کا ارکان کے طور پر تقرر کر سکتا/یا سکتی ہے۔

-6 وفاقی ایجنسی آئینی قواعد وضوابط اور اس ایکٹ کے تحت اپنے کوئی سے بھی کام اور اختیارات کسی سرکاری ایجنسی کو تفویض کر سکتی ہے۔

وفاقی ایجنسی کے فرائض

(الف) وفاقی ایجنسی

(a) اس ایکٹ اور قانونی قواعد وضوابط کا انتظام اور نفاذ کرے گی۔

(b) کسی موزوں سرکاری ایجنسی کے تعاون یا اشتراک سے کونسل کی منظوری حاصل کرنے کے لیےقومی ماحولیاتی پالیسیاں تیار کرے گی۔

(c) کونسل کی منظور کردہ قومی ماحولیاتی پالیسیوں کے نفاذ کے ضمن میں تمام ضروری اقدامات کرے گی۔

(d) ماحول کی صورت حال کے بارے میں ایک سالانہ قومی رپورٹ تیار اور شائع کرے گا۔

(e) کونسل کی منظوری کے ساتھ قومی ماحولیاتی کوالٹی معیارات وضع کرے گی اور ان پر نظر ثانی کرے گی۔

(f) قومی ماحولیاتی کوالٹی معیارات کے نفاذ کو یقینی بنائے گی۔

(g) سرکاری گزٹ میں نوٹیفیکیشن اور متعلقہ صوبائی ایجنسی کے مشورے سے جہاں کہیں ضروری، ہوا، پانی یا زمین کے بارے میں اقدام کرے گی۔

(i) مختلف ذرائع سے اخراج اور نکاس کے لیے حسب ضرورت مختلف معیارات قائم کرے گی۔

بشرطیکہ یہ معیارات کسی بھی صورت میں ماحولیاتی معیارات سے کم نہ ہوں۔

(ii) کونسل کی منظوری سے ایسے علاقوں کی فہرست تیار کرے گی جس میں کسی درجہ یا نوعیت کی سرگرمیاں اور منصوبے بنائے جائیں گے یا صرف خصوصی حفاظتی انتظامات کے ساتھ چلائے جا سکتے ہیں۔

(h) ماحولیاتی پالیسیوں اور پروگراموں کو قومی اور بین الاقوامی طور پر مربوط کرے گی۔

(i) اس ایکٹ اور قانونی قواعد وضوابط کے نفاذ کے لئے اور آلودگی کے خلاف جنگ کے لیے سروے، نگرانی، پیمائش معائنہ، تفتیش اور تحقیق کے طریقے اور نظام وضع کرے گی۔

(j) سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کی سرفرازی کے لیے اقدامات کرے گی جن سے آلودگی کی روک تھام، ماحولیات اور پائیدار ترقی کے تحفظ میں مدد ملے گی۔

(k) وہ ایک یا ایک سے زیادہ لیبارٹریوں کو منظور شدہ لیبارٹری کا درجہ دے سکتی ہے تاکہ

ایکٹ کے مقاصد کی تکمیل کے لیے جانچ پڑتال اور تجزیہ کر سکیں۔

(l) ماحولیاتی شعبے میں قانون سازی کی ضرورت کی نشاندہی کرے گی۔

(m) وفاقی یا صوبائی حکومت یا کسی سرکاری ایجنسی یا مقامی اتھارٹی یا بلدیاتی کونسل کی درخواست پر ماحولیاتی امور پر مشورے اور معاونت فراہم کرے گی۔

(n) وفاقی ایجنسی کے وضع کئے ہوئے معیارات کے مطابق فضلے کے مناسب نکاس کے لئے بلدیاتی کونسل، مقامی اتھارٹیز یا دیگر سرکاری ایجنسی اور افراد کی مدد کرے گی۔

(o) عوام کو ماحولیاتی امور پر معلومات اور رہنمائی فراہم کرے گی۔

(p) تعلیمی اداروں کے نصاب میں شامل کرنے کے لئے ماحولیاتی کورس، موضوعات، لٹریچر اور کتابوں کی سفارش کرے گی۔

(q) ماحولیاتی مسائل پر عوام کو تعلیم دے گی اور شعور پیدا کرے گی۔

(r) ایسے حادثات کی روک تھام کے لیے حفاظتی تدبیریں وضع کرے گی جو آلودگی کا باعث ہو سکتے ہیں۔ ایسے اتفاقی حادثات کے لیے امدادی منصوبے بنانے کے لیے متعلقہ افراد کی مدد اور ایسے منصوبوں کے عملدرآمد کے لیے اعانت کرے گی۔

(s) ذی روح ماحول کے فروغ، تحفظ و بحالی کے لئے آلودگی کی روک تھام اور کنٹرول کے لئے اور پائیدار ترقی کی سرفرازی کے لیے ضروری اقدامات کرے گی۔

(t) ہر وہ فرض ادا کرے گی جو کونسل اسے تفویض کرے۔

7-وفاقی ایجنسی

(a) خود سے یا کسی شخص کی شکایت پر ماحولیاتی مسائل کے ضمن میں تحقیق و تفتیش کر سکتی ہے۔

(b) کسی بھی شخص سے وفاقی ایجنسی کے فرائض سے متعلق معلومات یا اعداد وشمار فراہم کرنے کی درخواست کر سکتی ہے۔

(c) وفاقی حکومت کی منظوری سے اس ایکٹ کے مقاصد کی حمایت میں غیر ملکی امداد کی درخواست کر سکتی ہے اور معلومات یا مواد کے تبادلے کے لئے غیر ملکی ایجنسیوں، تنظیموں کے ساتھ کسی بندوبست میں شامل ہو سکتی ہے اور بین الاقوامی سیمیناروں یا

میٹنگز میں شرکت کر سکتی ہے۔

(d) وفاقی حکومت سے سفارش کر سکتی ہے کہ وہ ماحولیاتی مقاصد کے لیے رقوم کی فراہمی کے لیے اور ماحولیاتی مقاصد اور اس ایکٹ کے مقاصد کے حصول کے لیے با کفایت طریقے سے اقتصادی اور مالیاتی پروگراموں، اسکیموں یا ترغیبات، امدادی رقوم اور ٹیکس میں چھوٹ دینے کے اقدامات کرے۔

(e) اس ایکٹ کے تحت اپنے فرائض کی ادائیگی میں مدد کے لئے لیبارٹریز قائم کر سکتی ہے اور ماحول کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں تحقیق کر سکتی ہے اور مخصوص منصوبوں کے لیے مختلف اداروں کو امداد فراہم کر سکتی ہے۔

وفاقی ایجنسی کے اختیارات

وفاقی ایجنسی اس ایکٹ کے ضابطوں کے حوالے سے:

(a) ڈائریکٹر جنرل کی جانب سے متعین کئے گئے کسی مجاز افسر کے ذریعے اور ایسے طریقہ کار کے مطابق........

(i) کسی بھی ایسے شخص کو بغیر کسی وارنٹ کے گرفتار کر سکتی ہے جس کے بارے میں معقول شبہ ہو کہ اس نے اس ایکٹ کی خلاف ورزی کی ہے۔

(ii) کسی احاطہ، زمین، عمارت، موٹر گاڑی یا بحری جہاز میں مغیر کسی وارنٹ کے داخل ہو سکتی ہے یا معائنہ اور تفتیش کر سکتی ہے جس کے بارے میں افر کے پاس یہ یقین کرنے کا جواز ہو کہ اس ایکٹ کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔

(iii) کسی بھی پلانٹ، مشینری، آلات، موٹر گاڑی مواد یا افراد، ریکارڈ یا دستاویز یا ایسی شے کو ضبط کر سکتی ہے جس کے بارے میں یہ ظاہر ہو کہ وہ ایکٹ کی خلاف ورزی کے ارتکاب میں استعمال کیا گیا ہے۔

(iv) ہوا، پانی یا ملحقہ زیمن کو آلودہ کرنے والی کسی بھی مصنوعات، اشیاء یا مواد یا اخراج یا فضلہ کے نمونے حاصل کر سکتی ہے۔

(v) نمونوں کی جانچ پڑتال اور تجزیئے کا انتظام کر سکتی ہے۔

(vi) خلاف ورزی میں استعمال کی گئی کسی بھی شے کو قبضے میں لے سکتی ہے جس کا مجرم

نامعلوم ہو یا مناسب وقت کے دوران بازیاب نہ کیا جا سکے۔

(b) کسی موٹر گاڑی میں آلودگی کو کنٹرول کرنے والے آلات جو بھی ان کے لیے تجویز کئے جائیں نصب کرنے کی ہدایت دے سکتی ہے۔

(c) کسی بھی شخص کو طلب کر سکتی ہے اور اسے حاضر ہونے پر مجبور کر سکتی ہے اور کسی بھی ماحولیاتی مسئلے کے بارے میں تحقیق یا تفتیش کے لئے درکار معلومات یا دستاویزات فراہم کرنے کا تقاضا کر سکتی ہے۔

(d) منقولہ یا غیر منقولہ املاک کو پٹے پر دے سکتی ہے، اس کی مالک بن سکتی ہے اسے اپنے پاس رکھ سکتی ہے، بہتر بنا سکتی ہے یا بصورت دیگر لین دین کر سکتی ہے۔

(e) اپنی املاک اور اثاثوں کو فروخت کر سکتی ہے منتقل کر سکتی ہے رہن یا گروی رکھ سکتی ہے، تبادلہ کر سکتی ہے یا بصورت دیگر انہیں تلف کر سکتی ہے۔

(f) ٹھیکے دے سکتی، آلات کو نصب کر سکتی ہے، جو مناسب انتظام اور کاروبار کو چلانے کے لئے ضروری ہو۔

(g) وفاقی حکومت کی منظوری اور ایسے دستور العمل کے مطابق ان مشیروں، ماہروں کو متعین کر سکتی ہے جنہیں وہ بہتر کارکردگی کے لیے ضروری خیال کرے۔

(h) وہ قومی ماحولیاتی کمیٹی قائم کر سکتی ہے جس میں

(i) ڈائریکٹر جنرل	چیئر پرسن
(ii) صوبائی ایجنسی برائے ماحولیاتی تحفظ کے ڈائریکٹر جنرلز	ارکان
(iii) وفاقی ایجنسی یا حکومت کی طرف سے مقرر کئے گئے افراد	ارکان

مذکورہ وفاقی ایجنسی کی طرف سے مقرر کئے گئے یا تفویض کئے گئے کام سرانجام دے گی تا کہ اس ایکٹ کے مقاصد کی تکمیل ہو سکے اور ماحولیاتی پالیسیوں میں بین الصوبائی تعاون کو یقینی بنائے گی۔

8-وفاقی ایجنسی کے فنڈز

-1 ایک فنڈ قائم کیا جائے گا جو ''پاکستان ایجنسی برائے ماحولیاتی تحفظ فنڈ'' کہلائے گا اور جو وفاقی ایجنسی کے پاس رہے گا اور وفاقی ایجنسی اس ایکٹ کے تحت اپنے

فرائض کے حوالے سے استعمال میں لائے گی۔ اس میں وفاقی ایجنسی کے ملازمین، مشیروں، ماہرین اور افسروں کی تنخواہیں اور دیگر معاوضے بھی شامل ہوں گے۔

2- پاکستان ایجنسی برائے ماحولیاتی تحفظ فنڈ اس طرح جمع ہوگا۔

(a) وفاقی حکومت یا صوبائی حکومتوں کی جانب سے دیئے جانے والے قرضے اور گرانٹس۔

(b) مقامی یا بین الاقوامی ایجنسیوں، بشمول غیر سرکاری تنظیموں کی جانب سے ملنے والی گرانٹس، قرضے پیشگی رقم اور دیگر نقدیاں۔

(c) اسی ایکٹ کے ضابطوں یا آئینی قواعد وضوابط یا اس وقت نافذ العمل کسی بھی قانون کے تحت وفاقی ایجنسی کی جانب سے وصول کی جانے والی فیسیں اور ادائیگیاں۔

(d) وہ تمام رقم جو وفاقی ایجنسی کو زمینیں، عمارتیں اور دیگر املاک کی فروخت سے حاصل ہو۔

(e) وفاقی ایجنسی کی سلیف فنانسنگ اسکیموں سے حاصل ہونے والی آمدنی۔

(f) وفاقی ایجنسی کو ملنے والی دیگر رقوم۔

9- حساب کتاب کی جانچ پڑتال اور حسابات آڈٹ اور اکاونٹس

1- وفاقی ایجنسی حکومت سے منظوری کے لیے اپنے سالانہ میزانیہ کے تخمینے پیش کرے گی۔

2- وفاقی ایجنسی قواعد کے تحت آمدنی اور اخراجات اور دیگر متعلقہ ریکارڈ کا صحیح حساب کتاب رکھے گی۔

3- وفاقی ایجنسی کے حساب کتاب کی جانچ پڑتال وفاقی حکومت کی ہدایت کردہ طریقے کے مطابق ہوگی۔

باب 4

ماحولیاتی تحفظ کی صوبائی ایجنسیاں

10-ماحولیاتی تحفظ کی صوبائی ایجنسیوں کا قیام

(1) ہر صوبائی حکومت سرکاری گزٹ میں نوٹیفیکیشن کے ذریعے ایک ایجنسی قائم کرے گی۔ جو ایجنسی برائے ماحولیاتی تحفظ کہلائے گی (صوبے کا نام)، جو وفاقی ایجنسی اور پاکستان کونسل برائے ماحولیاتی تحفظ کے تفویض کردہ اختیارات و فرائض کو استعمال کرے گی اور سرانجام دے گی جو اس ایکٹ کے قواعد وضوابط کے مطابق ہوں گے اور صوبائی حکومت کی جانب سے وقتاً فوقتاً سونپے گئے فریضے سنبھالے گی۔

(2) صوبائی ایجنسی کا ایک ڈائریکٹر جنزل ہو گا/ہو گی جس کا تقرر صوبائی حکومت اپنی طے کردہ شرائط کے مطابق کرے گی۔

(3) صوبائی ایجنسی کے اختیارات اور فرائض ڈائریکٹر جنزل استعمال کرے گا/ کرے گی اور انجام دے گا۔

(4) صوبائی ایجنسی کے پاس صوبائی حکومت کا مقرر کردہ انتظامی تکنیکی اور قانونی عملہ ہو گا۔

(5) اپنے فرائض کی انجام دہی میں معاونت کے لئے جو مشاورتی کمیٹیاں مناسب خیال کرے قائم کرے گی/ کرے گا۔ اور یونیورسٹیوں، تحقیقی اداروں، کاروباری برادری اور دیگر پیشوں اور عملی شعبوں اور ممتاز نمائندوں کی تقرری ارکان کے طور پر کرسکتا / کرسکتی ہے۔

11-صوبائی ایجنسی کے فنڈ

-1 ایک فنڈ قائم کیا جائے جو''صوبائی ایجنسی برائے ماحولیاتی تحفظ''فنڈ'' کہلائے گا اور یہ فنڈ صوبائی ایجنسی کے پاس رہے گا اور صوبائی ایجنسی اس ایکٹ کے تحت اپنے فرائض کے حوالے سے استعمال کرے گی اور اس میں صوبائی ایجنسی کے افسروں، ماہرین، مشیروں اور ملازمین کی تنخواہیں اور دیگر معاوضے بھی شامل ہیں۔

(2) صوبائی ایجنسی کے کھاتے میں جمع ہونے والی رقوم۔

(a) وفاقی حکومت یا صوبائی حکومت کی جانب سے دی جانے والی رقوم۔

(b) مقامی اور بین الاقوامی ایجنسیوں، بشمول غیر سرکاری تنظیموں کی جانب سے ملنے والی گرانٹس، قرضے اور دیگر رقومات۔

(c) اس ایکٹ کے ضابطوں کے تحت یا آئینی قواعد وضوابط کے تحت یا فی الوقت نافذالعمل کسی دوسرے قانون کے تحت صوبائی ایجنسی کو ملنے والی فیس، قیمت اور ادائیگیاں۔

(d) زمینوں، عمارتوں، یا دیگر املاک کی فروخت کے صوبائی ایجنسی کو ملنے والی تمام رقوم۔

(e) صوبائی ایجنسی کی سلیف فنانسنگ کی اسکیموں سے حاصل ہونے والی آمدنی۔

(f) صوبائی ایجنسی کو ملنے والی کوئی اور رقم۔

12-صوبائی ایجنسی کے حسابات اور ان کی جانچ پڑتال

-1 صوبائی ایجنسی اپنے سالانہ میزانیہ کے تخمینے منظوری کے لیے صوبائی حکومت کو پیش کرے گی۔

-2 صوبائی ایجنسی آمدنی اور اخراجات اور دیگر متعلقہ ریکارڈ کا قواعد کے تحت صحیح حساب کتاب رکھے گی۔

-3 صوبائی ایجنسی کے حساب کتاب کی جانچ پڑتال صوبائی حکومت کی ہدایات کے مطابق ہوگی۔

باب 5

امتناعی اور انضباطی شرائط

13-خاص قسم کے اخراج کی ممانعت

اس ایکٹ کی شرائط اور قواعد وضوابط کے تحت کوئی بھی شخص سیال فضلہ ہوا کو آلودہ کرنے والے اجزاء اور شور کا اخراج نہیں کرے گا جو قومی ماحولیاتی کوالٹی کے معیارات سے زائد اور جہاں ضرورت ہو دفعہ 6 کی ضمنی شق (i) دفعہ (جی) اور ضمنی شق (i) کے تحت بنائے گئے سخت معیارات سے زیادہ ہو۔

14-ابتدائی ماحولیاتی معائنہ اور ماحول پر اثرات کا تجزیہ

1- کسی بھی منصوبے کا درخواست گذار اس وقت تک تعمیر یا کاروائی شروع نہیں کرے گا جب تک وہ وفاقی ایجنسی کو ابتدائی ماحولیاتی معائنہ (IEE) کی گزارش نہ کرے، یا جہاں منصوبے سے مضر ماحولیاتی اثرات کا خدشہ ہو وہاں وہ ماحول پر تجزیہ نہ کروائے (EIA)

2-وفاقی ایجنسی

i- مجوزہ منصوبے کی منظوری اور آئی ای ای پر نظر ثانی اور وہ درخواست گذار سے ای آئی اے طلب کرے گی۔

ii- جہاں مناسب خیال کرے عوامی شرکت کے ساتھ ای آئی اے پر نظر ثانی کرے گی اور اگر ضروری سمجھے تو وہ منصوبے کے لیے یہ سفارش کر سکتی ہے کہ منصوبے کو ایسی شرائط کے ساتھ منظور کیا جائے یا چند تجویز کردہ تبدیلیوں کے ساتھ دوبارہ جمع کرانے کا کہے گی یا ماحولیاتی مقاصد کے لیے اسے مسترد کر دے گی۔

3- ضمنی دفعہ (1) اور (2) کے شرائط کا اطلاق اس نوعیت کے منصوبوں پر ہو گا اور اس طرح کہ جیسے کہ ہدایت دی جائے۔

فضلے کا انتظام

کوئی شخص درج ذیل جگہوں پر کوڑا نہیں پھینکے گا

(a) سرکاری زمین پر یا ہائی وے پر سوائے کچر کنڈی کچرا دان یا کوڑا جمع کرنے کے لئے رکھے جانے والے ڈبوں یا.......

(b) ایسی زمین پر جو بلدیاتی کونسل یا مقامی اتھارٹی کی ملکیت ہو یا اس کے زیر انتظام ہو سوائے ......

(i) کچرا تلف کرنے کے لیے اس سہولت کے جس کی منظوری اس ایک یا قواعد وضوابط کے تحت دی گئی ہے۔

(ii) بلدیاتی کونسل یا مقامی اتھارٹیکے قائم کردہ کچرا تلف کرنے کے نظام کے ذریعے۔

(iii) کچرا کنڈی، کوڑا دان یا کوڑا جمع کرنے کے لیے رکھے جانے والے ڈبوں میں یا....

(iv) اس ایکٹ کے تحت جاری کیے جانے والے اجازت نامے یا بلدیاتی کونسل سے حاصل کردہ اجازت کے مطابق اسے جلا کر۔

(v) قانونی صوابط کی وضاحت کے مطابق کسی دوسرے طریقے سے۔

(c) پانی کے اوپر یا پانی کے نیچے سوائے اس ایکٹ کے تحت جاری کردہ اجازت نامے کی مطابق یا۔

کسی بھی زمین پر جو کسی کی دوسرے شخص کی ملکیت ہو سوائے زمین کے مالک کی منظوری کے ساتھ اور اس ایکٹ کے ضابطوں کے مطابق۔

16- ضرر رساں فضلے کی درآمد پر پابندی

کوئی شخص پاکستان میں ضرر رساں فضلے کو درآمد نہیں کرے گا۔

17-ضرر رساں مادوں کا بندوبست

اس ایکٹ کی شرائط کے مطابق کوئی شخص، وفاقی ایجنسی کے جاری کردہ لائسنس یا جیسے کہ ہدایات کی جائیں ضرر رساں مادے، پیدا، جمع، ارسال، منتقل، صاف، ذخیرہ، بندوبست یا درآمد نہیں کرے گا۔

18-موٹر گاڑیوں کے قواعد

-1 اس ایکٹ کی شرائط اور قواعد وضوابط کے مطابق کوئی شخص ایسی گاڑی نہیں چلائے گا جس کے نکاس سے ہوا کو آلودہ کرنے والے اجزاء یا شور قومی ماحولیاتی کوالٹی معیارات سے زیادہ ہو یا جہاں اطلاق ضروری ہو دفعہ 6 کے ذیلی شق (1)(بی) ضمنی شق (1) کے نسبتاً سخت معیارات کے مطابق نہ ہو۔

-2 ضمنی دفعہ (1) میں درج معیارات کے اطلاق کو یقینی بنانے کے لیے وفاقی ایجنسی یہ ہدایات دے سکتی ہے کہ کسی بھی درجہ کی گاڑی میں آلودگی کو روکنے والے آلات نصب کیے جائیں۔

-3 جہاں کہیں وفاقی ایجنسی کی جانب سے دفعہ 2 کے تحت ہدایات جاری کی گئی ہوں کہ کوئی بھی گاڑی یا کسی بھی درجہ کی گاڑی کو کوئی شخص نہیں چلائے گا جب تک کہ ہدایت کی تعمیل نہ کی جائے۔

19-حکم برائے ماحولیاتی تحفظ

(a) جب وفاقی ایجنسی کو اطمینان ہو کہ:

کسی گنداب یا فضلے یا ہوا کو آلودہ کرنے والے عنصر یا شور کا اخراج یا کوڑا تلف کرنا یا ضرر رساں فضلے یا ضرر رساں مادے کو اٹھانا، یا کوئی اور عمل یا اخراج ہو سکتا ہے ہو رہا ہے یا ہو چکا ہے اور

(b) ایسا اخراج، ضیاع، استعمال، عمل یا فرد گذاشت، اس ایکٹ کے ضابطوں کی قانونی قواعد وضوابط کی یا کسی اجازت نامے یا لائسنس کی شرائط کی خلاف ورزی ہے اور منفی ماحولیاتی اثرات پیدا کر سکتی ہے، سبب بن سکتی ہے، بن رہی ہے یا بن چکی ہے۔

وفاقی ایجنسی اس اخراج و ضیاع، استعمال، عمل، یا فرگذاشت کے بعد ایک حکم برائے ماحولیاتی تحفظ جاری کرسکتی ہے جس میں محدود دورانیہ کے لئے اس شخص کو وہ اقدام کرنے کی ہدایت کی جائے گی جنہیں وفاقی ایجنسی ضروری خیال کرتی ہے۔

-2 خصوصی طور پر اور سابقہ اختیار کی عمومیت کے بارے میں کسی تعصب کے بغیر ان اقدامات میں شامل ہوگا۔

(a) اخراج، ضیاع، استعمال، عمل یا فردگذاشت کو روکنے کم کرنے یا کنٹرول کرنے یا کم سے کم کرنے یا منفی ماحولیاتی اثرات کا تدارک کرنے کی کاروائی۔

(b) اس طرح کے اخراج، ضیاع ،استعمال، عمل یا فردگذاشت کو مستقل یا عارضی بنیادوں پر ختم کرنے یا کنٹرول کرنے یا اس میں تخفیف کرنے کے لئے کوئی چیز یا آلہ نصب کرنا، اس کی جگہ کوئی دوسرا آلہ لگانا یا اس میں کوئی رد وبدل کرنا۔

(c) گنداب، فضلے، ہوا کو آلودہ کرنے والے عناصر، شور، ضرر رساں فضلہ اور ضرر رساں مادوں کو ہٹانے یا بصورت دیگر تلف کرنے کی کاروائی۔

(d) ماحول کو اس صورت میں بحال کرنا جو وفاقی ایجنسی کے لئے اطمینان ہو۔

-3 اگر وہ شخص جس کے لیے ذیلی دفعہ (1) کے تحت حکم برائے ماحوالیاتی تحفظ جاری کیا گیا ہے ان شرائط کی تعمیل نہیں کرتا تو وفاقی ایجنسی اس ایکٹ میں وضع کئے گئے قواعد وضوابط کے تحت اس کے خلاف کاروائی کے علاوہ، جو ذرائع مناسب سمجھے استعمال کرے یا استعمال کروائے، وہ خود بھی اقدامات کے اخراجات مذکورہ شخص کی زمین، مال گذاری کے واجبات کے طور پر وصول کئے جا سکتے ہیں۔

باب 6

تعزیرات

20- تعزیرات

1- جو کوئی بھی اس ایکٹ کی شرائط دفعات 13, 14, 16, 19 یا کسی اور ضابطے کے تحت جاری کردہ ہدایات، حکم، لائسنس یا منظوری کی خلاف ورزی کرتا ہے، یا تعمیل میں ناکام رہتا ہے اسے پانچ سال تک کی سزائے قیددی جا سکتی ہے، یا دس لاکھ روپے تک جرمانہ کیا جا سکتا ہے، یا دونوں سزائیں دی جا سکتی ہیں۔ مسلسل خلاف ورزی یا ناکامی کی صورت میں روزانہ اضافی جرمانہ کیا جا سکتا ہے جو ایک لاکھ روپے روزانہ تک ہو سکتا ہے۔

اس صورت میں کہ دفعہ 13 کی شرائط کی خلاف ورزی نیز دفعہ 18 کی شرائط کی خلاف ورزی کی صورت میں وہ صرف ذیلی دفعہ (2) کے تحت قابل مواخذہ ہوگا۔

2- ہر وہ شخص جو دفعات 15-17 یا 18 یا کسی قاعدے یا ضابطے یا کسی لائسنس یا دفعات 13,14,16 یا 19 کے علاوہ کونسل یا وفاقی ایجنسی کی طرف سے جاری کئے گئے حکم یا ہدایت کی خلاف ورزی کرتا ہے، اسے ایک سال تک کی قید یا جرمانہ جو ایک لاکھ روپے ہو سکتا ہے، یا دونوں ہو سکتے ہیں۔ مسلسل خلاف ورزی کی صورت میں یا ناکامی کی صورت میں اسے روزانہ ایک لاکھ روپے تک کا جرمانہ اس وقت تک ہو سکتا ہے جب تک کہ ایسی خلاف ورزی جاری ہے۔

3- جب کوئی ملزم ذیلی دفعہ (1) یا (2) کے تحت جرم کا مرتکب ٹھہرایا جائے تو ٹربیونل بااختیار مجسٹریٹ مجاز ہوگا کہ ....

(a) وہ کسی پلانٹ، مشینری، آلات، موٹر گاڑی، مواد یا مادے، ریکارڈ، دستاویز یا کوئی اور

چیز قبضے میں لینے کا حکم دے۔

(b) وہ مجرم کو یہ حکم دے کہ وہ ماحول کو، جرم کے ارتکاب سے پہلے والی حالت میں، اور اس حالت میں جو ان حالات میں مناسب طور پر قریب ہو اور وفاقی ایجنسی کے لیے اطمینان بخش ہو اپنے خرچ پر بحال کرے۔

(c) متاثرہ شخص کی درخواست پر اس شخص کو جرمانہ کی رقم سے کسی جسمانی زخم، یا صحت کے نقصان یا جائیداد کے نقصان جو اس شخص نے جرم کے ارتکاب کی وجہ سے برداشت کیا ہو، ادائیگی کرے۔

-4 جب کسی مجرم کو ذیلی دفعہ (1) کے تحت کسی جرم کا مرتکب ٹھہرایا جائے اور ٹریبونل مطمئن ہو کہ اس جرم کے ارتکاب کے ذریعے مجرم کو مالی فوائد حاصل ہوئے ہیں تو ٹریبونل ذیل ذفعہ (1) کے تحت کئے جانے والے جرمانے کے علاوہ اپنے تخمینے کے مطابق ان مالی فوائد کے مساوی رقم کا اضافی جرمانہ عائد کر سکتا ہے۔

-5 وفاقی ایجنسی کا ڈائریکٹر جنرل یا کوئی اور افسر جسے وہ عمومی یا خصوصی طور پر اس ضمن میں اختیار دے، اس ایکٹ کے تحت مجرم کی درخواست پر ٹریبونل یا مجسٹریٹ کی اجازت سے طے شدہ ضوابط کے تحت کلیتاً یا جزوی طور پر جرمانہ معاف کر سکتا ہے۔

-6 اگر ڈائریکٹر جنرل کی رائے میں کس شخص نے ایکٹ کی خلاف ورزی کی ہے تو وہ ضوابط کے مطابق تحریری نوٹس کے ذریعے اس شخص کو حکومت پاکستان کو انتظامی تاوان کے طور پر اس نوٹس میں درج رقم روزانہ جب تک خلاف ورزی کا ارتکاب ہوتا رہے، ادا کرنے کو کہہ سکتا ہے۔ انتظامی تاوان ادا کرنے والے شخص پر اس ایکٹ کے تحت اس خلاف ورزی کے حوالے سے جرم کا الزام نہیں لگایا جائے گا۔

-7 ذیلی شقوں (5) اور (6) کی شرائط اس شخص پر عائد نہیں ہوں گی جس پر اس سے قبل اس ایکٹ کے تحت خلاف ورزی کا الزام لگایا جا چکا ہے، یا جس کے ساتھ اس ایکٹ کے تحت خلاف ورزی کا تصفیہ کیا جا چکا ہے یا وہ اس ایکٹ کی کسی شرط کی خلاف ورزی پر انتظامی جرمانہ ادا چکا ہو۔

-21 اگر اس ایکٹ کے تحت کسی جرم کا ارتکاب کوئی کمپنی کرتی ہے تو ہر وہ شخص جو جرم کے ارتکاب کے وقت کمپنی کا کاروبار چلانے کا ذمہ دار تھا اور براہ راست نگران تھا،

اسے اور کمپنی دونوں کو اس جرم کا قصور وار خیال کیا جائے گا، اور ان کے خلاف کاروائی ہو گی، اور اس کے مطابق سزا ملے گی۔

بشرطیکہ اس ایکٹ کی ذیلی دفعہ (1) میں کوئی ایسی بات نہ ہو جو اس ایکٹ کے تحت اس شخص کو قصور وار ٹھہراتی ہو۔ اگر وہ یہ ثابت کردے کہ جرم اس کی لاعلمی میں کیا گیا اور یہ کہ اس میں اس جرم کے ارتکاب کو روکنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔

-2 ذیلی دفعہ (1) میں پائے جانے والے کسی بھی امر کے باوجود جب اس ایکٹ کے تحت کوئی کمپنی کسی جرم کا ارتکاب کرتی ہے اور یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ کسی ڈائریکٹر، منیجر، سیکرٹری، یا کمپنی کے کسی دوسرے افسر کی مرضی، یا چشم پوشی، یا غفلت کی وجہ سے جرم سرزد ہوا ہے تو ایسے ڈائریکٹر، منیجر، سیکرٹری یا افسر کو قصور وار ٹھہرایا جائے گا۔ اس کے خلاف عدالتی کاروائی ہو گی اور سزا ملے گی۔

وضاحت :اس سیکشن کے مقاصد!

(a) کمپنی سے مراد ایک ایسی جماعت (کارپوریٹ) ہے جو قانوناً ایک شخص تصور کی جائے اور اس میں فرد یا افراد کی کوئی دیگر انجمن (ایسوسی ایشن) اور سوسائٹی بھی شامل ہے جو کوآپریٹو سوسائٹیز ایکٹ 1925ء کے تحت رجسٹرڈ ہے۔

(b) فرم کے حوالے سے ''ڈائریکٹر'' سے مراد فرم کا پارٹنر یا ساجھے دار ہے اور سوسائٹی کے حوالے سے اس سے مراد سوسائٹی کا عہدے دار ہے۔

22- سرکاری ایجنسیوں، مقامی اتھارٹیز یا بلدیاتی کونسلوں کے جرائم

-1 اس ایکٹ کے تحت کسی جرم کا ارتکاب کوئی سرکاری ایجنسی، مقامی اتھارٹی یا بلدیاتی کونسل کرے تو اس سرکاری ایجنسی، مقامی اتھارٹی یا بلدیاتی کونسل کے سربراہ کو مجرم تصور کیا جائے گا۔ اس کے خلاف کاروائی ہو گی۔ اور اس کے مطابق سزا دی جائے گی۔

بشرطیکہ اس سیکشن میں کوئی ایسا امر شامل نہ ہو جو سرکاری ایجنسی، مقامی اتھارٹی، بلدیاتی کونسل کے ایسے سربراہ کو قصور وار نہ ٹھہرائے، اگر وہ یہ ثابت کردے کہ جرم اس کی لاعلمی میں ہوا ہے یا اس نے جرم کے ارتکاب کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کی۔

-2 ذیلی دفعہ (1) میں موجد کسی بھی چیز کے، جب ایک سرکاری ایجنسی، مقامی اتھارٹی یا لوکل کونسل اس ایکٹ کے تحت جرم کا ارتکاب کرتی ہے اور یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ جرم سرکاری ایجنسی ، مقامی اتھارٹی یا بلدیاتی کونسل کے سربراہ کے علاوہ کسی دوسرے افسر کی مرضی، چشم پوشی، یا عفلت کی بدولت سرزد ہوا ہے تو ایسے افسر کو بھی جرم کا مرتکب سمجھا جائے گا۔ اس کے خلاف عدالتی کاروائی ہو گی اور اس کے مطابق سزا ملے گی۔

باب7

ماحولیاتی ٹریبونلز

23-ماحولیاتی ٹریبونلز

1- وفاقی حکومت سرکاری گزٹ میں نوٹیفکیشن کے ذریعے جس قدر میں ضروری سمجھے ماحولیاتی ٹریبونلز قائم کرسکتی ہے۔ اس بات کی وضاحت کی جائے گی کہ اس ایکٹ کے تحت ہر ٹریبونلز کن علاقائی حدود میں اور کس طرح مقدمے کے حوالے سے اپنے اختیارات کو بروئے کار لائے گا۔

2- ماحولیاتی ٹریبونل میں ایسا شخص شامل ہوگا جو ہائی کورٹ کا جج رہ چکا ہو یا بننے کی اہلیت رکھتا ہو۔ وفاقی حکومت دو ارکان کا تقرر کرے گی جس میں سے ایک تاجر برادری سے ہوگا۔ جس کی سفارش فیڈریشن آف پاکستان چیمبرز آف کامرس اور انڈسٹری کرے گی، اور دوسرا تکنیکی رکن ہوگا جو پیشہ ورانہ صلاحیتوں اور تجربے (خصوصاً ماحولیات کے میدان) کا حامل ہوگا۔

3- ماحولیات ٹریبونل کی کاروائی کے لئے چیئرپرسن اور کم از کم ایک رکن کی موجودگی لازمی ہوگی۔

4- ماحولیات ٹریبونل کا فیصلہ ارکان بشمول چیئرپرسن کی آراء کی اکثریت کی شکل میں کیا جائے گا۔ اور اگر مقدمے کا فیصلہ چیئرپرسن اور صرف ایک رکن نے کیا ہو اور دونوں کے درمیان اختلاف رائے ہو تو پھر چیئرپرسن کی رائے کو فیصلے کن حیثیت حاصل ہوگی۔

5- ایک ماحولیاتی ٹریبونل محض اپنی ماہیت میں تبدیلی یا اجلاس کے دوران کسی رکن کی غیر حاضری کی بنا پر کسی گواہ کو جو گواہی دے چکا ہو دوبارہ طلب کرنے اور دوبارہ

سننے کا پابند نہیں ہوگا، اور وہ پہلے ریکارڈ کی گئی یا پہلے پیش ہونے والے گواہ کی گواہی پر عمل کر سکتا ہے۔

-6 چیئر پرسن کی جانب سے وقتاً فوقتاً کئے جانے والے فیصلے کے مطابق ایک ماحولیاتی ٹریبونل اپنی علاقائی حدود کے اندر مختلف مقامات پر عدالت لگا سکتا ہے۔

-7 ماحولیاتی ٹریبونل کے کسی بھی عمل یا کاروائی کو محض ٹریبونل میں کوئی اسامی خالی ہونے یا اس کی ماہیت میں کوئی خامی ہونے کی بنا پر بے اثر یا ناجائز قرار نہیں دیا جائے گا۔

24-ماحولیاتی ٹریبونل کا دائرہ اختیار اور اختیارات

-1 ماحولیاتی ٹریبونل اس ایکٹ یا اس کے تحت کیے جانے والے قواعد وضوابط کے تحت سونپے گئے اختیارات استعمال کرے گا اور فرائض سرانجام دے گا۔

-2 تمام ایسے جرائم جو ایکٹ کی ذیلی دفعہ (20) کے تحت قابل سزا ہوں ان کے مقدمات صرف ماحولیاتی ٹریبونل میں چلائے جائیں گے۔

-3 ماحولیاتی ٹریبونل ذیلی دفعہ 2 کے تحت قابل سماعت مقدمات کی سماعت اس وقت تک نہیں کرے گا جب تک کہ مندرجہ ذیل کی جانب سے تحریری شکایت موصول نہ ہو:

(a) وفاقی ایجنسی یا کوئی سرکاری ایجنسی

(b) کسی بلدیاتی کونسل، اسلام آباد کیپٹل ٹیرٹری کی صورت میں چیف کمشنر اسلام آباد کا اور صوبائی مقدمات کی صورت میں ڈویژن کے کمشنر۔

(c) زیادتی کا شکار کوئی شخص جو مبینہ جرم کے بارے میں وفاقی ایجنسی کو کم از کم 3 دن کا نوٹس دے چکا ہو اور ماحولیاتی ٹریبونل میں شکایت درج کروانے کا ارادہ رکھتا ہو۔

-4 ایک ماحولیاتی ٹریبونل کو اپنے فوجداری اختیارات کے استعمال کے ضمن میں وہی اختیار حاصل ہوں گے جو فوجداری ضابطہ عمل 1989ء (ایکٹ 1989ء) کے تحت سیشن کورٹ کو حاصل ہیں۔

-5 سیکشن 25 کے تحت ٹریبونل اپیلوں کی سماعت کے اختیارات کے حوالے ماحولیاتی ٹریبونل کو وہی اختیارات حاصل ہوں گے۔ اور وہ اسی طریقہ کار پر عمل کرے گا

جس پر دیوانی ضابطہ 1908ء(1908ء کا ایکٹv) کے تحت اپیلوں کی سماعت کی عدالت کرتی ہے۔

6- ماحولیاتی ٹریبونل ایسے تمام امور کے بارے میں جن کے لئے اس ایکٹ میں کوئی طریق عمل وضع نہیں کیا گیا 1908ء کے دیوانی ضابطہ(1980 کا ایکٹ) پرعمل کرے گا۔

7- ماحولیاتی ٹریبونل میں ہونے والی تمام کاروائیوں کو تعزیرات پاکستان (ایکٹ 1960XLVء) کی دفعات 193اور 228 کے مفہوم میں عدالتی کاروائیاں خیال کیا جائے گا اور ضابطہ فوجداری 1898ء(1898ء کا ایکٹ V) کی دفعات 480اور 482 کے مقاصد کے تحت ماحولیاتی ٹریبونل کو عدالت سمجھا جائے گا۔

8- اس ایکٹ یا اس کے قواعد وضوابط کے تحت ٹریبونل کوجن امور کے بارے میں اختیار حاصل ہے ان کے بارے میں ماحولیاتی ٹریبونل کے سوا کوئی اور عدالت اپنے اختیارات استعمال نہیں کرے گی۔

25-ماحولیاتی ٹریبونل میں اپیل کرنے کا طریقہ

1- اس ایکٹ کی کسی بھی شرط یا قواعدضوابط کے تحت وفاقی ایجنسی یا کسی صوبائی ایجنسی کے حکم یا ہدایت سے متاثر ہونے والاشخص اس حکم یا ہدایت کے موصول ہونے کے 30دن کے اندر اندر ماحولیاتی ٹریبونل میں اپیل دائر کرسکتا ہے۔

2- ماحولیاتی ٹریبونل میں دائر کی جانے والی اپیل ایسی شکل میں کی جائے گی اور اس میں ایسے کوائف درج ہوں گے اور اس کے ساتھ اتنی فیس جمع کرائی جائے گی۔جیسا کہ تجویز کیا جائے گا۔

26-ماحولیاتی ٹریبونل کے احکامات کے بارے میں اپیلیں

1- ماحویاتی ٹریبونل کی سزا یا حکم سے متاثر ہونے والا کوئی بھی شخص دفعہ 24 کی ذیلی دفعہ (3) جسے دفعہ 20 کے ساتھ پڑھا جائے گا، کے تحت 30دن کے اندر اندر اس حکم یا سزا کے خلاف ہائی کورٹ میں اپیل دائر کرسکتا ہے۔

2- ذیلی دفعہ (1) کے تحت کی جانے والی اپیل کی سماعت کم از کم 2 ججوں پر مشتمل بنچ

کرے گا۔

27- مقرر کردہ مجسٹریٹوں کے اختیارات

(1) باوجود یہ کہ ضابطہ فوجداری دستور العمل 1898ء (1898ء کا ایکٹ V) یا کوئی اور نافذ العمل قانون، اس ایکٹ کی شرط کے مطابق اس ایکٹ کی دفعہ 20 ذیلی شق (2) کے تحت تمام قابل سزا جرائم، وفاقی حکومت یا متعلقہ صوبائی حکومت کے مقرر کردہ فرسٹ کلاس مجسٹریٹ کی عدالت میں چلائے جائیں گے۔

(2) با اختیار مجسٹریٹ ذیلی دفعہ (1) کے تحت کسی قابل سماعت مقدمہ پر کاروائی نہیں کرے گا جب تک کہ ذیل میں درج حضرات کی طرف سے تحریری شکایت موصول نہ ہوئی ہو۔

(a) وفاقی ایجنسی یا سرکاری ایجنسی۔

(b) کوئی بلدیاتی کونسل۔

(c) کوئی متاثرہ شخص۔

28- مقرر کردہ مجسٹریٹس کے حکم پر اپیل

ہر وہ شخص جس پر با اختیار مجسٹریٹ کی جانب سے اس ایکٹ یا قواعد وضوابط کے تحت خلاف ورزی کا الزام لگایا گیا ہو، وہ اس فیصلے کے خلاف 30 دن کے اندر اندر سیشن کورٹ میں اپیل دائر کر سکتا ہے جس کا فیصلہ آخری فیصلہ ہو گا۔

باب8

متفرقات

29-ہدایات دینے کے اختیارات

اس ایکٹ کے تحت کاروائی کرنے کے لئے

(a) وفاقی اور صوبائی ایجنسیاں ان ہدایات کی جو وفاقی حکومت تحریری طور پر دے سکتی ہے پابند ہوں گی۔

(b) ہر صوبائی ایجنسی ان ہدایات کی، جو وفاقی ایجنسی یا صوبائی حکومت دے سکتی ہے پابند ہوگی

بشرطیکہ ایسی ہدایات اس ایکٹ اور قواعد وضوابط سے ماورا نہ ہوں۔

بشرطیکہ صوبائی حکومت کی طرف سے صوبائی ایجنسی کو جاری کی گئی ہدایات وفاقی ایجنسی کی ہدایات میں شامل نہیں تو معاملہ وفاقی حکومت تک لے جایا جا سکتا ہے۔ جس کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوگا۔

30-ضمانت

اس ایکٹ کے تحت یا اس کے قواعد وضوابط کے تحت نیک نیتی سے کوئی کام کرنے پر یا کرنے ارادہ رکھنے پر وفاقی یا صوبائی حکومتوں کونسل، وفاقی یا صوبائی ایجنسی ڈائریکٹر جنرلز یا ارکان، افسران، ملازمین، ماہرین، مشیر یا وفاقی اور صوبائی ایجنسیاں یا ماحولیاتی ٹریبونل کی کمیٹیوں اور کنسلٹنٹس پر یا کسی بھی شخص پر کوئی مقدمہ، یا استغاثہ دائر نہیں کیا جائے گا۔ اور نہ ہی کوئی دوسری قانونی کاروائی کی جائے گی۔

بشرطیکہ ٹریبونل کو یہ اطمینان ہو جائے کہ دفعہ 24 کی ذیلی شق (3) کے تحت دائر کی

گئی شکایت دروغ بیانی اور مدعی کی جانب سے تکلیف رسانی کا فعل ہے۔ اس صورت میں مدعی کو یہ احکام جاری کئے جا سکتے ہیں کہ وہ مدعا علیہ کو ہرجانہ ادا کرے یہ رقم ایک لاکھ روپے تک ہوسکتی ہے۔

31-حکام کی قطعیت

سوائے اس کے جیسا کہ اس ایکٹ میں موجود ہے کوئی عدالت سوال نہیں اٹھائے گی، یا اسے سوال اٹھانے کی اجازت نہیں ہو گی، اس ضمن میں جو اقدام یا کاروائی اس ایکٹ کے تحت کی گئی ہو۔

32-وفاقی ایجنسی سے واجبات بطور مال گذاری

اس ایکٹ کی شرائط اور قواعد وضوابط کے تحت وفاقی ایجنسی کے ممکن الوصول واجبات کو مال گذاری کے طور پر وصول کیا جائے گا۔

33-دیگر قوانین کو منسوخ کرنے کا ایکٹ

اس ایکٹ کی دفعات کسی بھی دوسرے نافذالعمل قانون کے باوجود اثر انداز ہوں گی۔

34-ضابطے بنانے کا اختیار

وفاقی حکومت، سرکاری گزٹ میں نوٹیفیکیشن کے ذریعے اس ایکٹ کے مقاصد پر عمل کی خاطر، ضابطے وضع کر سکتی ہے۔

35-قواعد بنانے کا اختیار

1- وفاقی ایجنسی سرکاری گزٹ میں نوٹیفیکیشن کے ذریعے اسے وفاقی حکومت کی منظوری کے ساتھ اس ایکٹ کے مقاصد پر عمل کی خاطر ایسے قواعد وضع کر سکتی ہے جو اس ایکٹ کی شرائط کے علاوہ نہیں ہیں۔

2- خاص طور پر اور سابقہ اختیار کی عمومیت کے بارے میں کسی تعصب کے بغیر ایسے قواعد فراہم کرے گی۔

(a) ماحولیاتی امور کے بارے میں کسی سرکاری ایجنسی ، مقامی اتھارٹی، بلدیاتی کونسل یا کسی دوسرے شخص کا وفاقی ایجنسی کے پاس باقاعدہ وقفوں سے رپورٹ دینا اعدادو شمار یا معلومات جمع کرنا۔

(b) گرفتاری، داخلہ، معائنہ، تلاشی، ضبطی، ترقی، اور نمونوں کا تجزیہ، اقدامات، اور بیان ریکارڈ کرنا۔

(c) قدرتی آفات یا حادثوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والی آلودگی اور ماحولیاتی خطرات سے نمٹنے کے لیے ہنگامی اور اتفاقی تصرف کے منصوبوں کی تیاری۔

(d) افسروں، مشیروں، ماہرین، کنسلٹنٹس اور ملازمین کا تقرر۔

(e) نافذ کی جانے والی اسکیموں اور فراہم کردہ خدمات اور کاروائیوں کے لیے فیس نرخ اور معاوضہ مقرر کرنا۔

(f) اخراج اور نکاس کی نگرانی اور اقدامات کرنا۔

(g) منصوبوں کی درجہ بندی جن پر جس طریقے سے دفعہ 14 کا اطلاق ہوتا ہو۔

(h) ابتدائی ماحولیاتی معائنہ اور ماحولیاتی اثرات (EIA) جائزہ لینے کے لئے راہنمائی۔

(i) آئی ای ای اور ای آئی اے اور ان کے تبصرے کو فائل کرنے کا عمل۔

(j) فضلہ کے انتظام اور تلف کرنے کی مناسب راہنمائی۔

(k) ضرر رساں مادوں کے بندوبست کا عمل

(l) موٹر گاڑیوں میں ہوا اور شور کی آلودگی کو کنٹرول کرنے کے لیے آلات کی تنصیب۔

مشکلات رفع کرنا

اگر اس ایکٹ کے ضابطوں پر عملدرآمد میں کوئی دشواری درپیش ہو تو وفاقی حکومت سرکاری گزٹ میں نوٹیفیکیشن کے ذریعے اس مشکل کو رفع کرنے کے لیے جو بھی ضابطہ مناسب سمجھے وضع کر سکتی ہے۔

37- منسوخی، تحفظات، جانشینی

-1 اس کے ساتھ پاکستان آرڈی نینس برائے ماحولیاتی تحفظ 1983ء منسوخ کیا جاتا ہے۔

-2 باوجود یہ کہ پاکستان آرڈی نینس برائے ماحولیاتی تحفظ 1983ء منسوخ ہو گیا ہے، جو بھی قواعد ضوابط وضع کئے گئے، یا جو تقرریاں کی گئیں، جو احکامات جاری کئے گئے، جو اطلاعات دی گئیں، جو اختیارات تفویض کئے گئے جو معاہدے کئے گئے جن کاروائیوں کا آغاز ہوا، جو حقوق حاصل کئے گئے، جو ذمہ داریاں، جرمانے، قیمتیں، فیس، یا معاوضے عائد کئے گئے منسوخ شدہ آرڈی نینس کے کسی بھی ضابطے کے تحت جو کچھ بھی ہوا یا جو کاروائی بھی کی گئی اگر وہ سب کچھ اس ایکٹ کے ضابطوں سے عدم مطابقت نہیں رکھتا تو یہی سمجھا جائے گا جیسے کہ یہ بالترتیب اس ایکٹ کے تحت بنائے گئے، کئے گئے، جاری کئے گئے' تفویض کئے گئے، معاہدے ہوئے' آغاز ہوا' حاصل کئے گئے عائد کئے گئے۔

-3 اس ایکٹ کے تحت وفاقی ایجنسی کے قیام کے بعد منسوخ شدہ آرڈی نینس کے تحت قائم ہونے والی وفاقی ایجنسی کی املاک اثاثے اور ذمہ داریاں۔ اب اس ایکٹ کے تحت قائم ہونے والی وفاقی ایجنسی کی املاک اثاثے اور ذمہ داریاں ہوں گی۔

عوامی مشاورت

پاکستان ایکٹ برائے ماحوالیات تحفظ 1995ء کے بارے میں مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے ذمہ دار افراد کی رائے معلوم کرنے کے لئے سندھ ایجنسی برائے ماحولیات (EPA) نے ایک ورکشاپ کا اہتمام کیا۔ اس اجلاس میں بحث و مباحثے کے بعد مذکورہ ایکٹ کے ڈرافٹ میں مثبت تبدیلیاں لانے کے لئے کچھ سفارشات پیش کی گئیں۔ اس قسم کی ورکشاپس کا انعقاد ملک کے دیگر حصوں میں بھی کیا گیا۔ ورکشاپ میں شرکت کرنے والے مختلف گرہوں کی رائے ذیل میں درج ہے۔

صنعتی نمائندگان

-1 مسودہ بہت سخت اور تادیبی ہے۔

-2 صنعت کو ایک کامل اکائی کے طور پر دیکھا گیا ہے۔ سائز اور پیداوار وغیرہ کے اعتبار سے کسی قسم کی درجہ بندی نہیں کی گئی۔

-3 غیر رجسٹرڈ شدہ چھوٹے ٹھیلے والوں سے پھیلنے والی آلودگی کو نظر انداز کیا گیا ہے۔

4- آیا اس مسودے کی تیاری سے قبل دیگر ممالک کے ماحولیاتی قوانین کا مطالعہ کیا گیا تھا؟
5- موجودہ مشاورتی عمل قابل ستائش ہے۔ اگر این ای کیو ایس کی تیاری کے وقت بھی یہی طریقہ اختیار کیا جاتا تو شاید ان معیارات کے بارے میں تنقید اور تحفظات سے گریز ممکن ہوتا۔
6- آلودگی کو کم کرنے والے آلات کو درآمدی ڈیوٹی سے مستثنیٰ قرار دینے کی تجویز۔
7- مجموعی طور پر مسودے کو بے حد مثبت قرار دیا گیا وضع کردہ قانون کے ضمن میں عوامی آگہی پیدا کرنے کا مشورہ دیا گیا۔
8- کونسل، وفاقی ایجنسی اور صوبائی ایجنسیوں کے اختیارات میں دہراپن نظر آتا ہے۔
9- ان قوانین کے غلط استعمال کے بارے میں عوامی تشویش کا اظہار اور اس ضمن میں احتیاط برتنے کی تجویز۔

این جی اوز کے نمائندگان

1- مسودے میں اندرون ملک آبی وسائل پر توجہ نہیں دی گئی۔
2- این جی اوز خاص طور پر حوالہ دیا جائے اور ان کے کردار کا تعین واضع کیا جائے۔
3- ایک بنیادی فلسفہ ناپید ہے۔
4- یہ قوانین سرکاری ماحولیاتی ایجنسیوں کے لئے پولیس کے کردار کا تصور پیش کرتے ہیں جبکہ ایجنسیوں کو چاہیئے کہ وہ تعلیم، ہدایت اور عملی مظاہرے سے آلودگی کی روک تھام کے بارے میں سکھائیں۔
5- اس میں نئی اور پرانی صنعتوں کے درمیان کوئی امتیاز نہیں کیا گیا۔
6- آلودگی پھیلانے والے اصول کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔
7- قانون کا مقصد آلودگی کی روک تھام ہونا چاہیئے نہ کہ بھاری جرمانوں کی ادائیگی پر آلودگی پھیلانے کی اجازت دینا۔
8- یہ مسودہ قانونی کاروائی کی بنیاد پر تیار کیا گیا ہے۔
9- وقفے وقفے سے این ای کیو ایس پر نظر ثانی لازمی قرار دی جائے۔ اس کے لیے

ملک کے حالات کو مدنظر رکھا جائے۔

-10 کیا ہمیں نئے قانون کی ضرورت ہے کیا موجودہ آرڈی نینس (1983)ء میں ترمیم کر کے انہی مقاصد کو حاصل کرنا ممکن نہیں تھا۔

-11 یہ ایکٹ تمام مسائل کا احاطہ کرنے کے لیے کافی نہیں ہے مثلاً جنگلات کا کوئی حوالہ نہیں دیا گیا۔ بائیوٹیکنالوجی اور ماحولیاتی اقتصادیات جیسے ماحولیاتی انتظام کے لیے نئے تصورات بھی اس میں موجود نہیں ہیں، یا کونسل کے فرائض سے ہٹ کر ہیں، اور حیاتیاتی تنوع کا حوالہ نہیں ملتا۔

-12 ایجنسی کے فنڈ (وفاقی اور صوبائی) کے باب کے علاوہ کہیں اور این جی اوز کا حوالہ نہیں ملتا۔

-13 یہ واضح نہیں ہوتا کہ اس ایکٹ کا ملک کی بین الاقوامی ذمہ داریوں سے کیا تعلق ہے۔

-14 عوامی عملداری کے زیر التوا مقدمات بھی ان تاریخوں میں چلائے جائیں تاکہ وہ اس قانون سے مستفیض ہو سکیں۔

متعلقہ شہریوں کی تجاویز

(1) ماحولیاتی تحفظ کی ایجنسیوں(EPAS) کو بہت زیادہ اختیارات دے دئے گئے ہیں۔ ان کے غلط استعمال کا خدشہ ہے۔

(2) سرکاری افسروں کی بدعنوانی کی روک تھام کے لئے ترغیبات بھی ضروری ہیں۔

(3) ایسے قواعد وضوابط لازمی ہیں جو تکنیکی اور معاشی مطالعوں کی بنیاد پر تشکیل دیئے جائیں۔

میڈیا کے نمائندے

(1) گرین ٹیکنالوجی کے لئے ترغیبات کو شامل کیا جائے۔

(2) پیٹرول سے سیسے کے استعمال کو ختم کرنے کے لئے مقررہ وقت کو واضح کیا جائے۔

(3) کثیر القومی کمپنیوں کو اجازت نامے (این او سی) اس وقت تک نہ جاری کئے جائیں جب تک پاکستان میں استعمال کے لئے مجوزہ ٹیکنالوجی وہی نہ ہو جو وہ اپنے ملک میں استعمال کرتی ہیں۔

تجاویز

باب اول

دفعہ 2 تعریفات

(a) ضرر رساں مادوں میں کیڑے مار دوائیں بھی شامل کی جائیں۔

(b) فضلہ کی تعریف میں شور اور زہریلے مادے بھی شامل کئے جائیں۔

(c) مزید وضاحتیں شامل کی جائیں۔ شہری / آئی یو سی این پی کی اردو میں تیار کردہ ماحولیاتی اصطلاحات کی لغت کا حوالہ دیا جائے۔

باب دوم
پاکستان کونسل برائے ماحولیاتی تحفظ

دفعہ (11) اگر وزیر اعظم کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اپنی جانب سے کسی بھی شخص کو بطور چیئرپرسن نافذ کر سکتے / سکتی ہیں تو یہی اختیار صوبوں کے وزرائے اعلیٰ کو بھی دیا جائے۔

(b) کونسل میں صنعت کی (نہ کہ تجارتی اداروں کی) خصوصی نمائندگی کو یقینی بنایا جائے اور صنعتی نمائندوں کی نامزدگی کے طریقے کی وضاحت کی جائے۔

(d) ایف پی سی سی آئی کے صدر، ماحولیاتی تحفظ ایجنسیوں کے ڈائریکٹر جنرلز اور پی سی ایس آئی آر کے ڈائریکٹر جنرل کو کونسل کو ارکان میں شامل کیا جائے۔

ذیلی دفعہ 1-V الف۔ 30 ارکان میں سے تین ایف پی سی سی آئی اور دیگر

صنعتی/تجارتی اداروں کے تین منتخب نمائندے ہونے چاہئیں اور بقیہ تکنیکی ماہرین ہوں (سرکاری اور غیر سرکاری) ذیلی ذفعہ 5(اے) کسی بھی ایجنسی کو اختیارات تفویض کرنے کی اجازت نہ دی جائے کیوں کہ اس سے ہراس پیدا ہوسکتا ہے۔

دفعہ 4 کونسل کے فرائض

ذیلی دفعہ 1(بی) چونکہ این سی ایس پہلے سے منظور شدہ ہے اس لئے وقتاً فوقتاً وفاقی حکومت کی منظوری کے الفاظ نکال دیئے جائیں۔

ذیلی دفعہ (1)(سی) اے منظور کرنے کے الفاظ کو بہتر بنانے یا نظر ثانی کے الفاظ سے بدل دیا جائے۔ کیونکہ این ای کیو ایس کو پہلے ہی منظور کیا جا چکا ہے۔

باب 4

پاکستان ایجنسی برائے ماحولیاتی تحفظ

وفاقی ایجنسی کا قیام

ذیلی دفعہ 2-وفاقی اور صوبائی ایجنسیوں کے عملے کا تقرر کونسل کی جانب سے کیا جائے۔

ذیلی دفعہ 5-یہاں تحقیق کا حوالہ دیا گیا ہے لیکن اسے بجا طور پر اہمیت نہیں دی گئی۔ صنعت کا بھی خاص طور پر حوالہ دیا جانا چاہئے۔ (کاروباری برادری) کی اصطلاح کے بارے میں اظہار عدم اطمینان

دفعہ 6-وفاقی ایجنسی کے فرائض

ذیلی دفعہ 1-(ای) کونسل کی منظوری حاصل کرنے سے پہلے این ای کیو ایس کا مسودہ تبصرے کے لئے صنعتی نمائندوں کے درمیان تقسیم کیا جائے۔

ذیلی دفعہ 1-(آئی) ماحولیاتی تحفظ کے ایجنسیوں(ERAS) کو نگرانی تشخیص اور سروے وغیرہ کے لئے ضروری سہولتیں فراہم کی جائیں۔

(پی) نگرانی اور تجزیئے کی طریقوں کی وضاحت کی جائے۔

ذیلی دفعہ 2-(اے) وفاقی ایجنسی کو وسیع اختیارات دیئے گئے ہیں ان میں سے بعض صوبائی ایجنسیوں کو تفویض کئے جانے چاہیے۔

دفعہ 7 وفاقی ایجنسیوں کے اختیارات

وفاقی ایجنسی کے اختیارات کو غیر محدود قرار دیا گیا ہے او تجویز پیش کی گئی ہے کہ صوبائی ایجنسیوں کو اختیارات کی تفویض کے بارے میں پایا جانے والا ابہام دور کیا جائے

اوراختیارات تفویض کو لازمی قرار دیا جائے۔

(جی) ماحولیاتی تحفظ کی ایجنسیوں (وفاقی اورصوبائی) کو سرکاری اہلکاروں سے اپنے احکامات منوانے کا اختیار دیا جائے اور خلاف ورزی کرنے والی سوک ایجنسیوں کے خلاف کاروائی کرنے کے اختیارات بھی دیئے جائیں۔

ذیلی دفعہ (اے) بیشتر شرکاء نے بغیر وارنٹ گرفتاری داخلے، معائنے اور تلاشی پر اعتراض کیا کہ اس میں غلط استعمال کا امکان ہے۔ اس تشویش کا اظہار بھی کیا گیا کہ ان اختیارات سے بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہوتی ہے یہ تجویز پیش کی گئی یا ایجنسی کو وارنٹ حاصل کرنے پر مجبور کیا جائے یا کم از کم ایک شوکاز نوٹس جاری کیا جائے۔

ذیلی دفعہ(اے)'(iv) نمونے حاصل کرنے کی وضاحت کی جائے۔

ذیلی دفعہ (بی) اگر ٹیکنالوجی مہیا کر دی جائے تب بھی حکم یک تعمیل کی توقع کرنا کیا ممکن ہوگا؟

(بی) یہ اختیار صوبائی ایجنسی کوتفویض کیا جانا چاہیئے۔

ذیلی دفعہ (ق) کمیٹی میں صنعت اور تحقیقی اداروں کے نمائندوں کو شامل کیا جائے:

باب4

صوبائی ایجنسیاں برائے ماحولیاتی تحفظ

مشاورتی اداروں کے طور پر ماحولیاتی تحفظ کی صوبائی کونسلوں کے قیام کی تجویز۔

دفعہ 10-ماحولیاتی تحفظ کی صوبائی ایجنسیوں کا قیام

ذیلی ذفعہ 1-چونکہ صوبائی ایجنسیوں کو سرکاری ایجنسی کہا گیا ہے۔ اس لئے'' یہ جملہ ایک ایجنسی قائم کی جائے جو — کہلائے گی'' تبدیلی کیا جانا چاہیئے۔

ذیلی دفعہ 3-صوبائی ایجنسیوں کے اختیارات کی خاطر خواہ طور پر نشاندہی نہیں کی گئی۔

ذیلی دفعہ 4-مالیاتی انتظام سنبھالنے والے عملے کو بھی شامل کیا جائے۔

ذیلی دفعہ 5-صنعتوں کا خصوصی طور پر حوالہ دیا جائے (کاروباری برادری کی اصطلاح کے بارے میں عدم اطمینان کا اظہار)

باب 5

امتناعی اور انضباطی قواعد

دفعہ 13 خاص اقسام کے اخراج کی ممانعت

موجودہ این ای کیو ایس دیگر ممالک کے معیارات کے مقابلے میں کہیں زیادہ سخت ہیں۔ یہ واضح نہیں ہوتا کہ انہیں کب تشکیل دیا گیا تھا' مزید یہ کہ تعمیل کے لئے موجودہ صنعت کو جو رعایتی عرصہ دیا گیا ہے وہ غیر حقیقت پسندانہ اور مختصر ہے۔

این ای کیو ایس علاقے کے لحاظ سے مقرر کئے جائیں۔ شور کے معاملے میں دن اور رات کے لئے الگ الگ معیارات مقرر کئے جائیں۔

این ای کیو ایس مقرر کرتے وقت گنداب /اخراج کو وصول ماحول کو بھی مدنظر رکھا جائے۔

یہ وضاحت لازمی ہے کہ این ای کیو ایس چمنی یا پائپ سے نکلنے والے گنداب/ اخراج کا حوالہ دیتے ہیں پلانٹ کے اندر کے اخراج کا نہیں۔

پیمائش / نگرانی کا کوئی طریقہ نہیں کیا گیا۔

دفعہ 14 ابتدائی ماحولیاتی معائنہ اور ماحولیات اثرات کی تشخیص

ای آئی ایس جمع کرانے کی شرط کو برقرار رکھا جائے یہ واضح نہیں ہو سکا کہ مسودے میں تجویز کردہ ''مرحلوں(EIA-IEE) پر'' مشتمل طریقہ کار کی تجویز پیش کی گئی یا اس میں ''اضافے'' کے طور پر۔

آئی ای ای اور ای آئی اے کے علاوہ ماحولیاتی خطرے تشخیص (ای آر اے) کو بھی شامل کیا جائے۔

عوامی مشاورت کو (ای آئی اے) کے عمل کا لازمی حصہ قرار دیا جائے۔

ای آئی اے کی رپورٹوں کی تشہیر کی جائے اس بارے میں لوگوں اور علاقوں کا

ردعمل معلوم کیا جائے اور اس کے لئے مدت معین کی جائے۔

آئی ای ای اور ای آئی اے کو جمع کرانا اور ان کا جائزہ لینا ماحولیاتی تحفظ کی صوبائی ایجنسیوں کے دائرہ کار میں شامل ہونا چاہئے۔

ای آئی اے کی رپورٹوں تک عوام کی رسائی یقینی بنائی جائے۔

ایجنسی کی جانب سے جائزہ لینے کے دوران پراجیکٹ تجویز کرنے والے (معائنہ کرنے والی ایجنسی) کی جانب سے مکمل یا جزوی تحفظات کے اظہار کی صورت میں ردعمل کے لئے ایک مخصوص عرصہ مقرر کیا جائے۔

ای آئی اے یا آئی ای ای کے بارے میں جائزہ کمیٹی کے کسی بھی قسم کے تحفظات کی عوام کے سامنے وضاحت کی جائے پراجیکٹ کے تجویز کنندہ کو ان تحفظات کے خلاف اپیل کرنے کا حق ملنا چاہئے۔

ای آئی اے کے اہتمام کے واضح رہنما خطوط ضروری نہیں۔

اگر آج کل ای آئی ایس کی اصطلاع استعمال کی جا رہی ہے تو پھر ای آئی اے یا آئی ای ای استعمال کرنے کی کیا ضرورت ہے یہ تبدیلی الجھاؤ کا باعث بن سکتی ہے عوام کے ''جاننے کا حق'' کو یقینی بنایا جائے۔(بحوالہ ای آئی اے اور آئی ای ای)

دفعہ 15 فضلے کا بندوبست

کچرے کو ٹھکانے لگانے کے لیے مناسب جگہیں مقرر کی جائیں اور عوام کو ان جگہوں کے بارے میں معلومات فراہم کی جائیں۔

دفعہ 16 ضرر رساں فضلے کی درآمد پر ممانعت

الف ۔کثیر القومی کمپنیوں کو ایسے کیمیاوی مادے اور کیڑے مار ادویات درآمد کرنے کی ممانعت ہونی چاہئے جن کے استعمال کی ان کے اپنے ملکوں میں اجازت نہیں ہے۔

دفعہ 18 موٹر گاڑیوں کا ضابطہ

(1) یہ دفعہ موجودہ موٹر وہیکلز ایکٹ کی نفی کرتا ہے ذیلی دفعہ (2) اختیارات وفاقی ایجنسی سے صوبائی ایجنسیوں کو منتقل کئے جائیں۔

باب 4 تعزیرات

دفعہ 20 تعزیرات

تعزیرات بہت سخت ہیں (چند شرکاء کا عمومی تبصرہ) تعزیرات اور جرمانوں میں تبدیلی کی جائے۔ گنداب /اخراج کے حجم /مقدار کے حوالے سے ترقی پسندانہ تعزیرات تجویز کی جائیں۔

''تعزیرات کی مقررہ شرح'' پر تنقید کی گئی اور تجویز کیا گیا کہ جرمانے مقرر کرتے وقت پیداوار استعداد اور نوعیت کی بنیاد پر صنعت کی درجہ بندی کو ذہن میں رکھا جائے۔

سزاؤں کو مانع جرم سمجھنا چاہیے۔ مجوزہ سزائیں /جرمانے سخت ہیں۔

جرمانے کی رقم اطلاع دینے والے شخص، پولیس کی چھاپہ مار پارٹی (جو اس صورت میں غالباً ''ای پی اے ہوگی) اور محکمہ خزانہ کے درمیان تقسیم ہونی چاہیے۔

با اختیار مجسٹریٹ کو یہ اختیار کون دے گا؟ حکومت یا کونسل یا کوئی اور ادارہ۔

سزائیں بہت سنگین ہیں، ترغیبات کے بارے میں کیا خیال ہے۔

جرمانے ''آلودگی پھیلانے والا اصول کی قیمت چکاتا ہے'' کی بنیاد پر عائد کئے جائیں۔

ذیلی دفعہ 2-الف تعزیرات بہت سخت ہیں۔

ذیلی دفعہ 6-یوں محسوس ہوتا ہے کہ سارے مقدمات دیوانی طریقے سے نمٹائے جائیں گے کچھ مقدمات کو فوجداری طریقے سے نمٹایا جانا چاہیے۔

یہ اختیار صوبائی ایجنسیوں کو تفویض کئے جائیں۔

ذیلی دفعہ 7-الف اگر ایک شخص مسلسل جرم کا ارتکاب کرتا رہے تو کیا اسے ایسا کرنے دیا جائے گا؟

دفعہ 21 کمپنیوں کے جرائم

حصص کنندگان کو بھی مجرم تصور کیا جائے اس سے احتساب میں اضافہ ہوگا۔

دفعہ 22- سرکاری ایجنسیوں کے جرائم

مقامی حکام یا بلدیاتی کونسلیں – ان کی وضاحت کی جائے۔

باب 6

ماحولیاتی عدالتیں اور مجاز مجسٹریٹ

دفعہ 23- ماحویاتی عدالتیں

(1) مخصوص قانونی عدالتوں کا تصور غیر ضروری ہے، موجودہ عدالتی مشینری کو استعمال کیا جانا چاہئے۔

(2) عدالتیں مقرر کرنے کا اختیار انتظامیہ کو نہیں دینا چاہئے۔ عدلیہ کی خود مختاری کو یقینی بنایا جائے۔

دفعہ 25 ماحولیاتی عدالت میں اپیل

ذیلی دفعہ (1) متاثرہ شخص کی تعریف میں کمیونٹی کو بھی شامل کیا جائے۔

دفعہ 26: ماحولیاتی عدالت کے احکامات کے بارے میں اپیل

دفعہ (2) تصفیے کا وقت مقرر کیا جائے۔

بین الاقوامی ماحولیاتی معاہدے اور پاکستان پر ان کا اطلاق

تاریخی پس منظر

تاریخی طور پر بین الاقوامی معاہدوں کا آغاز نسبتاً حالیہ وقتوں میں ہوا ہے دوسری جنگ عظیم سے پہلے محض چند معاہدے موجود تھے جن کا تعلق بنیادی طور پر ہجرت کرنے والے پرندوں اور جانروں کی حفاظت، سمندری مچھلیوں اور ممالیہ کی حفاظت، سرحد پار کے دریائی اور سرحدی آبی وسائل کے انتظام سے تھا۔

1972ء تک صنعتی اور ترقی پذیر ممالک ماحولیاتی مسائل کو مختلف نقطہ نظر سے دیکھتے تھے۔ صنعتی ممالک (شمالی) بنیادی طور پر صنعت گری کو باقاعدہ کرنے، آلودگی کی روک تھام، پودوں اور جانوروں کی خصوصی اقسام اور ان کے مسکن کے تحفظ کے بارے میں فکر مند تھے۔ دوسری طرف ترقی پذیز ممالک (جنوب) اپنے عوام کے پسند، معیار زندگی اور فلاس اور پسماندگی کی وجہ سے وسائل کے استعمال میں کم علمی اور نا اہلی کی بنا پر پیدا ہونے والے ماحولیاتی مسائل پر کم توجہ دیتے تھے۔

انسانی ماحول کے اسٹاک ہوم اعلامیہ اور اصولوں کے اعلامیہ (جو پاکستان سمیت 103 ممالک نے منظور کیا) نے دنیا بھر میں ماموول کے بارے میں بے پناہ دلچسپی پیدا کی اور اقوام کے درمیان نیا ماحولیاتی شعور پیدا ہوا۔

مسائل

ماحولیاتی مسائل اور بین الاقوامی ردعمل

اسٹاک ہوم کانفرنس کے بعد بائیس برسوں میں ماحول کے متعلق بہت بین الاقوامی قومی اور غیر سرکاری ادارے سامنے آئے۔ جنہوں نے عالمی برادری کی توجہ ماحولیاتی موضوعات اور مسائل کی جانب مبذول کرائی، ان عالمی مسائل میں آب وہوا کی تبدیلی، اوزون کی تہہ میں شگاف، تیزابی بارش، سمندروں اور بحیروں کی آلودگی اور قحط سالی کی بنا پر زمینی وسائل کا تنزل، جنگلات کا خاتمہ اور صحرا گری شامل ہے۔

بین الاقوامی قانون میں رونما ہونے والی تبدیلیاں

نرم قانون

ماحولیاتی مسائل سے نمٹنے کے لیے بین الاقوامی قوانین میں بہت سی تبدیلیاں سامنے آئی ہیں نہ صرف یہ کہ معاہدہ، کنونشن اور پروٹوکول پر مشتمل بہت سے بین الاقوامی ماحولیاتی معاہدے ہوئے ہیں جن کی پابندی قانونی طور پر فریقین کے لئے لازمی ہے۔ بلکہ ان سے بھی کہیں زیادہ تیزی سے نرم قانون کا ارتقاء ہوا ہے۔ جو ان اعلامیوں، رہنما خطوط اور اصولوں پر مبنی ہے، جس کی پابندی لازمی نہیں ہے، لیکن اپنی ماہیت میں حوصلہ افزاء ہیں۔ یہ اقوام کے درمیان یکساں معیارات اور طریقوں کو فروغ دیتے ہیں جو خاص مسئلہ پر سیاسی سوچ اور رائے عامہ تبدیلی لاتے ہیں اور ایسی فضا پیدا کرتے ہیں جس میں سخت قانونی طریقہ اپنایا جاسکتا ہے، اس کی مثالیں 1972ء کا اسٹاک ہوم کا اعلامیہ اور ضرر رساں فضلات کے ماحولیاتی طور پر معقول انتظام سے متعلق قاہر رہنما خطوط 1987 ہیں۔ بعض صورتوں میں مختلف بین الاقوامی تکنیکی اداروں کی جانب سے اپنائے جانے والے معیارات اور رہنما خطوط قانونی طور پر لازمی نہ ہونے کے باوجود اپنے معنوی وزن کی وجہ سے قانونی طور پر لازمی آلہ کار کا کردار اختیار کر لیتے ہیں۔ جس کی مثالیں ایف اے او/ڈبلیو، ایچ، او

کے مشترکہ ضابطہ اخلاق کے تحت غذائی کوالٹی کے معیارات اور پینے کے پانی کی کوالٹی اور ہوا کی کوالٹی کے معیارات ہیں۔

لائحہ عمل

نرم قانون کے علاوہ دیگر پروگرام، جیسے لائحہ عمل جو اعلی سطح کے بین الحکومتی اجلاسوں میں اپنائے جاتے ہیں مستقبل کی قانون سازی کے لئے حوالوں کا کام دیتے ہیں۔

روایتی قانون

ماحول کے بارے میں روایتی بین الاقوامی قانون میں بھی نمایاں پیش رفت ہوئی ہے۔ بین الاقوامی دستور کے لئے سب سے اہم اقوام کی جانب سے اس بات کو تسلیم کیا جانا ہے کہ ایک مخصوص طریقہ عمل لازمی ہے۔ ماحولیاتی شعور پر ڈرامائی اضافے کے ساتھ اقوام کا رویہ اور طریقہ نئے قواعد کے مطابق ڈھل چکا ہے، اور ماحول میں روایتی بین الاقوامی قانون کے دو نئے ضابطے ترتیب پائے ہیں۔ پہلا تو یہ کہ مملکت پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ماحول کو آلودہ نہ کرے اور یہ بھی مملکت کی ذمہ داری کہ وہ ماحول کے تحفظ میں تعاون کرے۔

سخت قانون

بین الاقوامی ماحولیاتی قانون کا آخری اور سب سے اہم جزو سخت قانون ہے جو قانونی طور پر لازمی دستاویزات (معاہدے، کنونشن، پروٹوکول) اور ایسے معاہدوں پر مشتمل ہے جن میں رکن ملکوں نے دستخط کئے ہیں اور ان کی توثیق کی ہے۔ عام طور پر ان معاہدوں میں اس بات کی وضاحت موجود ہوتی ہے کہ آیا محض دستخط کرنے سے ہی وہ ملک اس معاہدے کا قانونی طور پر پابند ہے یا رسمی طور پر اس کی تصدیق کرنا بھی ضروری ہے اگرچہ یہ بات مذاکراتی حکومتوں کی نیت سے بھی ثابت ہو جاتی ہے۔ دستخط اور توثیق کے درمیانی مرحلے میں دستخط کنندہ حکومت کو معاہدے کی دفعات پڑھنے اور بین الاقوامی ذمہ داریوں کو قبول کرنے سے قبل ضروری آئینی یا قانونی کاروائی کی تکمیل کا موقع مل جاتا ہے۔ بہر حال ایک دستخط کنندہ حکومت پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ تمام ان اقدامات سے گریز کرے جو اس معاہدے کے مقاصد کے مطابقت نہ رکھتے ہوں۔

معاہدے پر دستخط ، توثیق اور رضامندی کے بعد مملکتوں پر اس کی پابندی کرنا لازمی ہے۔ لیکن متعلقہ ضوابط اسی وقت نافذ کئے جا سکتے ہیں، جب اس کے مطابق قومی قانون وضع کیا جائے اور پارلیمنٹ اس کی منظوری دے دے۔ ماحول کے شعبے میں یو این ای کے مئی 1991ء میں جاری کردہ رجسٹر میں بین الاقوامی معاہدوں اور دیگر معاہدوں میں ایسے 152 قانونی اقرار ناموں کا اندراج ہے، جن میں سے 19 میں پاکستان شامل ہے۔ علاوہ ازیں تحقیق کے دوران مزید ایسے چار معاہدوں کا پتہ چلایا گیا ہے جن میں پاکستان شامل ہے اور ان میں ماحولیات سے متعلق بہت سے شقیں موجود ہیں۔ ان 23 معاہدوں میں 4 بے حد اہم کنونشن بھی شامل ہیں جن پر دستخط کئے جا چکے ہیں اور جو توثیق کے مرحلے میں ہیں۔

بین الاقوامی ماحولیاتی معاہدے

جن میں پاکستان شامل ہے یا ہونے والا ہے۔

(اے) فطرت کا تحفظ اور ارضی جاندار وسائل

روم 1951ء پودوں کے تحفظ کا بین الاقوامی کنونشن

پودوں کی بیماریوں اور کیڑوں کی روک تھام کے لیے بین الاقوامی تعاون میں اضافہ اور بین الاقوامی سرحد پار کی ان بیماریوں اور کیڑوں کو پھیلنے سے روکنا۔

روم 1956ء جنوب مشرقی ایشیاء اور بحرالکاہل کے علاقوں کے لیے پودوں کے تحفظ کا معاہدہ

خطے میں پودوں کی تباہ کن بیماریوں اور کیڑوں کی آمد اور پھیلاؤ کا سد باب۔

جنوب مغربی ایشیاء کے مشرقی خطے میں صحرائی ٹڈی کی روک تھام کے لیے ایک کمیشن کے قیام کا معاہدہ:

''ایف اے او'' کے دائرہ کار کے اندر رہتے ہوئے ایک کمیشن کے قیام کے ذریعے قومی اور بین الاقوامی تحقیق کو فروغ دینا اور اس خطے میں صحرائی ٹڈی کی روک تھام کے لئے کاروائی کرنا۔

رامسر 1971ء بین الاقوامی اہمیت کی آب گاہوں خاص طور پر آبی پرندوں کے

مسکن آب گاہوں کا کنونشن:

حال اور مستقبل کے آب گاہ کے زیاں اور ان میں تجاوزات کو روکنا۔ آب گاہوں کی اقتصادی، ثقافتی، سائنسی اور تفریحی اہمیت کو تسلیم کرنا، اور ان کی بابت بنیادی ماحولیاتی فرائض کو تسلیم کرنا۔آب گاہوں کے قدرتی ذخیروں کا قیام اور نقل مکانی کرنے والے جنگلی پرندوں کے تحفظ، انتظام اور دانش مندانہ استعمال کے لئے اقدامات کرنا۔

پیرس1982 میں بین الاقوامی اہمیت کی آب گاہوں خصوصاً آبی پرندوں کی مسکن آب گاہوں کے کنونشن میں ترمیم کا پروٹوکول

کنونشن میں ترمیم کا طریقہ کار طے کر کے اسے مزید موثر بنانا۔

پیرس 1972ء عالمی ثقافتی ورثے اور ورثے کے تحفظ کے بارے میں کنونشن (عالمی ورثہ کنونشن)

آفاقی اہمیت کے نمایاں ثقافتی اور فطری ورثے کے اجتماعی تحفظ کے لئے مستقل بنیادوں اور سائنسی طریقوں کے مطابق ایک موثر نظام قائم کرنا۔

بون1979ء جنگلی جانوروں کی نقل مکانی کرنے والی اقسام کے تحفظ کا کنونشن

جنگلی جانوروں کی ان اقسام کا تحفظ کرنا جو قومی سرحدوں کے باہر نقل مکانی کرتی ہیں اور تکنیکی مشورے کے لئے سائنسی کونسل اور سیکرٹریٹ کا قیام۔

9-ریوڈی جنیرو1992ء حیاتیاتی تنوع کے بارے میں کنونشن(توثیق کا عمل شروع ہو چکا ہے)

حیاتیاتی تنوع کا تحفظ، حیاتیاتی وسائل کا مستقل استعمال اور وسائل کے استعمال سے حاصل ہونے والے فوائد کی منصفانہ تقسیم۔

فضا اور خلا

لندن، ماسکو، واشنگٹن1967ء چاند اور دیگر خلائی سیاروں سمیت خلا کے استعمال اور دریافت کے لئے مملکتوں کی سرگرمیوں کے نگراں اصولوں کا معاہدہ

خلا کی دریافت اور استعمال کے لیے بین الاقوامی قانونی حکومت قائم کرنا اور چاند

اور دیگر سیاروں کو صرف پر امن مقاصد کے لیے استعمال کرنا۔ خلا کی آلودگی سے یا غیر اراضی مادے کی بنا پر زمین پر رونما ہونے والی نا ساز گار ماحولیاتی تبدیلیوں سے بچاؤ کے لئے اقدام کرنا۔

مونٹریال 1981ء بین الاقوامی ہوا بازی کے 1944ء کے شکاگو کنونشن برائے ماحولیاتی تحفظ میں ضمیمہ 16 کو ملانا:

طیاروں کے انجن کے شور اور آلودگی پھیلانے والے گیس دار عناصر کو سند عطا کرنے کے یکساں طریقوں کے ذریعے اخراج کی مطلوبہ حدوں کا معیار قائم کرنا۔ (ائیر پورٹس کی حدود میں انجن کے اخراج میں تخفیف کے ذریعے ہونے والے اہم ماحولیاتی فائدوں کو مدنظر رکھنا)

ویانا 1985ء اوزون کی تہہ کی حفاظت کا کنونشن

اوزون کی تہہ کی تبدیلیوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والے نا ساز گار اثرات سے انسانی صحت اور ماحول کو محفوظ کرنا۔

مونٹریال 1987ء اوزون کی تہہ کی ضخامت گھٹانے والے مادوں کے بارے میں پروٹوکول

اوزون کی تہہ کی ضخامت گھٹانے والے مادوں کے عالمی اخراج کو کنٹرول کرنے کے لیے احتیاطی تدابیر کر کے اوزون کی تہہ کی حفاظت کرنا۔

لندن 1990ء کوپن ہیگن 1993ء اوزون کی تہہ کی ضخامت گھٹانے والے مادوں کے پروٹوکول میں ترامیم:

(کوپن ہیگن کی توثیق کے عمل کا آغاز ہو گیا ہے) مونٹریال پروٹوکول کے تحت کنٹرول کے طریقوں کو مستحکم کرنا، نئے مادوں کو اس زمرے میں شامل کرنا، اور پروٹوکول کے لیے ماحولیاتی میکانزم تیار کرنا۔

ریوڈی جنیرو 1992ء آب وہوا کی تبدیلی کے بارے میں اقوام متحدہ کے دائرہ کار کنونشن

فضاء میں سبز خانہ گیس کے ارتکاز کے استحکام کا حصول جو آب وہوا کے نظام میں بشری تکوین کی خطرناک دخل اندازی کو روک سکے۔

سمندری ماحول

مونٹیگو بے1982ء سمندر کے قانون کے بارے میں کنونشن:

بحری ماحول کے مطالعے، تحفظ اور نگرانی کے ساتھ سمندروں اور بحیروں کے لئے ایک جامع نئی قانونی اتھارٹی قائم کرنا۔

باگیو1948ء بحر ہندو بحرالکاہل ماہی پروری کمیشن کے قیام کا معاہدہ:

ماہی گیری اور ثقافتی کارروائیوں کی ترقی اور انتظام، پراسینگ اور مارکیٹنگ سے متعلقہ سرگرمیوں کی ترقی کے ذریعے جاندار آبی وسائل کے بھرپور اور مناسب استعمال کے فروغ کے لئے ایک کمیشن (IPFC) قائم کرنا۔

بنکاک1988ء ایشیا بحرالکاہل کے خطے میں آبی ثقافتی مراکز کے نیٹ ورک کے بارے میں معاہدہ:

تحقیق، تربیت اور معلومات کے تبادلے، خصوصاً آبی، کاشتکاری کے منتخب نظاموں کے بارے میں تحقیق کے مقاصد اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے لیے وسیع نیٹ ورک مستحکم کرنے کی خاطر بین الحکومتی تنظیم (NACA) کے قیام کے ذریعے آبی ثقافتی ترقی کی توسیع کے لئے رکن ممالک کی کوششوں میں معاونت کرنا۔

ہتھیار

لندن، ماسکو، واشنگٹن1972ء حیاتیاتی اور زہریلے ہتھیاروں کے فروغ، پیداوار اور ذخیرہ اندوزی کی ممانعت اور ان کے خاتمہ کا کنونشن:

حیاتیاتی ہتھیاروں کے فروغ کی ممانعت اور ان کا خاتمہ، بنی نوع انسان کی خاطر عمومی ترک اسلحہ کی جانب ایک قدم کے طور پر ہے۔

جنیوا1977ء ماحولیاتی تبدیلی کی تکنیکوں (ENMOD) کے فوجی یا کسی دوسرے معاندانہ استعمال کی ممانعت کا کنونشن:

اقوام سے باہمی اعتماد اور عالمی امن کے استحکام کے لئے اینموڈ تکنیکوں کی فوجی یا

دیگر معاندانہ استعمال کی ممانعت (بشمول فطری عمل کے ارادی جوڑ توڑ کے) اور اس طرح کے استعمال سے نوع انسانی کو لاحق خطرات کا خاتمہ۔

جنیوا 1980ء انتہائی ضرر رساں یا غیر امتیازی اثرات رکھنے والے روایتی ہتھیاروں کے استعمال پر پابندی کا کنونشن:

بین الاقوامی قانون کے قواعد کی تدوین اور ترقی جن کا اطلاق مسلح تنازعے پر ہوتا ہے بشمول ان جنگی طریقوں کے استعمال کی ممانعت جو ماحولیات کو طویل المعیاد اور شدید نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ مثلاً بارودی سرنگیں اور آتش گیر ہتھیار۔

نوکلیائی سلامتی

ماسکو 1963ء فضا اور بیرونی خلا میں اور زیر آب نیوکلیائی ہتھیاروں کی آزمائش کی ممانعت کا معاہدہ:

سخت بین الاقوامی کنٹرول کے تحت عمومی اور مکمل ترک اسلحہ کے بارے میں اتفاق رائے کا حصول، اسلحہ کی دوڑ کا خاتمہ کرنا، اور ہر طرح کے ہتھیاروں کی آزمائش اور پیداوار کے محرکات کا خاتمہ کرنا، بشمول ایٹمی دھماکوں کی ممانعت بھی شامل ہے۔ جس دھماکے کی صورت میں تابکار مادہ اس ملک کی سرحدوں سے باہر بھی پھیل سکتا ہو۔

ویانا 1986ء ایٹمی مادے کی فوری اطلاع کا کنونشن:

جس قدر ممکن ہو ایٹمی حادثوں کے بارے میں فوری اطلاع کرنا تاکہ سرحد کے پار ریڈیائی اثرات کو کم سے کم کیا جا سکے۔

ویانا 1986ء ایٹمی حادثے یا ریڈیائی ہنگامی صورت میں مدد کنونشن:

ایٹمی حادثے یا ریڈیائی ایمرجنسی کی صورت میں فوری امداد کی فراہمی کو آسان بنانا۔

ضرر رساں مادے

باسیل 1989ء ضرر رساں فضلے کی سرحد پار نقل وحرکت کو کنٹرول کرنے اور اسے ٹھکانے لگانے کا کنونشن:

(توثیق کا عمل شروع ہو چکا ہے) فریق حکومتوں پر ذمہ داری عائد کرنا کہ وہ سرحد

پار فضلات کی نقل وحرکت کو کم سے کم کریں، اور ماحولیاتی طور پر ان کا مناسب اور موثر بندوبست کریں۔ضرر رساں فضلات کی مقدار اور ان کے زہریلے پن کو کم سے کم کریں، اور ماحولیاتی طور پر اس کے مستحکم بندوبست کو یقینی بنائیں۔ ضرر رساں اور دیگر فضلات کے ماحولیاتی فضلات کے ماحولیاتی لحاظ سے مستحکم بندوبست پر ترقی پذیر ممالک کی مدد کرنا۔

وہ اہم ماحولیاتی معاہدے جن میں پاکستان ابھی تک شامل نہیں ہوا

واشنگٹن1959ء انٹارکٹیکا معاہدہ-انٹارکٹیکا کے بحری جاندار رسائل کے تحفظ کا کنونشن

اس معاہدہ کا مقصد اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ انٹارکٹیکا (بحر منجمد جنوبی) کو پر امن مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے گا۔ بحر منجمد شمالی کے نواحی سمندروں کی ماحولیاتی سلامیت اور جاندار وسائل کا تحفظ کیا جائے گا۔

بحری آلودگی

لندن1972ء-فضلات اور دیگر مادے پھینکنے کی وجہ سے پھیلنے والی بحری آلودگی کی روک تھام کا کنونشن:

لندن ڈمپنگ کنونشن کا بنیادی مقصد فضلات اور دیگر مادوں کو پھینکنے کی وجہ سے سمندروں کی آلودگی کی روک تھام کرنا ہے۔ کیونکہ یہ انسانی صحت، جاندار وسائل اور بحری زندگی کے لیے نقصان دہ ہو چکے ہیں۔

لندن1973ء-جہازوں کی آلودگی کا بین الاقوامی کنونشن:

لندن1978ء-جہازوں کی آلودگی اور روک تھام کے لئے بین الاقوامی کنونشن سے متعلق پروٹوکول:

کنونشن اور پروٹوکول دونوں کو مارپول 73/78 کہا جاتا ہے ان کا مقصد تیل اور دیگر ضرر رساں مادوں کی بین الاقوامی آلودگی کا خاتمہ اور ان مادوں کے حادثاتی اخراج کو کم سے کم کرنا ہے۔

برسلز1969ء(CLC) تیل کی آلودگی کی شہری ذمہ داری کا بین الاقوامی کنونشن:

ان کا مقصد جہازوں سے خارج ہونے والے تیل کی آلودگی کی بنا پر کسی شخص کو

پہنچنے والے نقصان کی خاطر خواہ تلافی کو یقینی بنانا، اور ذمہ داری کے تعین کے طریقوں کے قواعد کو معیاری بنانا ہے۔

صحرا گری

صحرا گری کے عمل کا مقابلہ کرنے کے کنونشن کے مسودے کو آخری شکل دی جا چکی ہے، اور توقع ہے کہ پاکستان بھی اس پر دستخط اور اس کی توثیق کر دے گا۔

کلیدی معاہدے۔ شہری/صنعتی آلودگی سے متعلق قومی قانون سازی

شہری/صنعتی آلودگی سے متعلق کلیدی معاہدے اوزون کی تہہ کی بابت معاہدے (ویانا کنونشن 1985ء؛ مونٹریال پروٹوکول 1987ء، لندن 1990ء اور کوپن ہیگن ترامیم 1993ء)

آب و ہوا میں تبدیلی کا کنونشن۔ باسل کنونشن عالمی ورثہ کنونشن

آب وہوا میں تبدیلی کا کنونشن

اوزون کی تہہ کی موٹائی گھٹنے سے صحت سے متعلق مسائل کی شدت میں اضافہ ہوا ہے (جلد کا کینسر، موتیا اور مدافعتی نظام کو خطرہ) زرعی پیداوار میں کمی ہوئی ہے اور جانوروں کی زندگی خاص طور پر آبی جانوروں کی زندگی پر برا اثر پڑا ہے۔ اوزون کی تہہ میں شگاف ڈالنے والے مادوں میں اہم سبز خانہ گیسیں بھی ہیں (جو انفراریڈ تاب کاری کو جذب کر کے دوبارہ خارج کرتی ہیں) ان میں کمی سے بھی آب و ہوا کی تبدیلی کے ناسازگار اثرات کو کم کرنے میں مدد ملے گی۔

ویانا کنونشن اور مونٹریال پروٹوکول اوزون کی تہہ کو گھٹانے والے مادوں کو کنٹرول کر کے اوزون کی تہہ کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی وجہ سے ان مادوں کی پیداوار اور تصرف میں خاصی کمی واقع ہوئی ہے۔

مونٹریال پروٹوکول کے ضابطوں کے متعلق پاکستان میں بھی ان مادوں کے استعمال کو ختم کرنا ہوگا۔ اس کے لئے ایک ملک گیر پروگرام تیار کیا جا رہا ہے۔ ماحولیاتی طور پر محفوظ نئے نعم البدل متعارف کرانے کے لئے عالمی بینک اور یو این آئی ڈی او کے

مشورے سے مختلف شعبوں کے لئے خصوصی حکمت عملی تشکیل دی جا رہی ہے۔

آب و ہوا کی تبدیلی کا کنونشن فضا میں گیسوں کے ارتکاز کو اس سطح پر مستحکم کرنا چاہتا ہے جو آب و ہوا کی تبدیلی کے ناموافق اثرات کو کنٹرول کر سکے اور اس کا توڑ کر سکے۔ ایک فریق کے طور پر پاکستان کو بھی دیگر ملکوں کی طرح گیسوں کے بشری تکوینی اخراج کو محدود کرنے کے لئے ضروری اقدامات کرنے ہوں گے اور جنگلات وغیرہ جیسے وسائل کا مستقل بندوبست کرنا ہوگا، جن کی بدولت ان گیسوں کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کنونشن کے تحت ترقی یافتہ ممالک ترقی پذیر ممالک کو مالی وسائل اور ٹیکنالوجی منتقل کرنے کے پابند ہیں۔ تا کہ ان اقدامات کے اخراجات سے نمٹا جا سکے۔

باسل کنونشن

ان کنونشن کے تحت تمام ملک ان ملکوں کو ضرررساں دیگر فضلات کی برآمد کی ممانعت کریں گے جو ان کی درآمد کو ممنوع قرار دے چکے ہیں۔ یا جنہوں نے تحریری طور پر اس کی خصوصی درآمد کی اجازت نہیں دی ہے۔

ضرررساں فضلات کی پاکستان میں غیر قانونی درآمد سے پیدا ہونے والے سنگین ماحولیاتی مسائل سے بچاؤ کے لئے باسل کنونشن کی توثیق کرنا ضروری ہے۔۔ اس کے نفاذ کے لئے قومی قانون بنا کر اسے جلد از نافذ کرنا چاہئے۔

عالمی ورثہ کنونشن

اس کنونشن میں دیگر باتوں کے علاوہ مملکت کے ثقافتی اور فطری ورثے کی فہرستیں تیار کرنا بھی شامل ہے جن کی حفاظت کرنا اور انہیں اگلی نسلوں کو منتقل کرنا مملکت کی ذمہ داری ہے۔ ان فہرستوں میں شامل املاک کو جو عالمی ورثہ کمیٹی کے نزدیک آفاقی قدر کی حامل ہیں، عالمی ورثہ کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے اور وہ عالمی ورثہ فنڈ سے مدد حاصل کرنے کے اہل ہیں۔

پاکستان کا قدرتی اور ثقافتی ورثہ تشکیل دینے والی املاک کا جامع مطالعہ کیا جانا چاہئے۔ ان کے تحفظ، نگرانی کے لئے تفصیلی تجاویز ترتیب دی جائیں اور جہاں ضروری ہو اس مقصد کے لئے تکنیکی اور مالی امداد کے لئے درخواست بھی کی جائے۔

ماحولیاتی مسائل اور ایڈووکیسی

ایڈووکیسی کیا ہے؟

ایڈووکیسی کا مفہوم این جی اوز کی اساسی ہیئت، کردار اور نقطۂ نظر کے مطابق اس کے لغوی معانی سے مختلف ہے۔ ویبسٹر ڈکشنری میں ایڈووکیسی کا مطلب، حمایت کا عمل، وکالت یا عانت بیان کیا گیا ہے۔ تاہم یہ اصطلاح این جی اوز سیکٹر میں تکنیکی زبان کا حصہ بن چکی ہے جو خصوصی، معنوں میں استعمال کی جاتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں سے سے مراد محض کسی پالیسی کو اختیار کرنا یا اس کا تعین ہی نہیں ہوتا بلکہ پالیسی یا پوزیشن کے لئے متعلقہ طبقے کی توجہ کے حصول کی خاطر شعوری قدم اٹھانا بھی ہوتا ہے جو کہ براہ راست تبدیلی کی غرض سے یا اس عمل سے اعانت کے لئے ہو۔

پاکستان میں حالیہ دنوں میں این جی اوز کی بہتات کے پس پشت سماجی اور اقتصادی عدم مساوات کے نتیجے میں لوگوں میں اضطراب اور بڑھتی ہوئی معاشرتی بے چینی جیسے عوامل کارفرما ہیں۔

این جی اوز نے معاشرے کے غیر محفوظ اور نظر انداز کئے جانے والے طبقوں کو اپنے پروگرام میں شامل کیا ہے اور ایڈووکیسی کے ذریعے شکایات کو رفع کرنے اور مراعات حاصل کرنے کی کوشش کی ہے تاہم ایڈووکیسی این جی اوز کی جملہ سرگرمیوں کا ایک حصہ ہے۔ اور یہ غیر سرکاری ادارے اپنے تیئں جمہوری، سماجی، اقتصادی اور مثبت سیاسی نظام کے نفاذ کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں اور اس کی خاطر موجودہ پالیسوں میں تبدیلی، بہتر قانون سازی اور ترقی کا شعور پیدا کرنے کے لئے اقدامات کر رہے ہیں تا کہ وہ مراعات یافتہ مخصوص طبقے کی مضبوط گرفت توڑ کر عام لوگوں کو ان کے بنیادی حقوق دلا سکیں۔

اقتدار کا ارتکازی اور وفاقی نظام، عدم مساوات سماجی بے قدری، اقتصادی زبوں حالی اور سیاسی عدم استحکام کا موجب ہے اور قانون سازی کے عمل میں آبادی کے مقامی طبقات کو باہر رکھنے کے نتیجے میں، آبادی کی اکثریت ترقی کے ثمرات سے محروم رہتی ہے۔

ایڈووکیسی کرنے والے ادارے یا گروپ اپنی توجہ معاشرتی برائیوں اور زیادتیوں کی نشاندہی اور لوگوں کے حقوق کی بحالی پر مرکوز رکھتے ہیں۔ ایسے بعض دیہی اورشہری این جی اوز، ٹریڈ یونینوں، اقلیتی انجمنوں اورخواتین کی تنظیموں سے علیحدہ رہ کر کام کرنے کا رجحان رکھتے ہیں۔ دیہی علاقوں میں این جی اوز کو بعض اوقات رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کی بنیادی وجہ جاگیردارانہ نظام اور مقامی سرکاری حکام پر ان کا اثر انداز ہونا بھی ہے یہ لوگ این جی اوز سے تعاون کرنے میں پس وپیش کرتے ہیں۔

1990ء کے عشرے میں این جی اوز کی طرف سے ایڈووکیسی کو ترقی کے عمل میں اثر انداز ہونے کے لحاظ سے بخوبی محسوس کیا گیا ہے۔ خصوصاً خواتین کے حقوق کے حصول زمین کی بحالی، ماحولیات، بچوں سے مشقت اور کمیونٹی کی فلاح کے ضمن میں نمایاں کامیابیاں حاصل کی گئیں، توقع ہے کہ عام صورت حال اور معاشرتی مسائل کی روز افزوں پیچیدگی کی بناء پر مستقبل میں ایڈووکیسی کو سماجی ترقی کے لئے موثر اور کارگر تسلیم کیا جائے گا۔ بہر حال ایڈووکیسی کو زیادہ مفید بنانے کے لئے مقامی سطحوں پر باہمی روابط اور ٹھوس منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔

این جی اوز کا کردار

نو آبادیاتی زمانے کے بعد آزادی کے پہلے عشرے تک جنوبی ایشیا میں حکومتوں کو تمام تر ترقیاتی کاموں کا ذمہ دار خیال کیا جاتا تھا۔ دیہات میں ترقی کی ذمہ داری وزارت زراعت اوروزارت دیہی ترقی پر عائد ہوتی تھی۔ جبکہ شہری علاقوں میں ترقیاتی کام وزارت ہاؤسنگ اورشہری ترقی کے ذمہ تھی، جو میونسپل کارپوریشنوں کے ساتھ مل کر یہ کام سرانجام دیتے تھے۔

1960ء میں پہلی مرتبہ حکومتی محکموں کی حدود کا احساس کیا گیا کہ وہ ہر کام کرانے کی اہلیت اور استطاعت نہیں رکھتے، وہ چھوٹے بے زمین ہاریوں اورکچی آبادیوں میں رہنے والوں کے مسائل کا ادراک بھی نہیں رکھتے۔ بیوروکریسی کے رویے کے باعث اور سرکاری ملازمین میں محنت کا مادہ نہ ہونے کے سبب بہت سے سرکاری منصوبے ناکام ہو جاتے ہیں۔

اس کے برعکس غیر سرکاری تنظیموں(NGOS) نے بتدریج یہ ثابت کرنا شروع کر دیا ہے کہ وہ ان علاقوں میں کام کرنے کی صلاحیت رکھتے/رکھتی ہیں جہاں سرکاری کمک نہیں پہنچ پاتی۔ 1960ء سے اب تک پاکستان میں آغا خان رورل سپورٹ پروگراموں نے چھوٹے چھوٹے دیہات میں ہزاروں انجمنیں قائم کر کے ان کے ذریعے ترقیاتی کام کرائے اور انہیں ملکی ترقی کے عمل میں شریک کیا۔

ان انجمنوں کے قیام سے ملکی تاریخ میں پہلی مرتبہ غریب عوام کو بغیر ضمانت کے قرضہ حاصل کرنے کی توفیق ہوئی۔ یہ غیر سرکاری ادارے یا این جی اوز لچکدار ثابت ہوئی ہیں اور یہ بدلتی ہوئی صورت حال سے نمٹنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ یہ عارضی اور سنگین دونوں طرح کے مسائل کو حل کرنے کی استطاعت رکھتی ہیں۔ انہوں نے انتہائی پیشہ ورانہ اسٹاف مقرر کیا ہے سب سے اہم یہ کہ انہوں نے ثابت کیا ہے کہ مقامی لوگوں کے ترقیاتی عمل میں وہ کس طرح حصہ دار بن سکتی ہیں۔

این جی اوز کی کامیابیوں اور سرکاری اداروں کی ناکامیوں کی بنا پر غیر سرکاری تنظیموں میں یہ احساس پیدا ہوا ہے کہ وہ آزاد رہ کر بہتر کام کر سکتی ہیں۔ حکومت کا یہ اقدام کہ غیر سرکاری تنظیموں کو سرکاری محکموں کی جانب سے فنڈز دیئے جائیں، این جی اوز کو کمتر کرنے کی کوشش ہے۔ مگر کیا مکمل آزادی حقیقت میں حاصل کی جاسکتی ہے، یا پھر یہ صرف ایک خواہش ہے؟ کیا غربت کا مکمل خاتمہ یا ماحول کی بہتری صرف این جی اوز کی ذمہ داری ہے؟ کیا انہیں خاطر خواہ وسائل حاصل ہیں؟ کیا تمام ترقیاتی وسائل این جی اوز کے حوالے کئے جائیں اور حکومت کے ترقیاتی کاموں کے ذمہ دار ادارے بند کر دینے چاہیں؟

یہ ایک عجیب صورت حال ہے، حقیقت یہ ہے کہ این جی اوز کو وہ سہولتیں حاصل نہیں ہیں جو حکومت اور اس کے اداروں کو حاصل ہیں، جمہوری حکومتوں کو انتخابی عمل اور تجارتی اداروں کو منافع پیش نظر رکھنا ہوتا ہے۔ حکومت کو ٹیکس کی صورت میں ریونیو تک رسائی ہوتی ہے۔ تجارت کو سرمایہ کاری اور منافع کی شکل میں فنڈز میسر آتے ہیں۔ جبکہ این جی اوز کا کوئی مستقل ذریعہ آمدنی نہیں ہوتا۔

حکومت اور این جی اوز کو یہ حقیقت تسلیم کر لینی چاہئے کہ این جی اوز میں سماجی انتظامی صلاحیت، تخلیق اور لچک ہے۔ جب کہ حکومت اور اس کے اداروں کو فنڈز کی رسائی

اور تکنیکی قوت حاصل ہے۔اگر این جی اوز کی پچھلی تین دہائیوں کی کارکردگی کو دیکھا جائے تو مستقبل میں این جی اوز کو تنہا طور پر اپنے کاموں کو جاری نہیں رکھنا چاہئے جیسا کہ وہ ماضی میں کرتی رہی ہیں، بلکہ حکومت کے ساتھ باہمی تعاون کے ساتھ ترقیاتی عمل کو جاری رکھنا چاہئے۔

اس قسم کی شراکت پچھلے چند سال کے دوران نتیجہ خیز ثابت ہو رہی ہے۔ دیہی ترقی کے حوالے سے سرحد رورل سپورٹ پروگرام حکومت سرحد کے ساتھ مانسہرہ ولیج سپورٹ پروگرام میں شرکت داری سے سرانجام پا رہے ہیں جبکہ قومی ماحولیاتی انتظام میں آئی یو سی این اور حکومت نے باہمی تعاون سے تحفظ ماحول کی حکمت عملی ترتیب دے کر لائحہ عمل طے کیا ہے۔

سرحد رورل سپورٹ پروگرام، دیہات میں مقامی تنظیمیں قائم کررہی ہے۔ جبکہ حکومت سرحد زراعت، لائیواسٹاک، جنگلات اور دیگر شعبوں کے ذریعے تکنیکی امداد فراہم کر رہی ہے۔ دونوں کی کوششیں سرکاری اہلکار کی سر پرستی میں جاری ہیں ہر دو کے درمیان تعاون مثالی ہے۔ این جی اوز کام کا منصوبہ تیار کرنا ہے اور حکومتی ادارے اس کی بنیاد پر اپنی اسکیم تیار کرتے ہیں مثلاً محکمہ زراعت اور لائیو اسٹاک کے افسران اور این جی اوز دیہات کے اجتماعات میں شریک ہوکر اپنے وسائل مہیا کرتے ہیں، اور یہ عمل خوش اسلوبی سے جاری ہے۔

اس طرح قومی ماحولیاتی حکمت عملی (NCS) آئی یو سی این نے وفاقی حکومت کے ہمراہ سرکاری اداروں، غیر سرکاری تنظیموں، عوامی نمائندوں اور دیگر اداروں کی جانب سے مہیا کردہ وسائل کو ماہرین کی مدد سے تیار کردہ ایک پروگرام میں لگا کر بہتر نتائج حاصل کئے جا رہے ہیں۔ اور اب آئی یو سی این وفاقی حکومت کو پالیسی وضع کرنے اور اس پر عمل کرنے اور صوبوں میں حکمت عملیاں تیار کرنے میں مدد دے رہی ہے۔ دوسرے الفاظ میں پالیسی اور حکمت عملی تیار کرنے کے ضمن میں یہ باہمی شرکت مثالی ہے۔

کنیڈا کے فنڈ سے تیار کردہ ماحولیاتی پروگرام بھی انہی خطوط پر تیار کیا گیا ہے۔ ماحولیات اور شہری ترقی ڈویژن کا این سی ایس یونٹ اور پلاننگ ڈویلپمنٹ ڈویژن کے ماحولیات کے شعبے اور دو غیر سرکاری تنظیموں یعنی آئی یو سی این اور پائیدار ترقی پالیسی کے

ساتھ کام کر رہے ہیں۔ اس پروگرام میں حکومت کے ذریعے امدادی رقم این جی اوکو مل رہی ہے اور دوسری طرف امداد فراہم کرنے والی تنظیم سڈا(CIDA) عملی طور پر خود اس پراجیکٹ میں شریک ہے۔

علاوہ ازیں یورپین یونین کے تعاون سے بحالی ماحولیات پراجیکٹ میں بھی حکومت اور غیر سرکاری تنظیموں کا تعاون جاری ہے۔ 1995ء سے شروع کئے گئے اس پروگرام میں صوبہ سرحد اور پنجاب کے تین اضلاع میں زمین پر مضر اثرات میں دیکھی جا رہی ہے۔ نیز کم آمدنی والے افراد کے لئے مستقل وسیلہ روزگار یقینی ہو رہا ہے۔ یہ پراجیکٹ حکومت پنجاب اور سرحد کے محکمہ جنگلات اور آئی یو سی این کی سربراہی میں غیر سرکاری تنظیمیں مل کر چلا رہی ہیں، اور دونوں فریقوں کے اسٹاف ایک جگہ بیٹھ کر کام کر رہے ہیں۔

اس طرح یو این ڈی پی کی مدد سے ایک اور پروگرام حکومت اور غیر سرکاری تنظیموں کے تعاون سے جاری ہے۔ اس پراجیکٹ کے تحت این جی اوز دیہات کی سطح پر انجمنیں بنا کر ان کا رابطہ حکومت سے قائم کریں گی۔ اس کا طریقہ مانسہرہ رورل سپورٹ پروگرام کا ماڈل ہے یہ پراجیکٹ جنوب مشرق ایشیا کی سطح کا ہے اور یہ نیپال اور بنگلہ دیش میں کامیابی کے ساتھ جاری ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مستقبل میں جنوب مشرق ایشیا سے غربت کے خاتمے اور ماحول کے تحفظ کے لئے حکومت اور این جی اوز کا باہمی تعاون سودمند ثابت ہوگا۔

کورنگی ماحولیاتی نظام

دریائے سندھ کا ڈیلٹا پاکستان اور ہندوستان کی سرحدوں کے درمیان 6لاکھ ہیکٹر پر مشتمل ہے جس میں 17 بڑی خلیجیں اور ایک لاکھ 60 ہزار ہیکٹر پر دلدلی جنگلات بھی موجود ہیں۔ شاید یہ دنیا کا سب سے بڑا دلدلی جنگلات کا علاقہ ہے، جس کا انحصار دریائے سندھ سے آنے والے میٹھے پانی پر ہے۔ لیکن آج کل ملک کا یہ جنوبی حصہ مختلف مشکلات میں گھرا ہوا ہے، ان مشکلات میں چارہ اور ایندھن کی لکڑی کی کٹائی اور گھریلو اور صنعتی علاقے کے فضلے سے پیدا ہونے والی مٹی، تازہ پانی کی کمی، دریائے سندھ سے آنے والی آلودگی شامل ہیں جبکہ مچھلی کی افزائش میں کمی، اور کیمیاوی اجزاء سے آلودگی بھی قابل ذکر ہے۔

بڑی بندر گاہ یہاں سے تقریباً30 کلو میٹر پیچھے ہے جس کی وجہ سے اس جگہ کو سیاحتی اور تفریحی مقاصد کے لیے فروغ دینا مشکل ہے۔

کورنگی کے ماحولیاتی نظام کا مقصد دو بڑی خلیجوں کو ترقی دے کر پائیدار ترقیاتی انتظام کی تشکیل دینا ہے، نیز دلدلی جنگلات کا تحفظ اور انہیں بنانا ہے۔ اس منصوبے کی حدود دریائے سندھ کے ڈیلیٹا کے دس فیصد رقبہ پر مشتمل ہیں۔ اس کے اہم اقدامات میں ایندھن کی لکڑی، چراگاہوں، آبی حیات کا تحفظ اور مچھلی کے شکار کا فروغ شامل ہے۔

کراچی کے نزدیکی ساحلوں علاقوں کی آبادیوں کے ماحولیاتی مسائل حل کرنے کے لئے صنعتی آلودگی کے بارے میں چمڑے کے کارخانوں کے لئے بامقصد معلومات فراہم کرنے کے علاوہ اس ضمن میں ماحولیاتی اثرات کی ایک رپورٹ تیار کی گئی ہے۔

آبی وسائل کے بہتر استعمال، عوام کو منظم کرنا، شعور بڑھانا اور پالیسی سازوں پر اثر انداز ہونا، کورنگی ماحولیاتی نظام کے پہلو ہیں۔ آبی وسائل کے دانشمندانہ استعمال کے معنی ہیں کہ ایسے افراد جو اپنی گزر بسر کے لئے درختوں کی کٹائی کرتے ہیں، ضرورت سے زیادہ مچھلیاں پکڑتے ہیں انہیں روزگار کے متبادل مواقع دیئے جائیں۔ اس میں مختلف اداروں کی شمولیت ضروری ہے۔ مثال کے طور پر انتظامیہ کو یہ ماننا پڑے گا کہ اگر اوپر سے مطلوبہ مقدار میں پانی نہ چھوڑا گیا تو سطح سمندر اور اونچی ہو جائے گی جس سے منفی اثرات رونما ہو سکتے ہیں۔ ماہرین کی رائے کے مطابق دلدلی جنگلات کو دریائے سندھ کے ذریعے تازہ پانی کی فراہمی میں خلل یا رکاوٹ نے سب سے زیادہ متاثرہ کیا ہے یعنی ڈیلیٹا کی تشکیل تازہ پانی کے ساتھ بہہ کر آنے والی 400 ملین ٹن مٹی سے ہوتی تھی۔ گذشتہ 60 برسوں کے دوران ڈیم، بیراج اور آبپاشی کے مختلف منصوبوں کی بدولت دریائے سندھ سے حاصل ہونے والے پانی کی مقدار سالانہ 180 ملین کیوبک میٹر سے کم ہو کر 12 ملین کیوبک میٹر رہ گئی ہے۔

پانی کے بہاؤ میں مزید کمی کی وجہ سے نمکین سمندری پانی کی سطح اوپر آئے گی اور میٹھے پانی کی سطح گر جائے گی، اس عمل کے اثرات درختوں، مویشیوں اور دلدلی جنگلات پر ظاہر ہونا شروع ہو گئے ہیں۔

آئی یو سی این پاکستان کے منصوبے کورنگی ماحولیاتی نظام(ECO- System)

1987ء میں کراچی کے نزدیک واقع کورنگی اور خلیج پھٹی پر سندھ ڈیلٹا میں ماحولیاتی آلودگی کی مقدار اور اثرات سے آگاہی کے لئے سروے کیا گیا۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ کراچی کی بندرگاہ انتہائی آلودہ ہو چکی ہے۔ جس میں تیل نباتات اور دیگر دھاتیں شامل ہیں مگر جوں جوں ساحل سے دور ہوتے جائیں آلودگی کی شدت میں کمی آتی جاتی ہے۔ البتہ جنوبی خلیجیں نسبتاً آلودہ ہیں۔

ساحلی دیہات کے سروے سے ظاہر ہوتا ہے کہ 50 فی صد آبادی ماہی گیری، دلدلی جنگلات کی ایندھن اور جانوروں کے چارہ کی غرض سے کٹائی میں ملوث ہے، سروے سے قدرتی وسائل کے بارے میں دیہاتیوں کے مطمع نظر سے آگاہی بھی ہوئی۔ عوامی صحت کا سروے ظاہر کرتا ہے کہ صفائی اور پانی کی فراہمی کی کمی کی وجہ سے بہت سی بیماریاں پھیل رہی ہیں۔

مذکورہ ادارے کے تحت کئے جانے والے سروے میں ایک اہم امر یہ سامنے آیا ہے کہ آنے والے 50 برس میں تازہ پانی کا استعمال اس قدر بڑھ جائے گا کہ ڈیلٹا تک صرف فالتو سیلابی پانی ہی پہنچ پائے گا۔ یہ بات پالیسی سازوں کے لئے لمحہ فکریہ فراہم کرتی ہے۔

شجر کاری

اس پراجیکٹ کا حصہ دار ہونے کی حیثیت سے سندھ کا محکمہ جنگلات ڈیلٹا کے شمالی حصے میں دوبارہ شجر کاری کر رہا ہے۔ یہ پورے مکران کے ساحل سے حاصل کئے گئے ہیں جن میں ایسی اقسام شامل ہیں جن میں صرف برساتی پانی پر زندہ رہنے کی خاصیت موجود ہے۔

آئی یو سی این کی وساطت سے مختلف تنظیمیں، بشمول شرکت گاہ اور متعلقہ تحقیقی ادارے، دلدلی جنگلات اور ڈیلٹا کے علاقے کی بگڑتی ہوئی صورت حال اور اس کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے سرگرم عمل ہیں اس تگ ودود سے مثبت نتائج کی توقع کی جا سکتی ہے۔

کراچی ماس ٹرانزٹ سسٹم

کراچی ماس ٹرانزٹ پروگرام این جی اوز اور حکومت کے ترقیاتی حکام کے

درمیان گرما گرم بحث مباحثے کا موضوع بنا رہا۔ یہ منصوبہ غیر ملکی امداد سے تیار کیا گیا ہے۔ باخبر لوگ اور بہت سی این جی اوز کراچی ماس ٹرانزٹ کے ممکنہ ماحولیاتی اثرات سے آگاہ ہیں۔ ان کے خیال میں کراچی میں آمدورفت کے مسائل کے حل کے لئے سادہ اور باکفایت طریقے استعمال کئے جا سکتے ہیں۔

اس منصوبے کو شہر، اس کے اداروں اور طبعی ذیلی ڈھانچے کے پس منظر میں دیکھا جانا چاہئے۔ شہر کی آبادی تقسیم ہند کے وقت 3 لاکھ تھی جو بڑھ کر 12 ملین ہو چکی ہے، یعنی پچاس سال میں اس شہر کی آبادی میں چالیس گنا اضافہ ہوا ہے۔ اور توقع ہے کہ سن 2000ء تک کراچی کی آبادی 16 ملین تک پہنچ جائے گی گویا آبادی کے اس شدید اضافے کی بنا پر قوم کے حقیر وسائل اور زیریں ڈھانچے پر بے انتہا دباؤ پڑ رہا ہے۔

کراچی ایسا شہر ہے جہاں 18 مختلف پلاننگ ایجنسیاں کام کر رہی ہیں جن میں باہمی رابطہ نہ ہونے کے برابر ہے، ان میں سے کے ڈی اے اور ایم سی دو بڑے ادارے ہیں، پھر پانچ کنٹونمنٹ بورڈ ہیں اور پھر اور بہت سے ایجنسیاں ہیں۔

یہ شہر بھی پاکستان کے دیگر بڑے شہروں کی طرح قانونی طور پر منظور شدہ ماسٹر پلان کے بغیر موجود ہے اور مسلسل پھیل رہا ہے۔ جہاں منصوبہ بندی اور تعمیرات کے ضمنی قوانین کی بکثرت خلاف ورزی کی جاتی ہے۔ سرکاری حکام، سیاستدانوں، مذہبی فرقہ واریت اور لسانی گروہ بندی کی بنیاد پر بنے ہوئے مختلف مافیاؤں نے پیسے کے لالچ میں ماحول کو تباہ و برباد کر رکھا ہے۔

زمینوں پر قبضہ، غیر قانونی کاروباری مقاصد کے لئے زمینوں اور عمارتوں کا استعمال اور زمین کے استعمال میں اچانک رونما ہونے والی تبدیلیوں سے نہ صرف ماحولیاتی مسائل پیدا ہوتے ہیں بلکہ زیریں ڈھانچے کی سہولتوں کی تقسیم کے مسائل بھی سر اٹھاتے ہیں، جن کا تدارک مشکل ہے اس پس منظر میں ایک تیز رفتار ٹرانزٹ سسٹم کی درآمد اور تنصیب اس کی اپنی قوتوں کا تسمہ کھول دے گی جو اس شہر کو مزید اپنے سانچے میں ڈھالیں گی جسے اہل کراچی کو سہولت، صحت اور آسائش کے لحاظ سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ البتہ پہلے سے دولت مند اور با اختیار لوگ اس گرانقدر منصوبے سے ضرور مستفید ہوں گے۔

رشوتیں، ناقص ڈیزائین، اور غلط اندازے لاگت میں اضافے کا سبب بنتے ہیں،

اور اربوں روپے کے غیر ملکی قرضوں میں خرد برد کا دھند جاری رہتا ہے۔ پھر بھی اگر ہم کراچی میں تیز رفتار ٹرانزٹ سسٹم کے حق میں فیصلہ کرتے ہیں تو ہمیں غیر ملکی ٹیکنالوجی کے بجائے خود تشکیل کردہ نظام کو معیاری بنانا ہوگا۔ ویسے بھی جب تک یہ جدید نظام تیار ہوگا، اس دوران یہ ضروری ہے کہ ٹرانسپورٹ کے موجودہ ذرائع کو بہتر بنایا جائے۔

بلڈرز مافیا

کراچی میں بلند و بالا عمارتیں کھمبیوں کی طرح اگتی ہیں۔ چند روز پہلے آپ ایک جگہ سے گذریں تو خالی پلاٹ میں خاردار جھاڑیاں نظر آئیں گی، اگلی بار وہاں آپ کو کچھ کھدائی ہوتی ہوئی ملے گی، پھر کچھ عرصے بعد وہاں کوئی پلازہ، کوئی گلشن، کوئی گلستان، کوئی ہائیٹس وغیرہ کی تعمیر تکمیل کی طرف رواں دواں ہوگی۔ اب یہ سب کیسے ہوتا ہے؟ اس ترقی کی بہت سی کہانیاں شہری لیگل ریسورس سنٹر کے ریکارڈ پر موجود ہیں، جس کے مطابق ایسا اکثر زمین کی غیر قانونی تبدیلی کی بنا پر ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ ترقی کے نام پر پارکوں، کھلی جگہوں، اور رہائشی پلاٹوں کو گنجان کاروباری علاقوں میں تبدیل کرنا ہے۔

شہری سی بی ای نے اب تک بے شمار بے قاعدگیوں کے نشاندہی کی ہے۔ اب وہ شہریوں کو اس پر آمادہ کر رہی ہے کہ ایسی غیر قانونی تعمیرات کے خلاف قانون کی مدد لیں جو موجودہ زیریں ڈھانچے یعنی پانی، بجلی، سیوریج وغیرہ میں متوازی ترقی کے بغیر بنائی جا رہی ہوں۔ اس لئے کہ ایسی تمام عمارتیں جو پٹے اور تعمیر کے ضمنی قوانین کے صریحاً خلاف ورزی کے نتیجے میں بن رہی تھیں۔ ان کے خلاف ہر طرح کا احتجاج بے اثر ثابت ہوا اور اب تلافی کا واحد پرامن طریقہ مقدمے بازی ہے۔

''شہری سی بی ای'' نے بلدیاتی اداروں کے حکام سے رابطہ قائم کیااور ان کے ساتھ تبادلہ خیال کے بعد وکلاء اور آرکیٹیکٹس کی ایک کمیٹی کا تقرر کیا گیا ہے، جو سندھ بلڈنگ کنٹرول آرڈیننس 1979ء اور دوسرے متعلقہ قوانین ترامیم کی بے قاعدگیوں کی اصطلاح کرے گی۔

فی الحال ''شہری''، جن پلاٹوں کے بارے میں جو اقدام کر رہی ہیں ان میں سے چند مثالیں ذیل میں درج ہیں:

خالد بن ولید روڈ پر ایک پلاٹ کے غیر قانونی استعمال کے بار میں متعلقہ محکمے کو شکایات درج کروائیں، لیکن انہوں نے اس طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ تنظیم کی طرف سے اصرار پر کچھ عرصہ بعد اس غیر قانونی عمارت کی نیم دلانہ انہدام کی کاروائی کی گئ جس کے بعد بلڈرز نے حکم امتناعی حاصل کرنے کے لئے عدالت میں درخواست دائر کردی۔ جس پر انہیں جھوٹی نمائندگی کے تحت صورت حال کو جوں کا توں برقرار رکھنے کا حکم دے دیا گیا۔ ''شہری'' نے درخواست دی تھی کہ اسے فریق بنایا جائے، جس پر عدالت نے حکم جاری کر دیا۔ لیکن عمارت کی غیر قانونی تعمیر بدستور جاری ہے۔

اس کیس کے بارے میں تاثر یہ ہے کہ اس کی غیر جانبدارانہ تحقیق اور تفتیش نہیں کی گئی۔ یہ ایک رہائشی پلاٹ ہے جسے ''کے بی سی'' کی اجازت کے بغیر کمرشل پلاٹ میں تبدیل کردیا گیا ہے۔

اس طرح ''پی ای سی ایچ ایس کے'' بلاک 3 میں بھی ایک رہائشی پلاٹ کو غیر قانونی طور پر تبدیل کردیا گیا۔ ''شہری سی بی ای'' نے اس کی تعمیر رکوانے کے لئے بلڈنگ اتھارٹیز سے درخواست کی تھی۔ لیکن اس پر کوئی کاروائی نہیں کی گئی بلکہ انہوں نے لازمی طور پر کھلی چھوڑی جانے والی جگہوں کو بھی گھیر لیا ہے۔

عالمگیر روڈ کے علاقے کے باسیوں نے شکایت درج کرائی ہے کہ پبلک پلاٹ کو کاروباری بلند و بالا عمارت میں تبدیل کیا جا رہا ہے، اور اس کے غلط استعمال کے بارے میں متعلقہ حکام سے ملاقاتیں بھی کی ہیں لیکن کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا۔

سراج الدولہ روڈ اور عالمگیر روڈ کے چورا ہے پر واقع ایک پلاٹ کو مکینوں کے حقوق سے قطع نظر غیر قانونی طور پر ایک کاروباری عمارت میں تبدیل کیا جا رہا ہے۔ یہ ایک رہائشی پلاٹ ہے۔ مکینوں نے کے بی سی تک اپنی شکایت پہنچائی لیکن کوئی کاروائی نہیں کی گئی، اور بلڈرز نے تعمیر کو بدستور جاری رکھا۔ اہالیان علاقہ نے عدالت سے رجوع کیا اور صورت حاصل کو جوں کا توں برقرار رکھنے کے لئے حکم امتناعی حاصل کرلیا۔

خالد بن ولیڈ روڈ بلاک 2 پی ای سی ایچ ایس پر واقع جو ایک رہائشی پلاٹ ہے بلڈرز نے اس پر ایک کار شوروم اور کئی منزلہ عمارت تعمیر کردی، جبکہ تعمیر کے لئے گراؤنڈ فلور اور اس کی دو بالائی منزلوں کے ماسٹر پلان کی منظوری دی گئی تھی۔ ''شہری'' نے ہائیکورٹ

سے حکم امتناعی حاصل کر لیا۔ معاملہ ہنوز زیر التواء ہے۔

کراچی شہر میں جاری یہ غیر قانونی اقدام ہیں یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ بلڈرز مافیا کے خلاف سخت کاروائی نہ کی جائے، اور متعلقہ مجاز اداروں سے بدعنوانیوں کو نہ ختم کیا جائے۔

جھیل پارک

جھیل پارک پی ای سی ایچ ایس کے بلاک دو اور چھ کے قرب و جوار میں واقع ہے۔ سوسائٹی کے اصل نقشے کے مطابق یہ خالی پلاٹ ایک پارک کے لیے مختص کیا گیا تھا، پارک کے علاقے میں واقع ایک چھوٹی قدرتی جھیل کے بدولت اس علاقے کو جھیل پارک کہا جاتا ہے۔ پارک کا مرکزی دروازہ حامد حسین فاروقی روڈ پر کھلتا ہے۔ سوسائٹی کے ماسٹر پلان میں جھیل پارک ستر ہزار مربع گز کا احاطہ کرتا ہے جس مین سے ستائیس سو مربع گز پر قبضہ کر کے غیر قانونی طور پر ایک کنسٹرکشن کمپنی کو فروخت کر دیا گیا ہے۔

اس متنازعہ زمین کا مقدمہ 1978ء سے ہائی کورٹ میں زیر التواء پڑا ہوا ہے۔ ڈاکٹر محمود حسین روڈ اور سراج الدولہ روڈ کے سنگم پر مزید پانچ ایکٹر زمین غیر قانونی طور پر فروخت کر دی ہے۔

پارک کا عوامی استعمال میں آنے والا رقبہ تقریباً 5-16 ایکٹر ہے۔ موجودہ جھیل پارک میں ایک نرسری، چار لان اور دو جھیلیں ہیں۔ بڑی جھیل کی صورت حال خاصی ابتر ہے۔ کچھ عرصہ قبل ''شہری'' سی بی ای'' نے کے ایم سی کو مجبور کیا تھا کہ اس کی صفائی اور دیکھ بھال کی جائے ایک بار صفائی تو ہوگئی لیکن مناسب دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے جھیل دوبارہ سرکنڈوں اور کچرے سے بھر گئی۔

چھوٹی جھیل میں بے تحاشا سرکنڈے اور ترتیب جھاڑیاں اگی ہوئی ہیں، اور یہاں آبی پرندے بطخیں اور مرغابیاں بسیرا کرتی ہیں۔ وہ جھیل ہے جسے ''شہری'' نے بحال کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔ تا کہ یہ اسکول کے بچوں کے تفریحی اور تعلیمی استعمال میں لایا جا سکے اس جھیل کو عنقریب ذی ماحول تالاب میں تبدیل کر دیا جائے گا۔

ایک ذی ماحول تالاب تازہ پانی کے ماحولیاتی نظام کی ایک بہترین مثال ہے یہ

ایسی جگہ ہے جہاں پودوں اور جانوروں کی بہت سی اقسام رہتی اور پھلتی پھولتی ہیں، یہ ایک جمالیاتی اور تعلیمی اہمیت کا حامل ماحولیاتی نظام ہے۔

جھیل کا ایک حصہ جسے لیڈیز پارک کے لئے مختص کیا گیا ہے۔ اس کے ایم سی نرسری کے طور پر استعمال کر رہی ہے۔ اس سے ملحقہ پلاٹ پر ناجائز قبضہ کرنے والوں نے پارک میں داخل ہونے کا راستہ روک دیا ہے۔

1971ء میں کے ایم سی نے سوسائٹیوں کو اپنی تحویل میں لے لیا تھا، تب سے اس نے جھیل پارک کی ذمہ داری خود سنبھال رکھی ہے۔ کے ایم سی کے ایک سابق ایڈمنسٹریٹر نے جھیل پارک کا علامہ اقبال روڈ کے سامنے واقع ستائیس سو مربع گز کا ایک ٹکڑا ایک کنسٹرکشن کمپنی کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔ تنازعہ اس وقت کھڑا ہوا جب کے ایم سی نے علامہ اقبال روڈ کے سامنے حد بندی کے لئے دیوار تعمیر کرنی شروع کی۔ کنسٹرکشن کمپنی نے ہائی کورٹ میں مقدمہ دائر کر کے کے ایم سی کی دیوار کی تعمیر رکوا دی۔ کنسٹرکشن کمپنی کو صورت حال کو جوں کا توں برقرار رکھنے کا حق دے دیا گیا۔ اس معاملے کا ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا۔

شہری ''سی بی ای'' نے وہاں کے باشندوں کو تحریک دلائی اور ایک تنظیم بنانے میں کامیاب ہو گئی اس سٹیزن سوسائٹی نے ''شہری'' کی وساطت سے زیڈ ایم سی (ایسٹ) کے ایڈمنسٹریٹر سیر رابطہ کیا۔ جس کے نتیجہ میں بڑے پیمانے پر مرمت اور بحالی کا کام شروع ہو گیا۔ وہاں سے اشتہاری بورڈ ہٹا دیئے گئے کوڑا صاف کیا گیا اور بہت سی جگہوں پر ''یہاں کچرا پھینکنا منع ہے'' کے بورڈ نصب کئے گئے۔ پارک کے اندر اور ارد گرد پیدل چلنے کے لئے راستے بنائے گئے۔ جھیل سے متعفن پانی نکالا گیا اور سرکنڈے صاف کر دیئے گئے۔ یہاں 239 درخت لگائے گئے۔ اب جھیل پارک کا نام ممتاز سائنس دان ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی کے نام پر رکھا گیا ہے۔

''شہری'' کی کوششیں جاری ہیں۔ توقع ہے کہ وہ یہاں ذی ماحول تالاب بنانے میں کامیاب ہو جائے گی۔ جو اسکولوں کے طلباء کے لئے مثالی تعلیمی سر چشمہ ہو گا۔

کراچی شہر کی آلودگی

ایک بار شہر کے مختلف مقامات کا دورہ کرتے ہوئے لوگوں سے پوچھا گیا کہ کیا

شہر میں آلودگی ہے؟ اس میں کون قصور وار ہے؟ اسے کسی طرح ختم کیا جا سکتا ہے؟ مختلف شعبہ ہائے زندگی کے تعلق رکھنے والوں کے جواب ان کے اندازِ فکر کی گواہی دیتے ہیں۔

وسطی کراچی کے پٹیل پاڑہ میں شہر بھر کی رکشائیں کھڑی کی جاتی ہیں، ان رکشاؤں کی مرمت کے لئے کثیر تعداد میں ورکشاپس قائم ہیں۔ یاد رہے کہ کراچی کے ٹریفک سے پیدا ہونے والی آلودگی کی زیادہ تر ذمہ داری رکشاؤں پر عائد ہوتی ہے۔

ایک رکشا ڈرائیور تقریباً 30 سال قبل روزگار کی تلاش میں کراچی آیا، کیوں کہ شمالی علاقوں میں واقع اس کے گاؤں میں اسے زندگی کی بنیادی سہولتیں میسر نہ تھیں۔ حالانکہ اس کا گاؤں کراچی شہر سے کہیں زیادہ صاف اور صحت افزاء تھا۔

اس نے کراچی کو شور وغل، دھوئیں اور دھول سے اٹا ہوا پایا۔ اس کے خیال میں بڑے شہر کو ایسا ہی ہونا چاہئے تھا، حالانکہ! اس نے رکشا کے ذریعے شور اور دھوئیں کی صورت میں آلودگی بڑھانے کی اپنی ذمہ داری کو قبول کرنے سے انکار کر دیا لیکن اس کا کہنا تھا کہ شہر میں صنعتوں اور گاڑیوں کی تعداد میں کمی کر کے آلودگی پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

پی آئی بی کالونی کے بس ٹرمینل پر موجود ڈرائیوروں اور کنڈیکٹروں کا رویہ بھی آلودگی کے اضافے میں اپنے فعل کو تسلیم کرنے سے انکار کا سا تھا۔ ان کی رائے میں رکشا ڈرائیور پٹرول میں مقررہ مقدار سے زیادہ موبل آئل استعمال کرتے ہیں، جبکہ نئی بسیں ٹریفک قوانین کی پابندی نہیں کرتیں اور ٹریفک کو جام کرنے کا سبب بنتی ہیں، ان کا کہنا تھا کہ پٹرول پمپوں میں ملاوٹ شدہ پٹرول فروخت ہوتا ہے۔ انہوں نے بڑی گاڑیوں کو موردالزام ٹھہراتے ہوئے کہا کہ وہ پریشر ہارن استعمال کرتے ہیں۔

اسلامیہ آرٹس کونسل ک قریب ایک طالب علم کو مٹی اور آلودگی سے پریشان پایا گیا۔ اس نے بتایا کہ تمام لوگ آلودگی کے مسئلے سے آگاہ ہیں، مگر ان میں کچھ کرنے کی خواہش نہیں ہے۔ عام لوگوں میں یہ ''میرا کام نہیں'' جیسا رویہ فروغ پا رہا ہے۔ ان میں منافقت اور سہل پسندی بڑھ رہی ہے۔ وہ دوسروں کو راستہ بتا دیں گے مگر خود اس پر چلنے سے گریز کرتے ہیں۔

پرانی نمائش پر ایک کانسٹیبل گذشتہ بارہ سال سے ٹریفک کو کنٹرول کرنے پر متعین ہے۔ اس کا مشورہ تھا کہ شہر میں زیادہ سے زیادہ فلائی اور تعمیر ہونے چاہیں، دھوئیں اور شور

وغل کے مسئلے پر اس کا کہنا تھا کہ ٹریفک قوانین پر عملدرآمد کمزور ہے۔ نیز شہر میں مقررہ تعداد سے کہیں زیادہ گاڑیوں ہیں۔ اس اضافے کی روک تھام ضروری ہے، اس کے خیال میں آلودگی کے خلاف کام کرنے والی تنظیموں، ڈرائیوروں کی تنظیموں اور ماہرین کے ذریعے عوامی شعور بڑھانے کے لیے کام ہونا چاہئے۔ ڈرائیورنگ اسکولوں کے نصاب میں ماحولیاتی مضامین شامل کئے جائیں لائسنس کے اجزاء میں سختی کرنی چاہئے۔

صدر کو ٹریفک کا جنگل کہتے ہیں۔ ایمپریس مارکیٹ کے ایک دوکاندار نے حکام پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ وہ قوانین کے عملدرآمد کے لیے سختی نہیں کرتے۔ اس کے خیال میں ٹریفک انجینئرنگ بورو نے صورت حال بہتر بنانے کے بجائے مزید خراب کردی ہے، اس کا کہنا تھا کہ لوگوں کو سائیکل استعمال کرنی چاہئے۔ اس نے کہا ٹھیلے والوں کو فٹ پاتھ استعمال نہیں کرنے چائیں، سڑکوں کے دونوں کناروں پر درخت لگانے اور ملک میں تعلیم عام کرنے پر زور دیا۔

کلفٹن کی شاہراہ کے درمیانی سبزہ زار پر کھڑے ایک صاحب کو مرکز شہر کی جانب سے آنے والے کلفٹن برج سے اتر کر ساحلی علاقوں کی طرف رواں ٹریفک کے سیلاب نے روک رکھا تھا، وہ بار بار کھانس رہے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ میری کھانسی ڈیزل کے دھوئے کی وجہ سے ہے۔

شہر کی بڑھتی ہوئی آبادی، گاڑیوں کا ٹریفک، شوروغل، دھواں، اس سے زندگی دوبھر ہو رہی ہے۔ حکام اس صورت حال سے آگاہ ہیں لیکن اس کا سد باب کون کرے گا۔

پی ای سی ایچ ایس کا بارانی نالہ

1977ء میں شدید بارش کی وجہ سے پی ای سی ایچ ایس بلاک 6 کراچی کے بہت سے مکان زیر آب آ گئے تھے۔ چنانچہ 1982ء میں کے ایم سی نے برسات کے پانی کے نکاس کے لئے ایک نالہ تعمیر کیا۔ کنکریٹ کے فرش پشتوں والا یہ نالہ چینسر ہالٹ کے نزدیک بنایا گیا تھا۔ یہ نالہ کراچی کینٹ، لانڈھی سیکشن میں لائن کے متوازی بہتا ہے۔ اور ایک چالیس فٹ چوڑی سڑک درختوں کی قطار اور آٹھ فٹ سبز پٹی مکانات کو نالے سے علیحدہ کرتی ہے یہ گندگی کی نکاسی کا کام بھی کرتا ہے۔

اس کی بدولت سن 1994ء میں مسلسل شدید بارشوں کے باوجود پانی مکانوں میں داخل نہیں ہوا کیونکہ یہ نالہ اس علاقے کے لئے سیفٹی والو کا کام کر رہا تھا۔مگر اس سال کے آغاز میں علاقے کے مکینوں سے بھاری بھر کم مشینوں کے ذریعے ریلوے لائن کے پاس کھدائی ہوتے دیکھی۔ پھر تناور درخت کاٹے گئے کچھ لوگوں نے اس بات کا پتہ لگایا کہ دیوار کو گرانے والے نالے کو بھر کر سبز پٹی کے ساتھ ملا کر جو جگہ بنائی جا رہی ہے، اس کو ایک کمرشل ایریا کی تعمیر کے لئے استعمال کیا جائے گا۔ اور ریلوے کی پٹری کے قریب اس کمپلیکس کے پیچھے ایک اتھلا نالہ بنایا جائے گا۔

مزید تحقیقات سے معلوم ہوا کہ کراچی بلڈنگ اتھارٹی نے سیلابی پانی کی نکاسی کے نالے کی منتقلی کی منظوری دے دی ہے۔ یہ منظوری متعلقہ ایجنسی کی جانب سے این او سی سے مشروط تھی اور اس کام میں صوبے کے با اختیار افراد شامل تھے۔

مکینوں کے لئے یہ بات باعث تشویش تھی کہ متبادل نالے کے تیاری تک غلیظ پانی ریلوے کی پٹریوں کے اس پاس کھلی جگہ پر پھیلنے لگا تھا۔ اس پر ''خواتین کے پریشر گروپ برائے شہری ترقی اور ماحولیاتی انتظام''(KAWW) نے مکینوں کے تعاون سے موجودہ عوامی سہولت کی تباہی کے خلاف مہم چلائی۔ اہالیان علاقہ کو خبردار کرنے کے لیے اکیس محلوں میں ہینڈ بل تقسیم کئے گئے اور مکینوں کے دستخط کروا کر ایک محضر کے ایم سی کے ایڈمنسٹریٹر اور دیگر متعلقہ حکام کو بھی بھیجی گئی جس میں اس کام کو فوری طور پر رکوانے کی التجا کی گئی تھی۔ اس کا ردعمل یہ ہوا کہ ٹھیکیدار نے کام کی رفتار بڑھادی اور ساتھ ساتھ جوشیلے مکینوں کو پریشان بھی کرنا شروع کر دیا، ٹھیکیدار کا عارضی گودام ہٹا دیا گیا۔لیکن نالے کو مسمار کرنے کا کام بدستور جاری رہا۔ کے ایم سی کا کہنا تھا کہ انہیں اس بارے میں کوئی معلومات نہیں۔ ایڈمنسٹریٹر کی ٹیم کے لئے یہ خبر تھی کہ ان کے اپنے ذیلی ادارے(KBCA) نے این او سی جاری کر دیا ہے۔

ریلویز نے یہ تصدیق کی کہ موجودہ نالہ فیڈرل گورنمنٹ کی طرف سے ریلویز کے لئے مخصوص زمین پر سے گزرتا ہے اور نئے نالے کے لیے جو جگہ مختص کی گئی ہے اس سے ریلوے کی پٹریوں کو تحفظ اور پھیلاؤ کو یقینی بنانے کے لیے مرکزی لائنوں کے اطراف میں سے خالی جگہ کو چھوڑنے کے قواعد وضوابط کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ریلوے نے متعلقہ

حکام کو اجازت نامہ منسوخ کرنے کے لئے کہا کہ اس سے ریلوے کی دوہری پٹریاں بچھانے کے مستقبل کے منصوبے میں مداخلت ہوگی اور پانی کے بہاؤ سے پٹریوں کو نقصان پہنچے گا۔

ادھر کے ایم سی نے سائٹ کا معائنہ کرنے اورحقائق کی تصدیق کے بعد ہدایات جاری کیں کہ اجازت نامہ منسوخ کردیا جائے۔ اس کے باوجود نالے کی تباہی کا کام جاری رہا یہاں تک کہ مقامی پولیس کو کاروائی کرنی پڑی تعمیراتی آلات اور مٹریل ضبط، اور مزدوروں کوحراست میں لے لیا گیا اور نالے کوتوڑنے کا کام بند کروا دیا گیا۔

اس پروے قصے سے عوامی مفاد کے کچھ اہم مسائل سامنے آتے ہیں یعنی:

معاملات کا نا شفاف ہونا، ضروری عوامی سہولیات ماسٹر پلان سے انحراف، ار ترقیاتی اسکیموں میں مداخلت، ہاؤسنگ سوسائٹیز اور بلڈرز مافیا کا کردار اور پبلک ریکارڈ تک رسائی۔

سندھ اسمبلی کی ترمیم 17بی کے تحت کواپرایٹوسوسائٹی کی رکنیت سازی، کھلی جگہوں کا غائب ہونا،عوامی مفاد کے معاملات میں پریس کا کرداراور ترقیاتی فنڈز کا غلط استعمال۔

نا شفاف عمل

1- یہ معاملہ منظور کے لیے 250رکنی کونسل کے سامنے نہیں رکھا گیا۔ یہ ایک ایسا مسئلہ تھا، جو پی ای سی ایچ اور کے ای سی ایچ ایس کے 20ہزار ٹیکس دہندگان پر اثر انداز ہو رہا تھا۔ ایک عوامی سہولت جو کہ ایم سی نے انہی کے پیسے سے بنائی تھی اسے ایک کمرشل پلازہ کی تعمیر کے لئے قربان کیا جا رہا تھا۔

2- اجازت نامہ جاری کرنے اورٹھیکہ دینے سے پہلے کے سی ایم اور پی ای سی ایچ ایس نے عوام سے اعتراضات طلب نہیں کئے۔ قاعدے کے مطابق پریس کے ذریعےعوام کی رائے طلب کی جانی چاہئے تھی، لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔

3- متعلقہ اداروں، یعنی پاکستان ریلویز اورمنسٹری آف ورکس سے نہ تو کے ایم سی اور نہ ہی پی ای سی ایچ ایس نے منظوری حاصل کی۔ یوٹیلٹی ایجنسیوں سے بھی رابطہ قائم نہیں کیا گیا تا کہ یہ علم ہوسکتا کہ اس کمپلیکس کی تعمیر سے گیس، ٹیلی فون اور بجلی

کی لائنیں تو متاثر نہیں ہو گی۔

4- تعمیراتی شعبہ اس طرح کی اسکیموں کی منظوری دیتے ہوئے اپنے سربراہ ادارے کے ایم سی کو نظر انداز کر دیتا ہے۔

ماسٹر پلان

اس حقیقت پر توجہ نہیں دی گئی کہ آیا نئی کوشش شہر کے ماسٹر پلان اور عظیم کراچی کی نکاسی آب کی اسکیموں سے مطابقت رکھتی ہے۔ جو عوامی خرچ پر غیر ملکی مشیروں سے تیار کرائی گئی ہیں۔

2- لازمی کھلی جگہوں، سبز پٹی اور راہگیروں کے لئے مخصوص علاقے کو کمرشل ایریا میں تبدیل کر کے پی ای سی ایچ ایس نے ٹاؤن پلاننگ کے بنیادی اصولوں کی خلاف ورزی کی ہے۔

3- کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹیوں کے لے آؤٹ پلان مکینوں کے علم میں لائے بغیر سوسائٹیوں کی انتظامیہ کی جانب سے، کے ڈی اے کے ماسٹر پلان اور تحفظ ماحول کے ادارے کے تعاون سے تبدیل کر دیئے جاتے ہیں۔

کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائیٹیز کا کردار

یہاں ان ہاؤسنگ سوسائیٹیز کی رکنیت کا مسئلہ آتا ہے۔قانون کے مطابق جو شخص کوآپریٹو سوسائٹی میں جائیداد خریدتا ہے اسے رکنیت حاصل کرنے سوسائٹی کے انتظامی امور میں حصہ لینے اور ووٹ دینے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ جبکہ جائیداد فروخت کرنے والے کو اس کا اختیار نہیں رہتا۔

ترمیمی ایکٹ 17-B کے تحت 1989ء میں سندھ اسمبلی نے سوسائیٹیز ایکٹ میں ترمیم کی منظوری دی تھی، لیکن سوسائیٹیز نے کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر اسے نافذ نہیں ہونے دیا اور مکینوں کو اپنی رہائشی علاقے کے امور میں حصہ لینے کے حق سے محروم رکھا۔

پی ای سی ایچ ایس اور کے ای سی ایچ ایس کے اولین ارکان یا تو بہت عرصہ ہوا اپنی جائیداد فروخت کر چکے ہیں وہ کسی اور علاقے میں منتقل ہو چکے ہیں یا دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں لیکن ان کے نام ابھی تک انتخابی فہرست میں موجود ہیں ان سوسائٹیوں کی

انتظامیہ کی جانب سے لے آؤٹ پلان میں تبدیلیوں اور کھلی جگہوں سے کی بے مہار کمرشلائزیشن کی بنیادی وجہ یہی ہے۔

سرکاری ریکارڈز تک رسائی

کے ڈی اے کے ماسٹر پلان ڈپارٹمنٹ اور خود کو آپریٹوں ہاؤسنگ سوسائیٹیز کی انتظامیہ علاقے کے مکینوں کو جو املاک کے مالک بھی ہیں لے آؤٹ پلان کی نقول اور دیگر معلومات اور دستاویزات فراہم کرنے سے انکار کردیتے ہیں۔ کے ڈی اے کی یہ بات ریکارڈ پر موجود ہے، کہ انہوں نے کے ای سی ایچ کے مکینوں کو یہ کہہ کر ریکارڈز فراہم کرنے سے انکار کردیا تھا کہ وہ لوگ سوسائٹی کے ارکان نہیں ہیں دریں اثنا کوآپریٹو اور کے ڈی اے نے منصوبوں کو تبدیل کردیا۔ یہ تبدیلیاں ماحول کے لئے ضرر رساں ہیں۔

سیبا گائیگی کے گودام میں دھماکہ

کچھ عرصہ قبل پاکستان میں قائم مشہور کیمیاوی ملٹی نیشنل کمپنی سیبا گائیگی کے سائٹ کے علاقے میں دھماکے سے گودام میں آگ لگ گئی وہاں 84 ٹن کیڑے مار دوائیں تھیں۔ جو سیبا گائیگی کی طرف سے کپاس اور گندم کی فصل کے لئے فراہم کی جانے والی تھیں۔ اس کی آتش زنی سے فضا میں زہریلی گیس پھیل گئی جس سے ماری پور، شیر شاہ کا علاقہ شدید متاثر ہوا۔ اس کے جلنے سے جو گیس خارج ہوئی وہ اس قدر کثیف تھی کہ ہوا اسے اڑا کر لے جانے سے قاصر رہی اس سانحے کے نتیجے میں گردو پیش کے علاقے کے مکینوں میں قے، خارش، دردسر، آنکھوں سے پانی نکلنا شدید صورت میں بے ہوشی کی شکایت پیدا ہوئی۔

ماحولیات سے متعلق ایک ادارے سے منسلک کیمیکل سائنس دانوں کا کہنا تھا کہ یہ زہریلی گیس کم سن بچوں کو بری طرح متاثر کرے گی اس لئے فوری طور پر انسدادی اقدامات کرنا چاہئیں۔

اتفاق یہ کہ سیبا گائیگی نے اس سانحے سے ایک روز قبل شہر کے صحافیوں کو ماحول کی بہتری کے لئے اقدامات کے بارے میں بتانے کے لئے اپنے ہاں دعوت دی تھی اور انہیں حال ہی میں نصب کئے گئے گندے پانی کی صفائی کا پلانٹ اور ڈرم کلینگ اسٹیشن

وغیرہ دکھایا تھا۔ جلنے والے کیمیائی مادے ایک روز قبل ہی وہاں ڈالے گئے تھے۔ کھلی دھوپ میں ان میں سے رطوبت ختم ہو گئی اور ٹھوس مواد نے آگ پکڑ لی۔

سکوپ نے حکام اعلیٰ کی توجہ اس حادثے کی طرف دلانے کے لئے انہیں تاریں دیں تا کہ اس کی اعلیٰ سطح تحقیقات کروائی جائیں۔ اس موقع پر یہ یاد دہانی بھی کروائی گئی کہ سیبا فیکٹری ایکسپلوسو ایکٹ (Explosive Act) کے تحت رجسٹرڈ نہیں ہے اور وہ پٹرولیم پر مبنی دھماکہ خیز کیمیائی دوائیں تیار کرتی ہے۔

نیز اس ماحولیاتی تنظیم کی جانب سے سیبا ایگرو کیمیکل فیکٹری کے خلاف صدر پاکستان کے نام اپیل میں نشاندہی کی گئی کہ سیبا گائیگی فیکٹری میں شدید زہریلی کیمیائی دوائیں تیار اور بلنڈ کی جاتی ہیں۔ سیبا فیکٹری کے قریب آٹے کی دو ملیں قائم ہیں جو انسانی تصرف کے لئے روزانہ 128 ٹن گندم پیستی ہیں۔ یہ آٹا سیبا کی فیکٹری سے خارج ہونے والے دھوئیں سے آلودہ ہو سکتا ہے۔ اس علاقے میں پاکستان انڈسٹریل گیسز لمیٹڈ قائم ہے جو مریضوں کے لئے آکسیجن اور ادویات کے لئے نائٹروجن تیار کرتی ہے۔ اس کے علاوہ ایئر فورس بیس ماری پور پر اہم تنصیبات ہیں اس ایئر بیس پر حادثے کی صورت میں فیکٹری کو آگ لگنے کا خدشہ ہر وقت موجود ہے۔

اسکوپ نے صدر پاکستان کے نام اپنی درخواست میں کہا ہے کہ ہم پاکستان کے لوگ لیبارٹری کے چوہے نہیں ہیں جہاں پہلی دنیا پانا زہریلا مواد ڈال کر معصوم لوگوں کی جانوں سے کھیلے سیبا گائیگی ان ملٹی نیشنل کمپنیوں میں سے ہے جو انتہائی زہریلی کیمیائی دوائیں استعمال کرتی ہیں جنہیں وہ قانونی پابندیوں اور عوامی گروہوں کے دباؤ کی وجہ سے اپنے ملکوں میں استعمال نہیں کر سکتی۔

اپنی درخواست میں سکوپ نے کہا کہ اس معاملے میں سیبا کی انتظامیہ، سائٹ ایسوسی ایشن تحفظ ماحول کی ایجنسی سندھ، وزارت صنعت کے متعلقہ شعبے کے خلاف عدالتی تحقیقات کروائی جائے کہ ایسی تباہ کن فیکٹری کو رہائشی علاقے کے نواح میں کام کرنے کی اجازت کیوں دی گئی۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ سیبا گائیگی کی فیکٹری کو فوری طور پر بند کر دیا جائے اور انتظامیہ سے کہا جائے کہ وہ تمام تباہ کن کیمیائی مواد شہری حدود سے باہر کسی دور دراز علاقے میں لے جائیں۔

ایسی تمام فیکٹریاں جو کیڑے مار دوائیں تیار کرتی ہیں یا بلنڈ کرتی ہیں انہیں شہروں اور قصبوں کی آبادیوں سے باہر منتقل کیا جائے۔

حادثے میں زخمی ہونے والوں کی نگہداشت اور علاج کا انتظام سیبا کے خرچ پر کیا جائے۔ اس اپیل کا ابھی تک کوئی اثر نہیں ہوا ہے۔

کیڑے مار دواؤں کے ڈھیر

ادویات اور دیگر کیمیائی مواد خصوصاً کیڑے مار دوائیں تیار کرنے والی فیکٹریاں مہلک کیمیاوی اخراج کے بارے میں احتیاطی تدابیر اختیار نہیں کرتیں۔ اسی قسم کی لاپروائی کی وجہ سے کچھ عرصہ قبل کراچی کے شیر شاہ کے علاقے میں کچرے کے ڈھیر کی صفائی کرتے ہوئے مزدور ہلاک ہو گئے۔ اس سے قبل سن 1981ء میں بند کے کسٹم میں لاوارث ڈرم پائے گئے جن میں زہریلا کیمیائی مواد بھرا ہوا تھا۔ یہ بیرل ایک یورپی ملک کے جہاز سے کراچی پہنچے تھے۔ جنہیں بعد میں کلفٹن کے قریب سمندر میں غرق کر دیا گیا۔ نیز ماحولیاتی تنظیم سکوپ نے انکشاف کیا کہ ملیر میں کیڑے مار کیمیائی مواد کھلے میں ڈال دیا گیا ہے جو انسانی زندگی کے لئے شدید نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔ اس دوران تحقیقات سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ متعلقہ حکام کی لاپروائی اور مفاد پرستی کی وجہ سے مغربی ممالک کی کیمیکلز تیار کرنے والی فیکٹریاں اپنے ممالک کے ماحول کے تحفظ کے لئے انہیں اپنے ملک سے نکالنے کی خاطر ترقی پذیر ممالک میں ایسے سستے میدانوں کی تلاش میں رہتی ہیں جہاں پر وہ اپنا زہریلا اخراج ڈال سکیں۔ مشاہدے میں یہ بھی آیا کہ پاکستان کے کچھ غیر ذمہ دار اور مغرب کے خود غرض افراد کے درمیان ایسے معاہدے طے پا گئے کہ کیمیاوی فضلے کو پاکستان منتقل کر دیا جائے گا۔ لیکن وہاں کی ماحولیاتی تنظیموں اور کسٹمز کے احتجاج کی بدولت ان جہازوں کو روانگی سے قبل ہی روک لیا گیا تھا۔

کیمیائی فضلے کے ڈھیروں کے بارے میں سکوپ کی تحقیق اور مطالعے کے مطابق گذشتہ 36 سال سے ملیر میں ایسے کیمیائی ڈھیر سے ملحقہ علاقوں میں رہنے والے سانس کی بیماریوں میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ تنظیم ن اس علاقے کے پانی کے نمونوں کا لیبارٹری ٹیسٹ کیا تو انکشاف ہوا کہ مذکورہ کیمیائی مادوں کی وجہ سے روزمرہ استعمال کا پانی آلودہ ہو چکا ہے۔

زرعی فصلوں کی صحت اور پیداوار بڑھانے کے لیے ہمارے ہاں کیڑے مار دواؤں کا استعمال ہو رہا ہے۔ 1981ء میں ملک بھر میں 905 میٹرک ٹن پیسٹی سائیڈ استعمال کیا گیا۔ جب کہ اس کی مقدار 1990ء میں 5247 ملین ٹن ہوگئی تھی۔

ملیر باغات کا علاقہ ہے شہر میں استعمال ہونے والی سبزیاں اور پھل، ملک کے وسطی اور شمالی علاقوں کے علاوہ ملیر سے بھی مارکیٹ میں لائے جاتے ہیں۔ نیز ملیر کے قریبی علاقے لانڈھی میں واقع بھینس کالونی سے شہریوں کو دودھ فراہم کیا جاتا ہے۔ ایک مطالعے مطابق سبزی منڈی سے حاصل کئے گئے سبزیوں اور پھلوں کے 145 نمونوں میں سے میں پیسٹی سائیڈ کے زہریلے اثرات پائے گئے۔ اس طرح لانڈھی سے حاصل کئے گئے دودھ کے نمونوں میں سے 75فیصد مضر اثرات پائے گئے جو جگر پھیپھڑوں، گردوں اور ذہنی بیماریوں کا سبب بن سکتے ہیں۔

پیسٹی سائیڈ کے اثرات کے بارے میں ایک تجزیے کے مطابق اگر یہ ماحول میں شامل ہو جائیں تو اس کے اثرات ہزاروں میل دور تک پہنچ جاتے ہیں۔ ڈی ڈی ٹی منطقہ منجمد شمالی کے رہنے والے اسکیموز میں بھی پائے گئے جبکہ انہوں نے کبھی اس زہریلے مواد کو دیکھا تک نہیں تھا۔ یہ اثرات دراصل درآمد کی جانے والی غذاؤں، پرندوں اور مچھلیوں کے ذریعے وہاں تک پہنچے کیوں کہ اور پرندے موسم سرما میں شمال کی شدید سردی سے بچنے کی خاطر جنوب کے گرم ممالک کی طرف ہجرت کرتے ہیں اور موسم کی تبدیلی پر اپنے علاقے میں واپس چل جاتے ہیں۔

ملیر کے کیمیاوی ڈھیر کے بارے میں سکوپ کے احتجاج پر متعلقہ سرکاری اداروں میں خاصی ہلچل مچی۔ اعلیٰ اونچی سطح ک اجلاس بلائے گئے تاکہ ملیر کے زرعی علاقے سے مہلک کیمیاوی ڈھیروں کو ہٹا دیا جائے۔ اس ضمن میں مقامی انتظامیہ اور صوبائی محتسب اعلی سے بھی رابطہ قائم کیا گیا ہے۔ لیکن جب اس قدر شور شرابے کے باوجود عملی قدم نہ اٹھائے گئے تو سکوپ نے عدالت میں درخواست دائر کروں کہ کھلے میں ڈالی گئی یہ کیمیا ملحقہ علاقوں کی آبادی کے لیے مہلک ثابت ہوسکتی ہے اور اس سے دیگر ماحولیاتی مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ اسی دوران اسکوپ کی طرف سے فراہم کی گئی اطلاع کے مطابق ملک بھر میں اس نوعیت کے 1900 کھلے گودام ہیں ان میں سے 3 کراچی میں ہیں۔ کراچی کے ان کھلے

گوداموں میں سے 2 سائیٹ کے علاقے میں اور ایک ملیر میں ہے۔

اسکوپ کے تجزیے کے مطابق کھلے عام ڈالے گئے کیمیائی مادے کچی زمین کے ذریعے زیر زمین پانی تک پہنچ کر اسے انسانی زندگی کے لیے ناقابل استعمال بنا دیتے ہیں۔

بلدیہ جنوبی کراچی

بلوچ کالونی

بلوچ کالون کا شمار شہر کراچی کی پرانی کچی آبادیوں میں ہوتا ہے۔ یہ بستی 1954ء کے دوران ضلع جنوبی میں کراچی ایڈمنسٹریشن ہاؤسنگ سوسائٹی سے ملحقہ تقریباً 7 ایکڑ رقبے پر آباد کی گئی تھی۔ اس بستی میں زیادہ تر بلوچ اور پٹھان خاندان مقیم ہیں۔

اڑتیس برس گذر جانے کے باوجود یہ بستی کچی آبادیوں میں شمار ہوتی تھی۔ سڑکیں اور سیوریج کا نظام ناپید تھا۔

بلوچ خواتین کی شکایت پر کوزز(KAWWS) نے ان کے علاقے کا پانی کا ٹیسٹ کروایا۔ کے ایم سی کی رپورٹ سے ظاہر ہوا کہ پینے کا پانی میں فضلا ملا ہوا ہے نیز سوریج کا پانی سڑکوں پر پھیلا رہتا تھا۔

خواتین تنظیم نے اس ضمن میں متعلقہ حکام سے رابطہ قائم کیا ابتداء میں بہت ساری دقتیں پیش آئیں۔ سب سے بڑا مسئلہ ی تھا کہ جب تک کالونی کو باقاعدہ طور پر پکی آبادی نہ بنا دیا جائے انہیں بنیادی سہولتیں فراہم نہیں کی جاسکتیں۔ اس ضمن میں تنظیم نے بلوچ خواتین کے ساتھ مل کر پریشر گروپ بنایا اور بلوچ کالونی کو پکی بستی بنانے کے لیے متعلقہ محکمے پر زور دینے کی کاروائی کی۔

تنظیم نے گھریلو خواتین اور محلے کے نوجوانوں کو اپنی اپنی گلیوں کی صفائی اور شجر کاری کی ترغیب سے خاصر خواہ کامیابی حاصل کی۔ سوسائٹی کی ایک گلی میں ایک نوجوان نے 5 ماہ کے عرصے میں 70 نیم کے درخت لگائے اور ایک مالی رکھا۔ اس نے اس دوران مٹی کھاد اور مالی کی تنخواہ کے لئے اپنے جیب خرچ سے 15 ہزار روپے خرچ کئے۔

کوزور نے 3 سال کے مسلسل دباؤ اور کوششوں کے نتیجے میں دو ہزار مربع گز کے پلاٹ پر خواتین کا پارک جس کا نام ویمن ویلفیئر پارک ہے قائم کیا اور بلدیہ جنوبی کو مجبور کیا

کہ وہ اسے خاطر خواہ ترقی دے۔اس کے علاوہ قصبہ مسجد کے قریب 2225 مربع گز کے علاقے میں بچوں کا پارک قائم کیا۔

سی پی برار سوسائٹی اور اور سیز سوسائٹی میں غیر قانونی تعمیرات

1985ء میں کراچی کے ضلع شرقی میں واقع سی پی برار سوسائٹی اور سیز سوسائٹی میں بلند بالا عمارتیں تعمیر ہوتا شروع ہوگئیں۔اس علاقے کے مکینوں کی انجمن فلاح و بہبود سی پی برار سوسائٹی نے کے ڈی اے اور بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی سے رابطہ کیا اور وقتاً فوقتاً ذمہ دار افسران بالا تک شکایات تحریری طور پر پہنچاتے رہے کہ اس علاقے میں غیر قانونی تعمیرات سے پہلے سے آباد لوگوں کے لئے بہت ساری مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔لیکن بلڈرز اور متعلقہ شعبے کی ملی بھگت کی بنا پر اس ضمن میں کوئی خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی۔اس صورت میں اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ ان کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جائے۔ انجمن نے کوز(KAWWS) وساطت سے ہائی کورٹ سے رجوع کیا۔جس کے نتیجے میں غیر قانونی تعمیرات مافیا کو شکست کا سامنا ہوا۔ چند تفصیلات اس طرح ہیں۔

اور سیز سوسائٹی کے پلاٹ نمبر 76/1 پر غیر قانونی تعمیر ''تاج ٹیرس'' کے مالکان قانونی منتقلی سے محروم ہیں۔اسی طرح سوسائٹی کی ایک غیر قانونی عمارت کو عدالت عالیہ کے حکم پر منہدم کر دیا گیا۔اس تین منزلہ زیر تکمیل عمارت کی تعمیر روک دی گئی۔ دس پلاٹوں کے الاٹمنٹس کالعدم قرار دے دیئے گئے کیوں کہ رہائشی پلاٹ پر تجارتی تعمیرات کروائی جا رہی تھیں۔

کوز کی جانب سے 1992ء میں انسانی حقوق کی بنا پر سپریم کورٹ میں ایک مقدمہ دائر کیا گیا کہ کراچی ایڈمنسٹریشن ایمپائز سوسائٹی اور دیگر ملحقہ رہائشی علاقوں یعنی پی سی ایچ ایس محمود آباد، بلوچ کالونی اور کشمیر روڈ کالونی میں سے 5 کھلے گندے نالے گزرتے ہیں اور یہ شہری سہولتیں فراہم کرنے والے اداروں کی غیر ذمہ داری اور بے اعتنائی کی ایک زندہ مثال ہے۔

یہ مقدمہ اپنی نوعیت کا منفرد مقدمہ تھا۔ جسے اخبار نویسوں نے تاریخی مقدمہ قرار دیا۔تنظیم نے کراچی کے شہریوں کے لئے صاف ستھرے ماحول کی خاطر متعلقہ بلدیاتی

اداروں سے رجوع کیا تھا لیکن ان کی طرف سے مایوسی کے بعد یہ قدم اٹھایا۔

اس مقدمے کی عدالتی کاروائی کے دوران یہ انکشاف ہوا کہ چونکہ اس علاقے کی ترقی کے اے سی ایچ ایس کی ذمہ داری تھی اس لئے منظور شدہ نقشے میں اضافے اور تبدیلیوں کے لئے بھی سوسائٹی کو مورد الزام ٹھہرا جائے کیونہ اس نے متعلقہ بلدیات اداروں سے ان کی از سر نو منظوری نہیں لی۔

تنظیم نے ایک اور مقدمہ پینے کے آلودہ پانی کے خلاف سپریم کورٹ میں ہی دائر کیا۔ اس مقدمے کی بھر پور پیروی کے لیے تصاویر اور پانی کی لیبارٹری ٹیسٹ کی رپورٹس پیش کی گئیں اور عدالت عالیہ کو باور کروایا کہ سیوریج اور پینے کے پانی کی لائنوں میں سوراخ ہونے کی وجہ سے پینے کا پانی آلودہ ہو رہا ہے۔

تنظیم کے فعال ہونے کا ایک ثبوت یہ ہے کہ اس کی جدوجہد کی وجہ سے سندھ کوآپریٹو سوسائٹیز ایکٹ کو موثر بنایا گیا کہ تمام پلاٹوں کے مالک سوسائٹی کی رکنیت کا حق رکھتے ہیں۔ تنظیم کے دائرہ کردہ مندرجہ بالا مقدمات کے نتیجے میں بلاک 5 میں مدنی مسجد سے ملحق پارک میں ایک بڑا زیر زمین پانی کا حوض بنایا گیا۔

تنظیم نے علاقے میں پانی کی کمی دور کرنے کے لئے مقدمہ صوبائی محتسب کی عدالت میں دائر کیا۔ جس کے نتیجے میں پانی کرنے کی پرانی 2انچ پائپ لائن تبدیل کر کے ان کی جگہ 3انچ چوڑی پائپ ڈالی گی اور اسے گٹر سے 3فٹ دور ڈالا گیا۔ نیز علاقے کی دیگر شکایات دور کرنے کے لئے بھی مثبت قدم اٹھائے گئے۔

صدف مال

پی ای سی ایچ ایس بلاک 2 میں علامہ اقبال روڈ اور خوشحالی رو کے سنگم پر صدف مال کے عظیم الشان منصوبے پر کام ہو رہا ہے، یہ مجوزہ شاپنگ مال ایک رہائشی اور کمرشل پراجیکٹ ہے جو پلاٹس نمبر 154اے بی اور سی پر تعمیر کیا جائے گا۔ یہ تینوں پلاٹ خالصتاً رہائشی علاقے میں واقع ہیں۔ واضح رہے کہ پی ای سی ایچ ایس کے ایریا آفس کو وفاقی منسٹری آف ورکس کی اجازت کے بغیر ان پلاٹوں کو کمرشلائز کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ جس نے اس پراپرٹی کو پٹے پر دے رکھا ہے۔ لیز کے معاہدے کی شق 7 کے تحت پی ای سی

ایچ ایس میں زمین کے استعمال میں کسی بھی قسم کی تبدیلی عوامی رائے لئے بغیر اور پٹے پر دینے والے ادارے سے واضح اجازت کے بغیر نہیں کی جا سکتی۔ پی ای سی ایچ ایس کی زمین کو مزید تحفظ کراچی بلڈنگ اینڈ پلاننگ ریگولیشنز شیڈول بی P ll کے ذریعے فراہم کیا گیا ہے۔ جس میں واضح قانونی ضابطوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے تعمیر شروع کردی گئی۔

کراچی کے شہریوں کی بدقسمتی یہ ہے کہ جو ادارے اس ضمن میں ان کے حقوق کے تحفظ کے لئے قائم کئے گئے تھے۔ ان کا کنٹرول ان لوگوں کے ہاتھوں میں ہے جو عوام کی بجائے منافع خوروں کو ترجیح دیتے ہیں۔

صدف مال کے سلسلے میں شک متعلقہ ادارے سے اجازت نامہ حاصل کیا گیا تھا۔ یعنی کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ نے تین منزلہ عمارت کی تعمیر کے لئے جو این او سی جاری کیا ہے اس کے مطابق صرف نصف انچ قطر کے پانی کے پائپ کی اجازت دی گئی ہے۔ اس این او سی کی شق نمبر 7 میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ این او سی صرف مالکان کے لئے جاری گیا ہے ڈیویلپر اور بلڈرز کے لئے نہیں۔

ان شرائط سے قطع نظر بلڈرز نے اپارٹمنٹس کی فروخت کے لیے اشتہارات دینے شروع کر دیئے۔ تفصیلات کے مطابق زیریں منزل پر چھوٹی بڑی 36 دکانیں ہوں گی۔ جن کا رخ علامہ اقبال روڈ اور خوشحال روڈ کی طرف ہوگا۔ تین پلاٹوں پر تین عمارتیں تعمیر کی جائیں گی۔ ہر ایک عمارت پانچ منزلہ ہوگی اور ہر عمارت میں 52 فلیٹس اور 156 باتھ رومز اور 52 کچن ہوں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ واٹر بورڈ کے الاٹ کردہ آدھا انچ قطر والے پائپ کے ذریعے تقریباً ایک ہزار افراد کی ضروریات پوری کی جائیں گی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت حال میں جب بنیادی سہولتوں کی فراہمی اس قدر قلیل ہے صدف کے بلڈرز اجازت حاصل کرنے میں کیسے کامیاب ہو گئے؟

کراچی بلڈنگ اتھارٹی کا این او سی حاصل کرنے سے پہلے مستقبل کے کسی تعمیراتی پراجیکٹ کو 26 شرائط پوری کرنی ہوتی ہیں۔ اہم شرائط میں سے واٹر بورڈ کے ای ایس سی اور سوئی گیس کے اجازت نامے حاصل کرنا شامل ہے ان سرٹیفکیٹس کی عبارتوں کا متن اکثر ایک دوسرے سے نہیں ملتا اور نہ ہی جو کچھ درحقیقت تعمیر کیا جاتا ہے اس سے مطابقت رکھتا ہے۔ صدف مال کے معاملے میں کے ای ایس سی اور واٹر بورڈ کے اجازت نامے دراصل

تین منزلہ رہائشی منصوبے کے لئے ہیں جبکہ بی سی ایے کا این او سی پانچ منزلہ کمرشل پراجیکٹ کے لئے ہے۔ تمام متعلقہ افسر اور محکمے اصل صورت حال سے واقف ہیں لیکن انہوں ے اس طرح آنکھیں بند رکھی ہیں، جیسے شہر میں ہونے والی اور بہت سی غیر قانونی بلند و بالا عمارتوں کے بارے میں کر رکھی ہیں۔ یعنی جو کچھ کاغذ پر ہے وہ اچھا ہے، لیکن جو درحقیقت تعمیر کیا گیا ہے وہ تعمیراتی ضابطوں کی خلاف ورزی ہے۔ یوں بھی بنیادی ضروریات پوری نہیں ہوتیں۔ پانی کی قلت کا پریشان کن مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے، بجلی بار بار جاتی ہے، نالیوں میں غلاظت بھر جاتی ہے، مناسب منصوبہ بندی کا فقدان، گنجان آبادی اور امن و امان کے مسائل بھی پیدا ہوتے ہیں۔

''شہری سی بی ای'' نے مذکورہ بے قاعدگیوں کی نشاندہی کرنے کے علاوہ علاقے کے مکینوں میں تقسیم کی جانے والی یادداشت میں یہ سوال پوچھا تھا کہ کیا آپ کے علاقے میں اس چھوٹے شہر کی جگہ ہے۔ کیا موجودہ شہری زیریں ڈھانچے کے لئے یہ قابل برداشت ہے؟ اسے اور مستقبل میں ہونے والی تعمیراتی خلاف ورزیوں کو روکنے کے لئے کمیونٹی کی جانب سے کاروائی ضروری ہے کیوں کہ شہری سہولتوں اور زیریں ڈھانچہ کی صورت حال پہلے ہی تشویش ناک ہے۔

کراچی کا زیر زمین پانی

عالمی ادارہ صحت (WHO) کے مطابق ہر سال ایک کروڑ سے زائد افراد پانی سے پیدا ہونے والی بیماریوں سے مر جاتے ہیں۔ ترقی پذیر مما لک میں پچھتّر فی صد ناقص اور آلودہ یا کھاری زمین پانی کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ پینے والے پانی میں دیگر اجزاء کی ملاوٹ کے پیش نظر یہ کہنا مشکل ہے کہ پینے کا عمدہ اور بالکل صاف پانی کب اور کیسے میسر آئے گا۔ ماہرین دو اسباب کی بنا پر کراچی میں زیر زمین سے نکلنے والے پانی کو پینے سے منع کرتے ہیں ایک تو اس کے کھاری پن کی وجہ سے دوسرے تحلیل شدہ ٹھوس مادوں کی بھاری مقدار کی بنا پر۔ یہ پانی ڈبلیو ایچ او کے مقرر کردہ معیار پر پورا نہیں اترتا۔ گذشتہ کچھ عرصے کے دوران ڈی ایے اور چند دوسری تنظیموں نے بارہا کراچی کی حدود میں پینے کے قابل پانی کی موجودگی کے بارے میں تحقیق کی ہے ہر مرتبہ یہ معلوم ہوا کہ کراچی کے جغرافیائی حالات کی وجہ سے

خواہ آپ کتنا ہی گہرا کنواں کیوں نہ کھودیں کراچی میں میٹھا پانی نہیں مل سکتا۔

تمام خطرات کو نظر انداز کرتے ہوئے کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ نے شہر کے تقریباً ہر حصے میں سو کنویں کھودنے کا لاکھوں روپے کی مالیت کا پراجیکٹ شروع کیا ہے تا کہ پانی کی تقسیم کے نٹ ورک میں متعدد کوتاہیوں پر قابوں پایا جاسکے اور شہر میں پانی کی قلت کو دور کیا جاسکے۔

ان سو کنوؤں میں سے تقریباً 9 شہر کے مشرقی حصے میں ہوں گے۔ 24 مغرب میں 16 شمالی حصے میں اور 11 کراچی کے وسطی حصے میں ہوں گے۔ ان تمام کنوؤں کو پانی کی مرکزی پائپ لائن سے ملادیا جائے گا جہاں سے بھاری موٹریں کنوؤں کا پانی کھنچیں گی اور اسے براہ راست واٹر بورڈ کے فراہم کردہ پانی میں ملایا جائے گا جو سندھ اور حب ڈیم سے حاصل کیا جاتا ہے۔

واٹر بورڈ کے متعلقہ حکام کا کہنا ہے کہ کنوں کے پانی کو لیباٹری میں جانچا جائے گا اور کم کھاری پانی کو براہ راست واٹر بورڈ کے فراہم کردہ پانی میں ملا دیا جائے گا۔ جبکہ کھاری پانی کو فلٹر کیا جائے گا۔ یہ جاننا محال ہے کہ کنوؤں کے پاس کتنے فلٹر پلانٹس ہوں گے اور ان کا خرچہ کون برداشت کرے گا یا پھر پانی کو واقعی فلٹر کیا جائے گا یا نہیں۔لیکن یہ بات ڈھکی چھپی نہیں کہ کراچی میں میٹھے پانی کا ایسا کوئی ذخیرہ نہیں جسے انسانی استعمال کے لیے موزوں قرار دیا جاسکے اگر کہیں ٹیوب ویل کے ذریعے ایسا پانی کھینچا جا رہا ہے تو وہ یا تو سیوریج کا ہے یا پائپ لائنوں میں شگاف پڑنے کی وجہ سے رس رس کر وہاں جمع ہو گیا ہے۔

یہ منصوبہ ان لوگوں کو خوفزدہ کرنے کے لیے کافی ہے جنہیں اس بات کا ذرا سا بھی احساس ہے کہ زمینی پانی کو پائپ لائن کے پانی میں ملانے کا نتیجہ کیا ہو گا۔ یہ شہریوں کی جانوں سے کھیلنے والی بات ہے کیوں کہ اس منصوبے پر عملدرآمد کے نتیجے میں پیدا ہونے والے خطرات سے کوئی بھی محفوظ نہیں رہے گا۔ کراچی کے زمینی پانی میں شورے کے علاوہ صاف کئے ہوئے سیورج اور صنعتی فضلہ میں تیزابی اجزاء کے علاوہ بھاری دھاتیں بھی شامل ہوتی ہیں۔

سردست واٹر بورڈ کے پاس فلٹریشن کا ایک ہی طریقہ ہے کہ وہ پانی میں کلورین ملا دیتے ہیں لیکن چند جراثیم ایسے ہوتے جنہیں کلورین بھی ختم نہیں کرسکتی محققین نے حال

ہی میں دریافت کیا ہے کہ پینے کے پانی میں کلورین شامل کرنے کے کچھ انتہاء منفی اثرات بھی مرتب ہوتے ہیں کیوں کہ یوں نامیاتی مادے کے انتہائی چھوٹے ذرے کیمیاوی عمل میں تبدیل ہو کر مضر صحت اجزاء پیدا کرتے ہیں جن کے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ وہ سرطان یا پیدائشی معذوری کا سبب بنتے ہیں۔

کراچی کے پانی پینے کی فراہمی میں اضافے کے لئے 150 ملین روپے مختص کئے گئے ہیں لیکن ماحولیاتی پر کام کرنے والی تنظیموں کے تجزیے کے مطابق کراچی میں تقسیم ہونے والا 45 فیصد پانی ناکارہ پائپ لائنوں کے رساؤ کی وجہ سے ضائع ہو جاتا ہے۔ مذکورہ رقم کو پائپ لائنوں کی مرمت اور تبدیلی پر صرف کیا جائے تو روزانہ 50 ملین گیلن پانی کی بچت ہوسکتی ہے جب کہ ٹیوب ویل لگانے سے کراچی واٹر بورڈ کے نیٹ ورک میں 30 ملین گیلن سے زیادہ اضافہ نہیں ہو پائے گا۔

استعمال شدہ پانی کا دوبارہ استعمال

کچھ عرصہ قبل رضا کاروں کے ایک گروپ نے مزار قائد کی حدود میں پودے لگانے کی مہم چلائی۔ لیکن ان کے لئے پریشانی کا بڑا سبب یہ تھا کہ پودوں کی خاطر خواہ پانی میسر نہیں ہوتا۔ بہرحال یہ کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ شہر بھی پانی کی قلت کا شکار ہے کراچی کی آبادی ایک کروڑ سے تجاویز کر چکی ہے اور اس میں 6 فیصد سالانہ کے حساب سے مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ آبادی کا یہ تیز رفتار اضافہ موجودہ وسائل جن میں تازہ میٹھا پانی بھی شامل ہے کی کمی کا بڑا سبب ہے۔

کراچی میں پانی کی قلت کی ایک وجہ تقسیم کا ناقص نظام بھی ہے۔ اس سے بڑھ کر غلط استعمال سے معاملہ مزید گمبھیر ہوگیا ہے۔ شہر میں 138 ملین گیلن (MGO) تازہ پانی کی روزانہ قلت محسوس کی جارہی ہے۔ بہرحال گھریلو استعمال کے لئے پانی کی فراہمی کو ترجیح دی جاتی ہے۔ جبکہ دیگر ضروریات کے لیے پانی کی فراہمی دوسرے نمبر پر ہے۔ جس کے باعث شہر کے سبزہ زار اور پارکس متاثر ہو رہے ہیں، نیز کچی آبادیاں ہمیشہ سے پانی کی قلت کا شکار رہیں۔ کراچی میں پہلے سے باغات اور پارکوں کی کمی ہے اور جو موجود ہیں ان کی مناسب دیکھ بھال نہیں ہو پاتی اور پانی کی قلت کے باعث پارکوں کے لئے منصوبے ختم

کروا دیئے جاتے ہیں۔

اس مسئلے کا ایک حل استعمال شدہ پانی کو صاف کر کے دوبارے استعمال بھی ہے۔ یہ پانی باغبانی کے لئے بخوبی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ کراچی میں استعمال شدہ پانی کو صفائی کے بعد دوبارہ استعمال کرنے کا آغاز سب سے پہلے 1994ء میں ہوا، جب ملیر میں ملٹری ڈیری فارم کے لئے یہ پانی استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ پلانٹ ابھی تک کام کر رہا ہے اس نوعیت کے سیوریج ٹریٹ منٹ پلانٹ کراچی، سکھر اور میر پور خاص میں بھی لگے ہوئے ہیں۔ البتہ ان کی خاطر خواہ نگہداشت نہ ہونے کے سبب ان پلانٹوں کی کارکردگی ناقص ہو گئی ہے۔

مذکورہ پلانٹ عام طور پر بیرون ملک سے درآمد کئے جاتے ہیں ایک تو یہ قیمت میں زیادہ ہیں، نیز انہیں چلانے کے لئے تکنیکی افرادی قوت موجود نہیں ہے۔ ایک معتبر ذرائع کے مطابق باہر سے منگوائے جانے والے سیوریج ٹریٹ منٹ پلانٹ کی لاگت 5 سے 10 میلن روپے سے جبکہ مقامی طور پر تیار کردہ پلانٹ 5 سے دس لاکھ روپے میں تیار ہو جاتا ہے۔

ایک محتاط تخمینے کے مطابق صاف کر کے دوبارہ استعمال کیا جانے والا پانی، ٹینکروں کے ذریعے پہنچائے جانے والے پانی سے سستا پڑے گا۔ فی الوقت کراچی میں کچھ نجی حلقوں یا اداروں کے لئے یہ سہولت موجود ہے مثلاً پاکستان بحریہ، زونل میونسپل کارپوریشن کے علاوہ چند نجی زمینوں کی سیرابی کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

لیکن اس پانی کے استعمال سے پہلے ٹریٹ منٹ پلانٹس کو چلانے والے تربیت یافتہ افراد کی ضرورت ہے ماہرین کی رائے میں اگر پانی کو مطلوبہ معیار تک صاف نہ کیا گیا تو پھر پانی میں موجود ضرر رساں اجزاء اور کیمیائی مادے زمین کی خاصیت کو تباہ کر دیں گے۔ نیز اس پانی میں جو کچھ اگایا جائے گا وہ انسانی صحت کے لیے مضر ہو گا۔

ایک رائے یہ بھی ہے کہ آلودہ پانی سے متعلق قانون سازی کے ذریعے کوالٹی کنٹرول بہت ضروری ہے۔ آلودہ پانی کو صاف کرنے والے پلانٹس کے آپریٹروں، مالیوں اور کسانوں کی صحت کے بارے میں کوئی معتبر ریکارڈ موجود نہیں ہے البتہ انفرادی سروے کے ذریعے یہ معلوم ہو سکا ہے۔ کہ پلانٹ سے منسلک افراد میں جلدی امراض، آنکھوں میں

جلن اور پیٹ کے امراض عام ہیں۔ نیز مذکورہ تکنیک عام کرنے سے پہلے عوام کو یہ بتانا ضروری ہے کہ یہ پانی صرف زرعی مقاصد کے لئے ہے۔

جاوداں —— سیمنٹ فیکٹری

کراچی کے نواح میں باچاخاں چوک سے منگھوپیر کی طرف جاتے ہوئے آسمان پر مٹی کی دبیز تہہ کے بادل نظر آتے ہیں اور جیسے جیسے ہب ڈیم اور بلوچستان کی طرف بڑھتے جائیں یہ بادل مزید گہرے ہوتے چلے جاتے ہیں اور اس کے ساتھ سانس لینے میں بھی دشواری محسوس ہونے لگتی ہے۔ یہ دراصل علاقے میں قائم کردہ جاوداں سیمنٹ فیکٹری سے نکلنے والا سیمنٹ ہے جو فضا کو آلودہ کردیتا ہے۔ 156ایکٹر رقبہ پر پھیلی ہوئی اس فیکٹری کی بنیاد 1961ء میں رکھی گئی تھی اور اس کی پیداوارسن 65میں شروع ہوئی۔اس وقت اس کا نام ولیکا فیکٹری تھا، بعد میں اسے حکومت کی قومیانے کی پالیسی کے تحت جاوداں سیمنٹ کا نام دیا گیا۔

جب یہ فیکٹری لگائی گئی تھی تو اس وقت یہ شہری آبادی سے 20 کلومیٹر دور تھی اس لئے اس کے منفی اثرات سے کراچی کے شہری اور گردونواح میں موجود دیہات کے مکین محفوظ تھے پھر بتدریج شہر پھیلنے لگا اور فیکٹری کے قرب وجوار میں نئی ہاؤسنگ اسکیموں کا آغاز ہوا۔ان علاقوں میں زیادہ تر پڑھے لکھے لوگ آباد ہوئے جنہیں اپنی صحت کے بارے میں تشویش لاحق ہوئی تو وہ اس علاقے میں گھر بنانے پر پچھتانے لگے۔ انہیں کھلی فضا کا جھانسا دیا گیا تھا لیکن فیکٹری سے خارج ہونے والے دھوئیں اور دھول نے ہر شے کو ڈھانپ رکھا تھا۔ بقول ایک شخص کے کہ درختوں کے پتے بھی پہلی نظر میں سفید نظر آتے ہیں۔ اس جگہ فیکٹری کے ملازمین کے مکانوں کے علاوہ متعدد کچی آبادیاں بھی بن چکی ہیں۔

پلانٹ کے گردونواح میں موجود علاقے بالخصوص نارتھ کراچی سیکٹر 1-10-11اے اور بی، نارتھ ناظم آباد کے بلاک ایس۔ٹی اور کیو۔ گلزار آباد، پختون آباد، مشکی پاڑہ، مکرانی گوٹھ، حاجی محمد گوٹھ، حاجی کالوجی، اللہ بچایو گوٹھ اسٹاف کالونی، سلطان آباد، یعقوب شاہ بستی، حاجی اللہ بخش گوٹھ، چشمہ، نصرت بھٹو کالونی، کوارے کالونی اعوان کالونی، خواجہ اجمیر

نگری اور منگھو پیر گوٹھ سب سے زیادہ متاثر علاقے ہیں۔

علاقے کی 15لاکھ سے زائد آبادی نہ صرف فیکٹری سے نکلنے والے دھوئیں اور دھول ملکہ کاربن ڈائی اکسائیڈ، ہائیڈرو کاربن، سلفر، نائٹروجن اور دیگر زہریلی گیسوں کے صحت پر مضر اثرات سے فکر مند ہے۔

عوامی شکایات پر ادارہ تحفظ ماحولیات سندھ نے فیکٹری سے نکلنے والے دھوئیں کے بارے میں فیکٹری کی انتظامیہ سے وضاحت طلب کی۔ ان کی جانب سے لکھے گئے خط کے مطابق قومی ماحولیاتی کوالٹی اسٹینڈرڈ کے تحت فیکٹریوں کا مقررہ اصولوں اور قوانین پر عمل پیرا ہونا لازمی ہے۔ اس میں ہدایت کی گئی کہ مذکورہ قوانین پر عمل کیا جائے اور فیکٹری سے خارج ہونے والی آلودہ دھول پر کنٹرول کیا جائے۔ جاوداں فیکٹری کی انتظامیہ نے جواباً لکھا کہ فیکٹری سے نکلنے والی مٹی کی تہہ مقررہ قانون کے دائرے میں ہے اور پر کنٹرول کے لیے فیکٹری کے پیداواری یونٹوں میں نصب مطلوبہ نظام بہتر طور پر کام کر رہا ہے۔ ادارہ تحفظ ماحولیات کے پاس اس جواب کو تسلیم کرنے کے وسا کوئی چارہ نہ تھا کیوں کہ اخراج کو ناپنے کا کوئی معیار مقرر نہیں ہے۔ لیکن اسے جانچنے کے لیے کسی جدید آلہ کی ضرورت نہیں کیونکہ فضا میں اس میں موجودگی اس کی گواہی دیتی ہے کہ اس سے آلودگی پیدا ہوتی ہے۔

ایک محتاط اندازے کے مطابق فیکٹری سے انسدادی نظام کے باوجود روزانہ 20 سے 30 ٹن سیمنٹ خارج ہوتا ہے۔ جس سے ایک طرف مالی نقصان ہو رہا ہے دوسری طرف عوام کی صحت برباد ہو رہی ہے۔ جبکہ ضائع ہونے والے سیمنٹ کو بڑے تھیلوں میں محفوظ کر کے لاکھوں روپے کمائے جا سکتے ہیں اگر کرش کو ڈھانپا جائے تو فضائی آلودگی پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

علاقے میں پریکٹس کرنے والے ایک ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ ان کے پاس آنے والے مریضوں میں سے 90فیصد سانس کی بیماریوں میں مبتلا ہیں ان کے پھیپھڑے اور سینے دھول سے کٹ چکے ہیں۔ گلے میں خراش اور سانس لینے میں دشواری عام شکایت ہے۔ دمہ اور شدید کھانسی کی شکایت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ جن علاج اینٹی بایوٹیکس سے کیا جاتا ہے مگر فضائی آلودگی کی وجہ سے مرض بار بار لوٹ آتا ہے۔

کچھ عرصہ قبل لوگوں سے فیکٹری کی انتظامیہ کو حفاظتی نظام لگانے پر مجبور کرنے

کے لئے مظاہرہ بھی کیا تھا۔ مگر مظاہرین جن کی خاصی تعداد فیکٹری میں کام کرتی ہے انہیں ملازمت سے سبکدوش کئے جانے کا خطرہ لاحق ہو گیا تھا اس لئے وہ لوگ خاموش ہو گئے۔

کچرا ٹرین

کراچی میں کچرا ٹرین کا شور خاصے عرصے سے سنا جا رہا ہے لیکن یہ منصوبہ اب تک ایک مذاق نظر آ رہا ہے۔ کچرا ٹرین کا مطلب کوڑا اٹھانے کی ذمہ داری ایک ایسی وفاقی ایجنسی کو سونپنا ہے جو پہلے ہی بھاری خسارے میں جا رہی ہے اور اپنی مسافر ٹرینوں کو بروقت نہیں چلا سکتی۔

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ کچرے کو جمع کرنے اور اس کی نقل وحمل کے انتظام کی لاگت اور کارکردگی، کچرا چڑھانے اور اتارنے کے عمل کی تعداد کے تناسب سے ہوتی ہے۔ ان دنوں دنیا بھر میں کے ترقی یافتہ ممالک میں سب سے زیادہ موثر اور کم خرچ نظام ٹرکوں کا استعمال ہے جن کے ذریعے گھر گھر جا کر کوڑا جمع کیا جاتا ہے جو اس کچرے کو براہ راست لے جا کر مقررہ جگہوں پر ڈال دیتے ہیں۔ کچرا ٹرین کو متعارف کرانے سے کوڑا چڑھانے اور اتارنے کی ایک اضافی کاروائی متعارف کرائی جائے گی۔ چنانچہ گھر سے لے کر گڑھوں تک 4 مرتبہ کچرے کو چڑھایا اور اتارا جائے گا۔ یعنی پہلے گھر سے جمعداروں کی ٹرالی تک پھر جمعداروں کی ٹرالی سے کمیونٹی کے کوڑا دانوں تک۔ اور ریلوے کے نکاس کے مقام تک۔ یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ شہر بھر کا کچرا، ٹرین پر چڑھانے سے پہلے جہاں جمع کیا جائے گا اس کے اردگرد کے ماحول کا کیا حشر ہو گا کیونکہ ریلوے کا مجوزہ لوڈنگ اسٹیشن شہر کے گنجان آباد علاقے میں واقع ہے۔

کراچی والوں کے لئے مسئلہ خاصا گھمبیر ہو چکا ہے یہ صرف اس صورت میں حل ہو سکتا ہے جب بلدیہ کے خاکروب ایمانداری سے کام کریں اور کچرا گاڑیاں باقاعدگی سے کوڑا دانوں سے کچرا اٹھائیں۔ لیکن اصل مسئلہ جن کو حل کرنے کی ضرورت ہے وہ بدعنوانی اور رشوت ہے۔ پٹرول بچانے کی خاطر گاڑیاں جتنے پھیرے لگاتی ہیں اس سے کہیں زیادہ دکھائے جاتے ہیں اگر ان خرابیوں کی روک تھام کی جائے تو یہ مسئلہ کچرا ٹرین کے بغیر بھی حل ہو سکتا ہے۔

یہاں پر ایک مطالعے کے نتائج پیش کئے جا رہے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک شخص اپنی مدد آپ کی بنیاد پر فیڈرل ایریا کے ایک گنجان آباد محلے میں کس طرح 25روپے ماہانہ کے معمولی خرچ پر کامیابی سے گھر گھر جا کچرا جمع کرتا ہے۔

اس میں فیڈل بی ایریا کے دو اوسط آمدنی والے بلاک شامل ہیں جہاں مقامی علاقے کا ایک رضا کار 1988ء سے یہ پروگرام چلا رہا ہے اس کے لئے اس نے دو سیکنڈ ہینڈ سوزوکی پک اپ خریدیں اور ان میں گنجائش بڑھانے کے لیے دھات کی چادریں لگائیں۔ اس علاقے کے ایک ہزار گھروں کو خطوط کے ذریعے اس پروگرام سے آگاہ کیا گیا اور ان سے مجموعی طور پر پندرہ ہزار روپے ماہانہ طلب کئے گئے پھر اس نے 80ہزار کی لاگت سے ایک بڑا ٹرانسفر اسٹیشن قائم کیا۔ چھ سال کے عرصے سے گھر گھر جا کر کچرا جمع کیا جاتا ہے۔

اب اس علاقے میں کہیں بھی کچرا بکھرا ہوا نظر نہیں آتا جبکہ کراچی میں یہ ایک عام منظر ہے کہ کچرا کنڈیوں کے ارد گرد کوڑا پھیلا رہتا ہے۔ مذکورہ تنظیم کا ایک کام کنڈیوں کے ارد گرد پھیلے ہوئے کچرے کو ان کے اندر ڈالنا ہے اور یہ کچرا کے ایم سی کے ٹرک اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ علاقے کے مکینوں کے تعاون سے ڈرائیوروں، خاکروبوں کی تنخواہیں پٹرول اور تیل کی لاگت اور دیگر اخراجات جمع کی ہوئی رقم سے ادا کئے جاتے ہیں اس کے علاوہ کچرے سے ری سائیکل کی جانے والی اشیاء الگ کر کے فروخت کر دی جاتی ہیں۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کام کرنے والے ایسے شخص کی ذاتی وابستگی ضروری ہے جو بدعنوانی کو ختم کرے۔ دوسرے الفاظ میں کراچی کو صاف ستھرا رکھنے کے لئے کچرا ٹرین کی ضرورت نہیں بلکہ اس وقت بلدیہ عظمیٰ کے پاس موجود گاڑیوں اور افرادی قوت کو بہتر اور باقاعدہ طور پر استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔

توانائی کا کھیل

ہمارے ملک میں توانائی کی کمی کو پورا کرنے کے لئے بیرونی سرمایہ کاری کو بروئے کار لایا جا رہا ہے۔ جس کی مدد سے کراچی اور اس کے گردونواح میں پاور پلانٹ لگائے جائیں گے۔

کراچی میں پہلے سے موجود 5 پاور پلانٹ 1500 میگاواٹ بجلی روزانہ مہیا کرتے ہیں۔ جبکہ شہر میں بجلی کی ضرورت 1400 میگا واٹ ہے نیز مستقبل میں اضافی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے حب پاور پلانٹ تعمیر کیا جا رہا ہے جو 1996ء میں مکمل ہو جائے گا۔ اگر شہری کی ضرورت 6.9 فیصد سالانہ بڑھتی رہے تو بھی سن 2000ء تک مزید 800 میگا واٹ اضافی بجلی کی ضرورت پڑے گی جبکہ پاور پلانٹ سے 1292 میگا واٹ بجلی پیدا ہو گی۔

درحقیقت اصل مسئلہ بجلی کی تقسیم اور سپلائی کا ہے۔ بجلی کی پرانی وائرنگ اکثر بریک ڈاؤن کا سبب بنتی ہے جس کے باعث 30 فیصد بجلی صارفین تک پہنچنے سے پہلے ہی ضائع ہو جاتی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ پاور پلانٹ کراچی میں کیوں لگائے جا رہے ہیں؟ ایک تھرمل پاور پلانٹ میں کم از کم 250 ٹن پانی فی میگا واٹ بجلی پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کراچی بحیرہ عرب کے ساحل پر واقع ہے پاور پلانٹ کے ٹربائین کو ٹھنڈا کرنے کے لیے سمندری پانی کو بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔ اس طرح نیشنل گرڈ اسٹیشن سے منسلک ہو کر ملک کے دیگر حصوں کو بجلی مہیا کی جا سکتی ہے۔ لیکن کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ صوبہ سرحد اور پنجاب میں پانی کے ذخائر کے قریب بجلی گھر تعمیر کر کے مقامی آبادی کی ضرورت پوری کی جائے۔ اس طریقے سے 30 فیصد بجلی کے زیاں کو بچایا جا سکتا ہے اور مقامی صورت حال بہتر ہو سکتی ہے۔ اگر مجوزہ بجلی گھروں پر غور کیا جائے تو تمام بجلی گھر کو گھیرے میں لے لیں گے مثلاً 660 میگا واٹ کا بجلی گھر نارتھ کراچی، ندی کے کنارے 1292 میگا واٹ کا (زیر تعمیر) اور 700 میگا واٹ کا مجو بجلی گھر 196 میگا واٹ کا گڈانی 117 میگا واٹ کا ہاکس بے 110 میگا واٹ کا ماری پور 125 میگا واٹ کا کورنگی ٹاؤن 288 میگا واٹ کا کورنگی کریک اور 800 میگا واٹ کا بجلی گھر پورٹ قاسم پر تعمیر کیا جائے گا اور یہ تمام بجلی گھر ایندھن کے طور پر تیل استعمال کریں گے۔ اس کے علاوہ 463 میگا واٹ کا ایک بجلی گھر منوڑا پر قائم ہو گا جس میں گیس استعمال کی جائے گی۔ سردست پانچ بجلی گھر ہاکس بے، ابراہیم، حیدری، کورنگی اور ریپورٹ قاسم پر قائم ہیں۔ شہر کراچی ان بجلی گھروں کے نرغے میں ہے اور جو پہلے ہی آلودگی میں مبتلا ہے مجوزہ بجلی گھروں کی تکمیل کے بعد آلودگی کی صورت حال مزید بگڑ جائے گی۔

حکومت پاکستان نے نیشنل انوائرنمنٹل کوالٹی اسٹینڈ بورڈ (NEQS) پر عملدرآمد

شروع کیا ہے۔ یہ قانون مجوزہ بجلی گھروں پر بھی عائد ہوگا بجلی گھر کے ماحولیاتی اثرات کی رپورٹ 1993ء میں NEQS کے تمام متعلقہ محکموں کو بھجوائی گئی تھی۔ لیکن حکومت نے اس رپورٹ کے باوجود ورلڈ بنک اور این ای کیو ایس کے معیار میں مطابقت پیدا نہیں کی۔ بہر حال یہ کوشش کی جارہی ہے کہ مذکورہ قانون کو ورلڈ بنک کے معیار کے مطابق لایا جائے۔

اس وقت مارکیٹ میں دستیاب تیل میں کم از کم 3.5 فیصد سلفر اور جلنے کی صورت میں 7 فیصد سلفر ڈائی آکسائیڈ پیدا ہوتا ہے۔ مزید براں سلفر کے ساتھ جلتا ہوا تیل ایسے اجزا پیدا کرتا ہے جس سے ماحول پر برا اثر پڑتا ہے۔ جن میں کیڈ میم، نکل، کیڈ میم برلامئیم اور دیگر 100 اجزاء فی ملین ٹن شامل ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر بجلی گھر ایک ملین ٹن تیل جلاتا ہے تو اس سے جو زہریلا مواد پیدا ہوگا وہ ماحول کو مکدر کردے گا۔

کراچی پہلے سے اسٹیل مل آئل ریفائنریز بھاری اور ہلکی صنعتوں، ڈیزل سے چلنے والی گاڑیوں، ہوا جہاز، ریلوے، بحری جہاز، سڑکوں اور گھریلو فضلے کی زد میں ہے بھلا مستقبل میں اس کا کیا حشر ہوگا۔

ہالیجی جھیل کی آبی حیات

کراچی کے مشرق میں نیشنل ہائے وے پر تاریخی مقام ٹھٹھہ سے پہلے 1700 ایکٹر رقبہ پر پھیلی ہوئی جھیل ہمارے قدرتی ورثہ کا ایک شاہکار ہے اس کا قطر 13.9 میل یا 23 کلومیٹر ہے پانی کی گہرائی 7 سے 28 فٹ تک ہے یعنی جھیل کے کناروں کے قریب 7 فٹ اور وسط میں 28 فٹ ہے۔

ہالیجی سے قرب وجوار کے تقریباً 500 دیہات کے ہزاروں مکین مستفیض ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ کراچی کو پانی فراہم کرنے والے بڑے ذرائع میں یہ سب سے بڑا اور بہتر وسیلہ ہے اس جھیل سے کراچی کی آدھے سے زائد آبادی اور کپڑے کے کارخانوں کو پانی فراہم کیا جاتا ہے جبکہ دیگر دو ذرائع میں ملیر اور ڈملوئی کے مقام پر واقع میٹھے پانی کے 12 کنویں اور حب ڈیم شامل ہے۔

اس جھیل کی اہمیت کی ایک وجہ موسم سرما میں سائبیریا سے آنے والے مختلف اقسام کے پرندے ہیں جو سائبیریا میں برفباری کے باعث ہجرت کر کے انڈس فلائی روٹ

کے ذریعے یہاں پناہ گزیں ہوتے ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ہر سال آنے والے پرندوں کی تعداد 70 ہزار کے قریب ہوتی ہے قازقستان، ہندوستان اور سندھ پہنچنے والے ان پرندوں میں ہنرک، آڑی اور چیکو وغیرہ شامل ہیں۔

1971ء اور 1977ء میں جھیل کو پرندوں کی پناہ گاہ (Game Sanctuary) قرار دیا گیا سندھ وائلڈ لائف پروٹیکشن آرڈی نینس کی شق 14 کے تحت اسے جنگلی حیات کی پناہ گاہ بھی قرار دیا گیا تھا۔ یہ جھیل بین الاقوامی قدرتی آبی ذخائر کی فہرست میں بھی شامل ہے جنہیں انسانی مداخلت سے محفوظ قرار دیا گیا ہے پاکستان کی جانب سے ایسی 9 جگہوں کو باقاعدہ نشاندہی کے بعد اس فہرست میں شامل کیا گیا تھا۔ جن میں ہالیجی جھیل بھی شامل ہے۔

پاکستان نے 1976ء میں رامسر کنونشن میں شرکت کر کے بین الاقوامی معاہدے پر دستخط کئے تھے جس کے تحت ایسے قدرتی ورثے کو مکمل تحفظ دیا جا سکے۔ تاکہ وہاں پر موجود زندگی اور نظاروں کو محفوظ کیا جا سکے گا۔ اس کنونشن میں معاہدے پر دستخط کرنیوالے ممالک کو پابند کیا گیا کہ وہ ایسے آبی ورثہ اور ہجرت کرنے کے آنے والے پرندوں کی حفاظت کے مکمل انتظامات کریں گے اور اس نوعیت کے فطری اور تاریخی اہمیت کے حامل آبی ذخائر کو مکمل تحفظ فراہم کریں گے۔

علاوہ ازیں پاکستان بون کنونشن اور سائٹس کنونشن پر دستخط کرنے والوں میں شامل ہے جن میں ہجرت کرنے والے پرندوں کو تحفظ کی یقین دہانی شامل تھی۔ اور پاکستان نے ایسے معاہدوں پر دستخط کر کے اس کا وعدہ کیا تھا۔

عوام کی جانب سے ہالیجی جھیل کو پہنچنے والے نقصان کے مدنظر 1975ء میں اس مسئلے پر کھل کر بات کی تھی، عوامی حلقوں کے دباؤ کے پیش نظر اس وقت کی حکومت نے جھیل پر پرندوں کے علاوہ مچھلی کے شکار اور کھلے عام نیلام پر پابندی عائد کر دی تھی۔

حالانکہ سندھ وائلڈ لائف ایکٹ 1972ء میں مچھلی کے شکار پر پابندی کا ذکر نہیں ہے۔ اس وقت کی حکومت نے جھیل کو عالمی معیار کے مطابق ڈھالنے کے لئے نہ صرف مچھلی کے شکار پر پابندی لگائی بلکہ یہ قرار دیا گیا کہ اس جھیل کی اہمیت اور افادیت تعلیمی اور تحقیقی مقاصد کے لئے وقف ہو گی اور اسے ان مقاصد کے علاوہ کسی اور استعمال میں نہیں لایا

جائے گا۔ اس ضمن میں تمام متعلقہ محکموں کو حکم نامے کی صورت میں مطلع کر دیا گیا کہ جھیل میں شکار کے حقوق نیلام نہ کئے جائیں، انتظامی امور ادارہ ترقیات کراچی کے پاس رہنے دیئے گئے، اور جھیل کے تحفظ کے لیے وہاں اسٹاف تعینات کر دیا گیا۔ اسے ہدایت کی گئی کہ وہ محکمہ وائلڈ لائف کے ساتھ تعاون کرے اور خلاف ورزی کرنے والے کو مروجہ قوانین کے تحت سزا دی جائے۔

یہ پابندی پندرہ سال تک قائم رہی مگر حکومت سندھ کے محکمہ کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ نے 1992ء میں ایک شخص کو مچھلی کے شکار کا تجارتی اجازت نامہ جاری کر دیا اسے ایک سال کا ٹھیکہ 9لاکھ روپے میں دے کر عالمی اہمیت کے حامل اس فطری آبی ذخیرے اور تاریخی ورثے میں موجود آبی حیات و تباہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن عوامی دباؤ اور سکوپ کی چیخ وپکار کے بعد حکومت نے مذکورہ ٹھیکہ منسوخ کر دیا۔ چونکہ ٹھیکہ دینے والا ادارہ اس کا مجاز نہ تھا اس لئے مذکورہ این جی او نے اس ٹھیکے کے خلاف ہائی کورٹ میں رٹ داخل کر دی۔ رٹ میں کہا گیا کہ سندھ وائلڈ لائف ایکٹ (ترمیم شدہ) 1990ء کی شق 14 کے تحت ہالیجی کو جنگلی حیات کی پناہ گاہ قرار دیا گیا ہے۔ اور موجودہ ٹھیکے سے وہاں آبی حیات کو شدید خطرہ لاحق ہے اس سے قومی اور تاریخی ورثے کو نقصان پہنچے گا۔

حکومت سندھ نے ہالیجی جھیل کے مسئلے کو حل کرنے کے لئے ایک اور آرڈی نینس سندھ وائلڈ لائف پروٹیکشن آرڈی نینس 1992 (ترمیم شدہ) جاری کیا جس کی شق 2 (این) میں پرندوں اور مچھلی کا اضافہ کر دیا گیا۔ اب ایکٹ کی شق 14 اور ذیلی شق کے تحت جنگلی حیات کی پناہ گاہ میں آبی ذخیرے کو ٹھیکے، نیلام، یا کسی اور مقصد کے لی استعمال نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر آرڈی نینس سے پہلے کوئی ایسا معاہدہ کیا جا چکا ہے تو وہ آرڈی نینس کے جاری ہونے کے بعد ختم سمجھا جائے۔

بھینس کالونی

کراچی کی لانڈھی کے علاقے میں بھینس کالونی 1965ء میں اس مقصد کے لئے قائم کی گئی تھی کہ مویشیوں کو شہری آبادی سے باہر رکھا جائے تا کہ شہری آبادی آلودگی سے پاک رہے اور صحت بخش دودھ کی فراہمی کو یقینی بنایا جا سکے۔

قیام کے وقت بھینس کالونی 379 ڈیری فارمز کے لیے بنایا گیا تھا۔ جس کی تعداداب 850 سے تجاوز کر چکی ہے۔ اس علاقے میں 85 ہزار بھینسیں اور تین ہزار گائیں ہیں اس کالونی سے کراچی شہر کو روزانہ ڈیڑھ ہزار ٹن گوشت 4 لاکھ 80 ہزار کلو گرام دودھ اور دو ہزار کھالیں فراہم کی جاتی ہیں۔

آئی یو سی این کے ایک سروے کے مطابق بھینسوں سے زیادہ اور تیز رفتار دودھ حاصل کرنے کے لیے انہیں ہارمونز کے انجکشن لگائے جاتے ہیں ہارمونز کے روزانہ استعمال سے مویشوں کی افزائش نسل کا عمل رکنے اور ان کے بیضہ دانوں میں خرابی پیدا ہونے کا خدشہ لاحق ہوتا ہے اور اس کے مضر اثرات بھینس کے دودھ میں شامل ہو کر انسانی صحت کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ ہارمونز کے یہ انجکشن ارزاں قیمت پر با آسانی دستیاب ہیں۔

بھینس کالونی حفظان صحت کا یہ عالم ہے کہ مویشیوں کے رہنے کی جگہ نہایت غلیظ ہے نہ ان کی چہل قدمی کا کوئی انتظام ہے اور نہ ہی ان کی جسمانی صفائی کا خیال رکھا جاتا ہے۔ چونکہ پوری بھینس کالونی کے لیے حکومت کے مقررہ کردہ حیوانوں کی صحت کی نگہداشت کے لیے صرف دو انسپکٹر مقرر ہیں اور اس لیے وہ اپنے فرائض سرانجام دینے سے قاصر ہیں ان یونٹوں کے کارکن بیماریوں کی شناخت ان کی روک تھام اور علاج معالجے کے بارے میں لاعلم ہیں۔ ڈیری فارم سے بیمار اور بوڑھی اور دودھ نہ دینے والی بھینسوں کو ذبح خانے میں بھیج دیا جاتا ہے اور ان کے گوشت پر معیار کی مہریں لگا دی جاتی ہیں۔

کراچی کے دیگر علاقوں اور اندرون سندھ سے مویشیوں کی لانڈھی کے بڑے مذبح خانے لایا جاتا ہے جہاں ہر روز 700 بھینسوں 300 گائیوں 3 ہزار بھیڑوں اور 3 ہزار بکروں کو ذبح کیا جاتا ہے ان کی کھالیں کورنگی میں چمڑا سازی کے کارخانوں کو بھیج دی جاتی ہیں اور خون اور اوجڑی وغیرہ ٹھیکے دار خرید لیتے ہیں۔

تحقیق کے دوران یہ علم ہوا کہ خون کا ذخیرہ کرنے کا ایک ٹینک ہے جسے حکومت کی ایک اسکیم کے تحت تعمیر کیا گیا تھا۔ اور جسے اس مقصد کے لئے اب تک استعمال نہیں کیا گیا۔ یہاں مردہ اور بیمار بھینسوں کو کاٹا جاتا ہے اور اس مکروہ کاروبار پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ صارفین اس گوشت کی حقیقت یا معیار سے قطعی ناواقف ہیں اس نا قابل قبول سرگرمی کو روکنے کے لیے ایک طرف قانون اور ضابطوں پر سختی سے عملدرآمد کرانا ضروری ہے تو

صارفین کی جانب سے متعلقہ اہلکاروں کا احتساب بھی کرنا چاہئے۔

پانی کی قلت، نکاس کی نامناسب صورت حال اور مویشیوں کی گنجائش سے زیادہ تعداد اور دیگر سے ضابطگیاں اس کالونی میں غیر صحت مند صورتحال کی بنیادی اسباب ہیں۔کالونی میں متعدد مقامات پر نالے بند ہیں جس سے مویشیوں اور صحت کو سنگین خطرہ لاحق ہے مویشیوں کا تقریباً 13 ہزار کلو گرام گوبر اور غلاظت ان نالوں میں موجود ہے جو کہ کورنگی سے گزر کر پانیوں میں گم ہو جاتی ہے۔

اس گندگی کے سمندر میں گرنے سے ساحلی علاقوں میں پانی پر ایک موٹی تہہ جم گئی ہے جو مچھلیوں اور آبی حیات کے لیے زہر کا کام کرتی ہے۔ جبکہ فضلہ بایو گیس بنانے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے کیونکہ کالونی کے صرف ایک چوتھائی صارفین کو قدرتی گیس کی سہولت حاصل ہے۔

ہسپتالوں کا فضلہ

ہسپتالوں سے نکلنے والا فضلہ، اس فضلے سے کہیں زیادہ امراض پھیلانے کا سبب بنتا ہے جو عمومی طور پر بلدیہ ٹھکانے لگاتی ہے۔ ہسپتال کے فضلہ کو تلف کرنے کے لیے انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے۔ کیوں کہ اس میں ہسپتالوں میں استعمال ہونیوالی سرنجیں، استعمال شدہ پٹیاں، خون، پیشاب کی تھیلیاں، سرجری، میں استعمال کئے گئے دستانے لیبارٹریوں سے خارج ہونے والی کیمیائی دوائیں، گلوکوز کی خالی بوتلیں اور عام باورچی خانے سے نکلنے والا کچھ کچرا شامل ہوتا ہے۔

کراچی میں ہسپتال کے فضلہ کو ٹھکانے لگانے کی پالیسی ہر ہسپتال نے اپنے طور پر اپنائی ہوئی ہے جو کسی طور ذمہ دارانہ اور محتاط نہیں۔ایک آدھ کو چھوڑ کر باقی تمام ہسپتالوں نے اس ضرر رساں فضلے کو تلف کرنے کے لئے ہسپتال کا صحن، کچرہ کنڈی یا کوئی کونہ وقف کر رکھا ہے جہاں ہسپتال سے جمع ہونے والا فضلہ پھینک دیا جاتا ہے۔ جن میں سے کچھ دوبارہ قابل استعمال اشیاء کباڑیوں کے ہاتھوں فروخت کردی جاتی ہیں۔ ایک سروے کے مطابق تقریباً 30 کباڑیے ہسپتالوں کے فضلے کا کاروبار کرتے ہیں ان میں زیادہ تر کا تعلق نیو کراچی، بوتل گلی اور افراسیاب کالونی اور لائٹ ہاؤس سے ہے۔ یہ لوگ استعمال شدہ سرنجیں

دوبارہ پیک کر کے فروخت کردیتے ہیں اس عمل سے متعدد افراد بالواسطہ اور بلا واسطہ بہت سے خطرات سے دوچار ہوتے ہیں۔

اس سلسلے میں کچرا جلانے والی حکومتی اسکیم خوش آئند ہے۔ جن کے معنی ہیں کہ ہسپتال سے خارج ہونے والے فضلہ کو احتیاطی اقدامات کے بعد ضائع کرنا ضروری ہے مگراس پالیسی پر عمل کرنے سے قبل کچھ اقدامات ضروری ہوں گے۔ ان میں ہسپتالوں کے اندر کچرے کو جمع کرنے کا مسئلہ سرفہرست ہے تاکہ اس کچرے کے جراثیم دوسروں تک نہ پہنچ پائیں۔ نیز اس کچرے کو جلانے سے پہلے ایسی اشیاء کو الگ کرلیا جائے جنہیں الگ سے جلا کر راکھ کردیا جائے تاکہ وہ کباڑیوں کے ہاتھوں تک نہ پہنچ سکیں۔ اس کے علاوہ پٹیوں وغیرہ کو بھی پلاسٹک کی تھیلیوں اور بوتلوں وغیرہ سے الگ کرکے جلایا جائے کیونکہ پلاسٹک کو جلانے سے جو زہریلی گیس پیدا ہوتی ہے وہ مضر صحت اور بعض اوقات مہلک ثابت ہوتی ہے کیونکہ یہ گیس ہوا کے مقابلے میں بھاری ہوتی ہے۔ اس لیے وہ زمین پر جمع ہوتی رہتی ہے۔ نیز پٹیوں وغیرہ کو جلانے کے لیے 500 سینٹی گریڈ حرارت کافی ہے جبکہ پلاسٹک کو تلف کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اسے 1200 سینٹی گریڈ حرارت میں جلایا جائے۔ تیسرا حل ایسی اشیا کو سٹرلائز یا فلٹر کرنا ہے جو مہنگا ہونے کے سبب ناقابل استعمال ہے۔ بہرحال یہ بہت اہم ہے کہ ہسپتالوں کے فضلے میں شامل مختلف اشیاء کو الگ الگ کرلیا جائے تاکہ ہر ایک کو اس کی خاصیت کے مطابق مناسب درجہ حرارت اور مناسب دورانیہ میں جلایا جائے۔ ہسپتالوں کے فضلے کی راکھ تلف کرنے کے لیے بھی شدید احتیاط کی ضرورت ہے تاکہ وہ ہوا کے ساتھ فضا میں شامل ہوکر آلودگی پیدا نہ کرے۔

ہسپتالوں کے فضلے کو جلانے کے لیے انسینی ریٹر (INCINERATOR) ٹیکنالوجی کا استعمال ناگزیر ہے لیکن کراچی کے صرف چند ہسپتالوں میں یہ سہولت میسر ہے کیوں کہ یہ ٹیکنالوجی بہت مہنگی ہے۔ مقامی طور پر تیار کئے گئے انسینی ریٹر کی قیمت 10 لاکھ سے 20 لاکھ روپے تک ہے اس کو چلانے اور راکھ کی نقل وحمل کے اخراجات الگ ہیں۔ یہ پلانٹ بجلی یا گیس پر چلائے جاتے ہیں۔ گیس پر چلائے جانے والے پلانٹ نسبتاً سستے پڑتے ہیں۔ فی الوقت یہ پلانٹ آغا خان یونیورسٹی ہسپتال، سول ہسپتال، جناح ہسپتال، کڈنی سینٹر اور لیاقت نیشنل کالج میں استعمال کئے جارہے ہیں۔ ان ہسپتالوں کے اہلکار اس پر متفق ہیں کہ

ہسپتال کے ضرر رساں فضلے کو تلف کرنے کے لیے یہ ایک بہترین ٹیکنالوجی ہے۔ جسے عام کرنے کی ضرورت ہے تا کہ چھوٹے ہسپتالوں اور کلینکس اسے حاصل کر سکیں۔ اس ضمن میں حکومت اور سرکاری اداروں یعنی EPAS کو دست تعاون بڑھانا چاہیے۔

سمندری آلائشیں

مچھلی سے لدی ہوئی کشتیاں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی خواہش میں تیز رفتاری سے مچھلی بندر کی طرف رواں دواں نظر آتی ہیں جہاں ٹھیکیدار اور کمیشن ایجنٹ ان کشتیوں کا انتظار کر رہے ہوتے ہیں۔ بندرگاہ پر پہنچتے ہی مچھلی نیلام کردی جاتی ہے۔

جونہی سودا مکمل ہو جاتا ہے مچھیرے پشتوں کی طرف بڑھتے ہیں جہاں کشتی اور جال یک مرمت ہوتی ہے کشتیوں کی ٹینکوں میں تیل بھرا جاتا ہے اور مچھلی کو تازہ رکھنے کے لیے بنائے گئے ٹینک میں برف بھر دی جاتی ہے۔ اس دوران مچھیرے اچھے موڈ میں ہوتے ہیں وہ خوب خوش گپی کرتے ہیں اور اگر موسم ٹھیک ہو تو وہ ایک بار پھر سمندر کا رخ کرتے ہیں۔

پاکستان ہر سال 3 سوملین روپے اس کاروبار سے کماتا ہے مگر اس کاروبار کا مستقبل زیادہ روشن نظر نہیں آتا کیوں کہ سمندری آلودگی کے روزافزاؤں بڑھتے ہوئے مسائل سے اس کاروبار کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔

ایک بوڑھا مچھیرا شکایت کرتا ہے ''صنعتکار زہریلا فضلا سمندر میں کیوں پھینکتے ہیں سمندری مچھلی ختم ہوتی جا رہی ہے میں اپنے اور اپنی بیوی بچوں کے گزر بسر کے لیے مچھلی کے شکار سے محروم ہوتا جا رہا ہوں۔ کیا کل سمندر میں اتنی مچھلی موجود ہوگی کہ میرا بیٹا اس کا شکار کر کے اپنے بچوں کا پیٹ پال سکے؟ آخر وہ کون سی وجوہات ہیں جن کی بنا پر پاکستان معیشت کا ایک بڑا اور اہم حصہ اور مچھیرے کا روزگار تباہ ہو رہا ہے۔

صنعتی اور گھریلو فضلہ

شہر کے تمام استعمال شدہ پانی سیوریج واٹر کہلاتا ہے جو بلا سوچے سمجھے سمندر میں ڈالا جا رہا ہے۔ اور اس کے آبی حیات پر مرتب ہونیوالے منفی اثرات کے بارے میں کوئی نہیں سوچتا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اس گدلے پانی کے اخراج کے لئے استعمال کی جانے

والی نالیاں اورنالے درحقیقت بارش کے پانی کے نکاس کے لئے بنائے گئے ہیں۔ بڑھتی ہوئی صنعت اورنگرانی نہ ہونے کے باعث تمام اقسام کا ضرر رساں پانی سمندر میں بہایا جارہا ہے سمندر میں شامل ہونے والے اس پانی کا رنگ گہرا ہے اور اس میں سے گندے انڈے جیسی بد بو آتی ہے مچھلی بندر کے قریب ایسی دو نالیاں ہیں جو دراصل برسات کے پانی کے نکاس کے لئے تھیں۔ جبکہ بلدیہ کراچی کا سوملین گیلن پانی بھی انہی ذرائع سے سمندر میں ڈالا جارہا ہے۔

پانی صاف کرنے کے پلانٹ

شہر میں دو سیوریج ٹریٹ منٹ پلانٹ ہیں جو صنعتی شعبے میں پیدا ہونے والے کل سیال فضلے کا 15 فیصد صاف کرنے کی استعداد رکھتے ہیں۔ پاکستان اسٹیل کے پاس اس نوعیت کا ایک پلانٹ موجود ہے۔ اس طرح انڈس موٹرز اور دیگر بڑی صنعتوں کو بھی یہ سہولت میسر ہے لیکن صنعتی اداروں کی ایک بڑی تعداد کارخانوں سے خارج ہونے والا فضلہ سیوریج لائنوں میں ڈال رہی ہے۔

کراچی کی دو ندیاں ملیر اور لیاری، صنعتوں، گھریلو اور تجارتی علاقوں سے نکلنے والے فضلہ اور دیگر زہریلے مواد کو سمندر میں پہنچا رہی ہیں لیاری ندی سے آنے والا پانی انتہائی ضرر رساں ہے اور اس میں شامل مواد کی کثرت کی وجہ سے سمندری پانی میں حل ہونے میں دشواری پیش آتی ہے چنانچہ سمندر میں کچرے کی تہہ جمتی جا رہی ہے مزید برآں اس کچرے سے تیز بو اور بھاپ فضا کو آلودہ کررہی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق اگر آج مزید کچرا، فضلہ سمندر میں ڈالنا بند کردیا جائے۔ تب بھی پہلے سے جمع ہونے والے کچرے سے آئندہ کئی برسوں تک زہریلا کیمیاوی مواد خارج ہوتا رہے گا۔

ٹھوس اخراج کی تلفی

شہر کراچی میں روزانہ تقریباً 7 ہزار ٹن کچرا پیدا ہوتا ہے۔ اس کو تلف کرنے کے معقول انتظام کی عدم موجودگی کے باعث یہ کچرا شہر کے مختلف مقامات پر جمع کردیا جاتا ہے ملیر ندی بھی ان مقامات میں شامل ہے جس کے ذریعے کچرے کا ایک بڑا حصہ سمندر جا پہنچتا ہے کچھ کچرا چناب کریک میں جمع ہوتا ہے۔ اب حال ہی میں کورنگی مچھلی بندر کے

قریب کورنگی کریک کے ساتھ کچرا ڈالنے کی نئی جگہ سامنے آئی ہے جس سے کچرا مدو جزر کے ذریعے براہ راست سمندر میں چلا جاتا ہے۔

کشتیوں اور جہازوں سے نکلنے والا تیل

کراچی کی پورٹ ٹرسٹ نے بیرون ملک سے آنے والے جہازوں کو کچرا وصول کرنے کی سہولت فراہم کی ہے۔ بڑی کشتیوں کا گندہ تیل ری سائیکلنگ کے لیے ٹھیکہ دار لیتے ہیں لیکن چھوٹی کشتیوں کو یہ سہولت حاصل نہیں ہے اس لیے وہ اپنا استعمال شدہ تیل براہ راست سمندر میں ڈال دیتی ہیں۔ کراچی کی مچھلی بندر پر10 پشتوں کے ذریعے 300 کشتیوں کو کھڑے ہونے کی گنجائش ہے لیکن یہاں ہر روز ہزاروں کشتیوں کا جمگھٹا لگا رہتا ہے اس لیے پشتوں کے ارد گرد گاڑھے تیل کی تہہ ہر وقت نظر آتی ہے ہم اپنے سمندر کو کیسے بچائیں۔

اگر سمندر اور مچھیروں کی بقا مقصود ہے تو کچھ فوری اقدامات کرنا ہوں گے۔

کچرا جمع کرنے اور تلف کرنے کے مقامات

جہازوں اور کشتیوں کا کچرا وصول کرنے کی سہولت مہیا کی جائے اس ضمن میں فیصل آباد کے بائیوٹیکنالوجی کے ادارے نے بیکٹریا کی مدد سے استعمال شدہ تیل کو صاف کرنے پر خاصی تحقیق کی ہے۔ اس نوعیت کا کام دیگر یونیورسٹیوں کے متعلقہ شعبوں میں کیا جا سکتا ہے اور یہ ادارے استعمال شدہ تیل کو جمع کرنے کے لیے ایک جوہڑ یا تالاب بنا سکتے ہیں۔

مچھیروں کا ریڈیو

کسی بھی منصوبے کی کامیابی کے لیے عوامی شرکت لازمی ہے۔ مچھروں کو سمندری آلودگی کے بارے میں معلومات فراہم کرنا ضروری ہے اس کے لئے خصوصی ریڈیو سروس سے مدد لی جا سکتی ہے۔ یہ سروس فشر مین کو آپریٹو سوسائٹی مہیا کر سکتی ہے اور ٹرانسمیٹر کراچی کمیٹی بندر سونمیانی اور گوادر میں نصب کیے جا سکتے ہیں۔ سمندری آلودگی کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کے علاوہ ماہی گیروں کو شکار کے بہتر مقامات، مارکیٹ کے بھاؤ اور

مچھلی کے شکار کے لیے جدید آلات سے مدد وغیرہ حاصل کرنے کے بارے میں پروگرام ریلے کئے جا سکتے ہیں۔

تلور کا شکار

اس وقت سندھ میں 33 شکار گاہیں ہیں اور محکمہ وائلڈ لائف کی فہرست کے مطابق صوبے میں 37 قسم کے جانور اور 23 اقسام کے پرندے موجود ہیں جن کی نسل بتدریج ناپید ہو رہی ہے اور ان کی تعداد گھٹتی جا رہی ہے۔ لیکن اس کے باوجود حکمران نہ صرف ان مقامی پرندوں اور جانوروں کا شکار کرتے بلکہ ہجرت کر کے آنے والے پرندے بھی ان کے خطرناک شغل سے محفوظ نہیں ہیں۔

موسم سرما کے آغاز میں روس اور دیگر شمالی علاقوں سے برف باری کے باعث گرم خطوں میں پناہ لینے کے لیے آنے والوں میں تلور بھی شامل ہے۔ دنیا میں تلور کی نسل ختم ہو رہی ہے۔ اس لیے اس کا نام ورلڈ کنزرویشن یونین کی مرتب کردہ کتاب (RED DATA BOOK) اس کتاب میں ایسے پرندوں جانوروں اور جنگلی حیات کے نام درج ہیں انسانی زیادتیوں کے باعث جن کی نسل ناپید ہو چکی ہے یا جو نہایت کامیاب ہیں۔ ایسے پرندوں کے شکار پر پابندی لگائی جا چکی ہے۔

تحفظ جنگلی حیات کے بین الاقوامی معاہدہ، جنگلی پرندوں اور جانوروں کے تحفظ کا ایکٹ 1912ء یا بون کنونشن میں ایسے پرندوں کے شکار کی ممانعت ہے کیوں کہ ان کی نسل ختم ہونے کا خدشہ پیدا ہو گیا ہے۔ اس پر دستخط کرنے والے ممالک میں پاکستان بھی شامل ہے۔ دستخط کنندگان اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ ایسے پرندوں اور جنگلی حیات کے قومی ورثہ کی حفاظت کریں گے۔ لیکن افسوس ہے کہ دیگر بعض ترقی پذیر مالک کی طرح پاکستان میں بھی ایسے قوانین پر مکمل طور پر عملدرآمد نہیں کیا گیا۔ 1992ء کی ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان میں ایک سال کے دوران دس ہزار تلور خلیجی ریاستوں کو اسمگل کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ جنگلی حیات کی زیر خطرہ اقسام کی بین الاقوامی تجارت کے کنونشن کے تحت ہجرت کر کے آنے والے پرندوں کے تحفظ کی ذمہ دار متعلقہ حکومت ہے۔ اور پاکستان نے اس قانون (CITES) پر دستخط کے بعد ان پرندوں کو تحفظ فراہم کرنے کا معاہدہ کیا ہوا ہے۔ لیکن مذکورہ

رپورٹ اس کی نفی کرتی ہے۔

پاکستان کے صحرائی علاقوں کے باشندے موسم سرما کے آغاز میں عرب شیخ کی بڑی بڑی گاڑیاں دیکھ کر یہ اندازہ کر لیتے ہیں اور ان کا شکار کھیلا جائے گا۔ حالانکہ تلور خلیج کے صحرائی علاقوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ لیکن یہ لوگ اپنے ملک میں تلور کی افزائش نسل کرنے کی خاطر کروڑوں ریال خرچ کرتے ہیں۔ اور اپنا شوق پورا کرنے کے لئے پاکستان کا رخ کرتے ہیں۔

ایک محقق کا دعویٰ ہے کہ پاکستان میں ہر سال 5ہزار تلور مارے جاتے ہیں۔ عالمی قوانین کے تحت ایسے پرندوں کا شکار کرنے پر فی کس 400ڈالر جرمانہ عائد ہوتا ہے۔ لیکن پاکستان میں زیادہ سے زیادہ 15 سو روپے جرمانہ عائد کیا جا سکتا ہے۔

تلور کی نسل بڑھانا انتہائی مشکل کام ہے۔ اس عمل میں 10 سے 20 سال لگ جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں یہ عالم ہے کہ عقاب کو تلور کے شکار کی تربیت دینے کے لئے عرب شیخ کو سندھ میں ٹھٹہ اور سانگھڑ کے علاقوں میں اراضی الاٹ کی جاتی ہے۔ جبکہ بلوچستان میں لسبیلہ اور خضدار اور پنجاب میں چولستان کے نواح میں عرب شیخ کو اراضیاں دی گئی ہیں۔ جہاں موسم سرما کے آغاز سے ہی عرب شکاریوں کے قافلے پہنچنا شروع ہو جاتے ہیں۔

حکمران اپنے انفرادی فائدے کی خاطر اجتماعی نقصان کرتے ہیں۔ برازیل میں منعقد ہونے والی تحفظ ماحولیات کی ریو کانفرنس میں پاکستان کے ایک سابق وزیر اعظم نے تحفظ ماحول اور بین الاقوامی قوانین کی پاسداری کا وعدہ کرنے کے بعد چولستان میں شکار کے لئے پہنچنے والے ابوظہبی کے شیخ کو اپنے ہاتھوں سے شکار کرنے کے لئے عقابوں کو تحفہ دیا تھا۔

یہ پہلا موقع نہ تھا۔ میڈیا میں ایسے کم از کم چار بین الاقوامی معاہدوں کی خلاف ورزی کی نشاندہی کی جا چکی ہے۔ جن میں بہاولپور کے لال سونہارا نیشنل پارک کی جھیل میں تجارتی بنیادوں پر مچھلی کے شکار کی اجازت دینا بھی شامل ہے۔ حالانکہ اس جھیل کو قدرتی ماحول کا ذخیرہ (BIOSPHERE RESERVE) قرار دیا جا چکا ہے۔

بون کنونشن موجود ہے جس کے تحت ہجرت کرنے والے پرندوں کو تحفظ دینے کی بات کی گئی ہے۔ مگر ملک میں عرب شیخ کو تلور جیسے کمیاب پرندے کے شکار کی اجازت دے کر

اس قانون کا مذاق اڑایا گیا ہے۔ سائٹس(CITES) قانون کے تحت ایسے کامیاب پرندوں اور جانوروں کے شکار، انہیں زندہ پکڑنے، ان کے اعضاء کا استعمال اور ان کی برآمد پر مکمل پابندی ہے۔مگر تلور کی خلیجی ریاستوں میں اسمگلنگ اس قانون کی کھلی خلاف ورزی ہے۔

این جی او اسکوپ نے نومبر 1991ء میں تلور کا شکار کا اجازت نامہ جاری کرنے کے حکومتی فیصلے کے خلاف سندھ ہائی کورٹ میں مقدمہ دائر کیا تھا۔ جس میں انہوں نے سندھ وائلڈ لائف ایکٹ 1972ء اور سائٹس کے قانون کی خلاف ورزی کی بناء پر تلور کے شکار کے اجازت ناموں کو غیر قانونی قرار دینے اور تلور کے شکار پر پابندی کی استدعا کی تھی۔ عدالت نے اس موقف کو درست قرار دیتے ہوئے تلور کے شکار کو غیر قانونی قرار دیا اور اس پر پابندی عائد کردی۔ لیکن حکمرانوں کی جانب سے اس فیصلے کی خلاف ورزی جاری ہے۔حتی کہ سابقہ عبوری حکومت کے دوران بھی تلور کے شکار پر 3 کے لیے پابندی عائد کردی تھی اور لاہور ہائی کورٹ میں مئی 94ء میں تلور کے شکار پر پابندی کا حکم سنایا تھا۔ عدالت کے فیصلے میں کہا گیا تھا کہ تلور تحفظ شدہ جانوروں کی فہرست کے شیڈول lll میں شامل ہے اس لئے اس کے شکار کی اجازت نامے جاری کرنا غیر قانونی ہے۔

عرب شاہزادوں کو محدود مدت کے لئے خصوصی اجازت نامہ جاری کئے گئے۔ اور انہیں صرف 200 پرندوں کے شکار کی اجازت ملی تھی۔ مگر ایک اندازے کے مطابق 1994-95ء کے دوران کم از کم 25 ہزار کے قریب پرندوں کا شکار کیا گیا۔

مکلی

مکلی کے آثار قدیمہ کے قیمتی خزانے کو برسوں سے بے دردی سے لوٹا جا رہا ہے۔ صدیوں پرانے ان کھنڈرات کی نگرانی کا ذمہ دار آرکیالوجی ڈیپارٹمنٹ ہے۔ گذشتہ دنوں صوبائی اسمبلی کے ایک رکن نے اس ثقافتی خزانے سے متعلق مبینہ طور پر ایک غیر قانونی اقدام کیا۔ جس کی بدولت مکلی پاکستان اور بین الاقوامی پریس کی سرخیوں کی زینت بنا۔ اب ایک مرتبہ پھر لوگوں کی توجہ دنیا کے اس عظیم قبرستان کی طرف مبذول ہوگئی ہے جس میں سے ایک سڑک گزارنے کا پروگرام بنایا گیا تھا۔

مکلی کے المیے کے بارے میں مختلف طبقوں کا ردعمل مختلف تھا۔ صوبے کے

دولت مند اور بارسوخ افراد اپنی سہولت اور مفاد کی خاطر سندھ کے ثقافتی ورثے کو تباہ کرنے پر تلے تھے۔ اس بارے میں جب صوبے کے متعلقہ حکام سے رابطہ قائم کیا گیا تو انہوں نے خود کو یہ کہہ کر بری الذمہ ٹھہرایا کہ مکلی کی دیکھ بھال اور حفاظ وفاقی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ ایک رائے یہ بھی دی گئی کہ وفاقی حکومت کے آرکیالوجی ڈیپارٹمنٹ نے سندھ کی تاریخی یادگاروں کے ضمن میں امتیازی رویہ اختیار کر رکھا ہے۔ مکلی کے کھنڈرات برسوں سے چوری اور غارت گری کے شکار ہیں۔ اور اکثر وبیشتر قدیم قبروں سے قیمتی پتھر غائب ہوتے رہتے ہیں یہ منقش ٹکڑے اور سنگ تراشی کے نادر نمونے بہت سے معززین کے ڈرائنگ رومز کی زینت بنے ہیں۔

کیرتھر نیشنل پارک

کیرتھر کو 1974ء میں سرکاری طور پر نیشنل پارک کا درجہ دیا گیا تھا یہ پاکستان کا سب سے بڑا نیشنل پارک ہے۔ 447,161 ہیکٹر رقبے پر مشتمل یہ نیشنل پارک جنگلی حیات کی پناہ گاہ اور محفوظ شکار گاہ ہے۔ مشہور جنگلی جانوروں میں یہاں جنگلی بھیڑیں اور بکریاں پائی جاتی ہیں۔ یہ بنجر علاقے کا ذی ماحول علاقہ اہم آثار قدیمہ پر مشتمل ہے جہاں دس ہزار قبائلی باشندے مقیم ہیں۔ جن کا وسیلہ روزگار زراعت ہے۔ یہ پارک سندھ وائلڈ لائف مینجمنٹ بورڈ (SWMB) کے زیر انتظام ہے۔

سن 1991ء کے وسط میں حکومت پاکستان کی وزارت مواصلات نے کراچی سے پشاور تک دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر ایک شاہراہ تعمیر کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس شاہراہ کی تعمیر سے کراچی اور پشاور کے درمیان 1600 کلومیٹر کا فاصلہ 400 کلومیٹر کم ہونے کا امکان بتایا گیا تھا۔ اس شاہراہ کو کراچی اور سیہون کے درمیان کیرتھر نیشنل پارک میں سے گزرنا تھا۔ ابھی اس منصوبے کو عملی صورت دینے کے لیے اجازت نامے کی ضرورت تھی کہ ایس ڈبلیو ایس بی نے تشویش کا اظہار کیا کہ اس شاہراہ کی تعمیر سے پارک پر منفی اثرات مرتب ہوں گے۔ اس پر مختلف متعلقہ شعبوں کے اجلاس میں طے ہوا کہ اس معاملے میں آئی یو سی این سے ماحولیات کی رو سے ماہرانہ رائے لی جائے۔

گو کہ اس حقیقت سے اختلاف نہیں کیا جا سکتا کہ پاکستان کی ترقی کے لئے

شاہراہیں اور سڑکیں ضروری ہیں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ترقی ماحول پر اچھا اثر ڈال رہی ہے یا برا۔ ماحولیات کے بین الاقوامی مشیروں نے دو ہفتے کے مطالعے، تحقیق اور تجزیے کے بعد یہ رائے قائم کی کہ کیرتھر پارک میں سے گزرنے والی شاہراہ اس کی جنگلی حیات اور فطری ماحول کے لئے شدید نقصان دہ ثابت ہوگی۔ نیز پارک کے انتظام میں دشواریاں پیدا ہونے کے علاوہ مستقبل میں معاشی، سماجی، سائنسی، تفریحی، تعلیمی اور ماحولیاتی اقدار پامال ہوجائیں گی جنہیں کسی صورت بحال نہیں کیا جا سکتا۔

اس دوران ماہرین نے اپنے تجزیے کی رو سے یہ مشورہ دیا کہ شاہراہ کی تعمیر کے لئے متبادل راستہ اختیار کیا جائے جو پارک کے مشرق سے گزرے جس پر کراچی اور پشاور کے درمیان 21-20 کلومیٹر فاصلے کا اضافہ ہوگا لیکن اس سے رانی کوٹ ضلع، لاڑکانہ کی کوئلے کی کانوں اور حیدرآباد کے صنعتی علاقے کے لئے ذرائع مواصلات آسان اور بہتر ہوجائیں گے۔ ماہرین نے پرزور سفارش کی کہ شاہراہ کے لیے مشرقی راستہ اختیار کر کے پارک کو تباہی سے بچا لیا جائے جس کا مستقبل میں کوئی حل نہیں ہوگا۔ آئی یو سی این نے پالیسی سازوں کو متنبہ کیا کہ وہ سفر میں 17 منٹ کی دیر کی بدولت ہمارے ایک منفرد ثقافتی اور فطری ورثے کو تباہی سے دوچار نہ کریں۔

مگر ہائی وے کے حکام اور اس منصوبے پر کام کرنے والے چند بیوروکریٹس نے مذکورہ رائے سے اتفاق نہ کیا اور اس کی تعمیر کے آغاز کے لئے ضروری اجازت نامے کے لئے اپنی کوششیں تیز کردیں۔ جس کے نتیجے میں ماہرین ماحولیات، سندھ وائلڈ لائف اور بین الاقوامی ماہرین کی رائے کو نظر انداز کرتے ہوئے این او سی جاری کردیا گیا۔ اس پر سکوپ نے سندھ ہائی کورٹ میں درخواست دی کہ اجازت نامے کو منسوخ کردیا جائے۔ ضروری عدالتی کاروائی کے بعد ہائی کورٹ کے ڈویژن بنچ نے مدعا علیہ کو نوٹس جاری کرنے کا حکم دیا۔ اسکوپ نے عوامی مظاہروں اور میڈیا کے ذریعے عوام کی توجہ اس طرف دلائی کہ کیرتھر کے نیشنل پارک کو تباہی سے بچایا جائے۔ جس کے نتیجے میں سندھ کے قومی کیرتھر پارک کو بین الاقوامی سطح پر تسلیم کر یلا گیا بلکہ پارک کو ترقی دینے، اس کے فطری ماحول اور جنگلی جانوروں کے تحفظ کے لئے دور رس اقدامات بھی کئے گئے۔ نہ صرف وہاں سے سڑک کو ہٹایا گیا بلکہ عالمی بنک اور جاپان کی طرف سے پارک کو ترقی دینے کی غرض سے

رقوم بھی فراہم کی گئیں۔

منچھر جھیل

صوبہ سندھ کے قصبے دادو میں واقع ایشیاء کی سب سے بڑی جھیل منچھر میں نمکیات کا تناسب خطرناک حد تک بڑھ گیا ہے۔ یہاں تک کہ اس سے آبی ذخائر اور آبی حیات کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ کچھ عرصہ قبل اسکوپ کی جانب سے کی گئی ماحولیاتی اثرات کی تحقیق کے مطابق اگر جھیل میں موجود نمکیات پر قابو نہ پایا گیا تو سن 2000ء تک جھیل کا پانی آبی حیات کے لئے ناقابل برداشت ہو جائے گا۔

انڈس فلائی وے پر موجود یہ جھیل ہجرت کرنے والے پرندوں کی سب سے بڑی پناہ گاہ ہے اور یہ بذات خود علاقے کے فطری حسن میں اضافے کا وسیلہ ہے۔ لیکن اب اس میں نہ صرف مچھلیوں کی تعداد میں کمی آ رہی ہے بلکہ ہجرت کر کے آنے والے پرندوں کی تعداد بھی دن بدن کم ہوتی جا رہی ہے۔

جھیل میں نمکیات کے اضافے کی بڑی وجہ سیم وتھور کے کنٹرول کے پراجیکٹ (SCARP) کے تحت نارا وادی کے نالے کے ذریعے جھیل میں شورہ آلود پانی کی ملاوٹ ہے۔ اس پانی میں نمکیات کے علاوہ کیمیاوی کھاد اور کیڑے مار دواؤں کے اجزاء بھی شامل ہوتے ہیں۔

ماہرین نے سیم وتھور کے پانی چھوڑنے کی سخت مخالفت کی تھی۔ ان میں فیشنگ ٹیکنکل سروسز اور ایان میکڈونلڈ اینڈ ایسوسی ایٹس نے جھیل کے بائیں کنارے کے ترقیاتی کام سے متعلق اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ مذکورہ پانی کو جھیل میں چھوڑنے کے منفی اثرات مرتب ہوں گے۔

تقریباً 8 کیوسک ملین پانی جس میں 1700 مختلف اجزاء شامل ہوتے ہیں نارا وادی کے نالے کے ذریعے خریف کے موسم میں اور 5 سو سے ایک ہزار کیوسک پانی ربیع کے موسم میں چھوڑا جاتا ہے 1989ء میں جھیل میں نمکیات 2330 تک اور 93ء میں یہ 2,500 تک بڑھ گئی تھی۔

1950ء میں جھیل سے 3 ہزار میٹرک ٹن مچھلی تھی۔ جبکہ 1993ء میں یہ گر کر

صرف 3 سو میٹرک ٹن رہ گئی۔ مچھلیاں جھیل کے ناموافق ماحول کی وجہ سے دوسری جگہوں پر منتقل ہونے لگی ہیں۔ مچھلی کا شکار نہ ہونے کے سبب مچھیرے اب اپنا آبائی پیشہ ترک کر کے وہاں سے ہجرت کرنے لگے ہیں۔ میٹھے پانی کی جھیل کا پانی اب انسانی استعمال کے قابل بھی نہیں رہا۔ کیوں کہ آلودہ پانی پینے سے پیٹ کی بیماریاں پھیل رہی ہیں۔ اسکوپ کی تحقیق کے مطابق جھیل کا پانی جو نہر کے ذریعے زرعی مقاصد کے لئے استعمال کیا جارہا ہے وہ زمینوں کے لئے تباہ کن ثابت ہوسکتا ہے۔

سندھ میں سیم وتھور کا مسئلہ

انگریز کا بنایا ہوا نظام آبپاشی اب ناکارہ ہو چکا ہے۔جس کی بنا پر سندھ میں 64% زمین سیم وتھور کی زد میں آکر بنجر ہو چکی ہے۔ دوسری طرف ایسے علاقے بھی ہیں جہاں پانی کی فراہمی نہ ہونے کی وجہ سے زمین غیر آباد ہوتی جا رہی ہے۔ جس سے بھوک، بے روزگاری اور دیگر سماجی برائیوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔

لاڑکانہ کے نواح میں سماج سدھار تنظیم نے سیم تھور سے پیدا شدہ حالات کا جائزہ لیا تو حقائق سامنے آئے کہ حکیم سندیلہ گاؤں کی کل اراضی 2405 ایکڑ میں سے 1165 ایکڑ قابل کاشت ہے اور باقی 1240 ایکڑ سیم اور تھور کی وجہ سے بنجر ہو چکی ہے اگر فوری طور پر سیم اور تھور کے ضمن میں انسدادی اقدام نہ کئے گئے تو ممکن ہے کہ آئندہ 6-5 سال میں علاقے کی تمام سیم وتھور پیدا ہونے کے اسباب میں سے ناقص ذرائع آبپاشی کی بناء پر پانی کا رساؤ ہے مثلاً لاڑکانہ کے ملحقہ دیہات میں زرعی استعمال کے لئے پانی دادو کینال سے حاصل کیا جاتا ہے جو زرعی زمینوں سے 10-11 فٹ اوپر بہہ رہا ہے جس کی وجہ سے پانی نشیبی زمینوں میں جمع ہو جاتا ہے۔

چند برس پہلے تحصیل لاڑکانہ کی حدود میں سکارپ (SCARP) کی طرف سے سیم کے پانی کے نکاسی کے لئے پمپ لگائے گئے تھے لیکن وہ سلسلہ جلد ہی منقطع ہو گیا۔ حالیہ برسوں میں سیم وتھور کے مسئلے پر قابو پانے کے لئے سکوپ نے یوکلپٹس اور سفیدے کے درخت لگانے کی سفارش کی تھی۔ اس ضمن میں کچھ تنظیموں نے سماجی شجرکاری کے تعاون سے ایک نرسری قائم کرنے کا منصوبہ بھی بنایا تا کہ کاشتکاروں کو مستقل بنیاد پر رعائتی قیمت پر

پودے مہیا کئے جاسکیں۔

اس علاقے کے عمر رسیدہ کسانوں کا کہنا ہے کہ یہ مسئلہ دریائے سندھ پر سکھر بیراج بنانے سے پیدا ہوا تھا۔ اس کی تعمیر کے وقت کچھ ماہرین نے اس کی مخالفت کی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ سکھر بیراج کے بننے سے دریا کی سطح بلند ہو جائے گی اور پورا سندھ سیم میں ڈوب جائے گا۔ اس وقت یہ حل نکالا گیا تھا کہ 30 سال کے اندر پورے سندھ میں سیم نالیوں کا جال بچھا دیا جائے گا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ سیم کی دوسری وجہ یہ ہے کہ کاشتکار پانی کے بے جا استعمال کرتے ہیں۔ اس کا ایک حل یہ ہے کہ کاشتکاروں کو پانی کے مناسب استعمال کے لئے تربیت دی جائے۔

ڈہرکی

ڈہرکی اور قریب وجوار میں بسنے والے لوگ کھاد فیکٹری پلانٹ کے 8 کلومیٹر کے دائرہ کار میں کیمیاوی اجزاء سے آلودہ پانی استعمال کررہے ہیں۔ فیکٹری کے نواح میں جو نہر بہہ رہی ہے فیکٹری کا پانی اس میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ جس کے باعث نہر میں موجود آبی حیات کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ غلیظ پانی پینے سے بہت سے مویشی ہلاک ہو چکے ہیں۔ بچے اس میں نہاتے ہیں۔ عورتیں نہری پانی میں کپڑے دھوتی ہیں اور یہ پانی زرعی زمینوں کے استعمال میں بھی لایا جاتا ہے۔ فیکٹری سے خارج ہونے والا پانی نہ صرف نہر کو زہرناک کررہا ہے بلکہ اس سے زیرزمین میٹھے پانی پر بھی منفی اثرات مرتب ہورہے ہیں۔ پانٹ کے اردگرد کی زمین بنجر ہوکر ناقابل کاشت ہو چکی ہے۔

کچھ عرصہ قبل پلانٹ میں خرابی کے باعث ایمونیا گیس خارج ہونے لگی تھی جس کے باعث وہاں کے مکینوں کو سانس کی تکالیف لاحق ہوگئیں۔ جلدی امراض عام ہو گئے اور کئی افراد بے ہوش ہو گئے۔ اس پر جب فیکٹری کی انتظامیہ سے رابطہ کیا گیا تو مشورہ ملا کہ گیلا کپڑا منہ پر رکھ لو اس کے علاوہ کوئی مدد نہیں دی گئی۔

ڈہرکی کے گردونواح میں رہنے والوں کا کہنا ہے کہ سن 66-65 کے بعد جب سے فیکٹری نے کام شروع کیا ہے کے لئے وہاں رہنا دوبھر ہوگیا ہے مکینوں کی شکایات پر فیکٹری سے زہریلے مادے کا اخراج بند کردیا جاتا ہے لیکن بعد میں اسی مقدار میں زہریلا

موادنہری پانی میں ملانا شروع کر دیا جاتا ہے۔

کچھ عرصہ قبل فیکٹری کے مجاز حکام نے ادارے کی کامیابیوں اور مستقبل کے پروگراموں کے بارے میں ذکر کرتے ہوئے کیا تھا کہ آئندہ چند برسوں میں اس کی پیداوار دوگنی ہو جائے گی۔ نیز یہ کہ کمپنی 5 ملین روپے سے زیادہ منافع کما رہی ہے۔

اگر مذکورہ کمپنی اتنے بڑے منافع میں سے کچھ رقم مقامی لوگوں کے مسائل اور پیداوار کی بنا پر ہونے والے نقصان کو کم کرنے کے لئے جامع منصوبہ بندی اور تحقیق پر خرچ کرے تو بہت سی پریشانیوں کا ازالہ کیا جا سکتا ہے۔

اگر تحقیقات سے ثابت ہو جائے کہ فیکٹری کی وجہ سے لوگوں کی صحت اور زمینوں پر برے اثرات پڑ رہے ہیں تو فیکٹری کی انتظامیہ کی ذمہ داری ہو گی کہ وہ ٹریٹ منٹ پلانٹ نصب کروا کر لوگوں کی مشکلات دور کرے۔

علاقے کے مکینوں نے جب حکام اعلیٰ اور بین الاقوامی تحفظ ماحولیات کے اداروں کی توجہ اس طرف دلائی تو ایک موقع پر فیکٹری کے اعلیٰ افسران نے فیکٹری کی وجہ سے ماحول پر منفی اثرات کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس لئے بھی کہ شکایت کنندگان کے پاس سائنٹیفک تحقیق نہ ہونے کی وجہ سے ٹھوس ثبوت نہیں تھے۔ اس لئے ان کا کیس کمزور ہو گیا۔ اس مسئلہ پر اخبارات کی طرف سے بھی کافی شور مچایا جا چکا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس معاملے کی باقاعدہ طور پر تحقیق کی جائے تا کہ مقامی لوگوں کی پریشانی کے سدباب کی کوئی صورت نکل سکے۔

ملتان

ملتان کے ترقیاتی ادارے نے شہر کو صاف ستھرا رکھنے اور ماحولیاتی آلودگی سے پاک کرنے کے کئی منصوبے تیار کئے مگر شہر کی ابتر حالت دیکھ کر گمان ہوتا ہے کہ وہ سب محض کاغذی کارروائی تھی۔

بلدیہ ملتان نے شہر کے گنجان علاقوں میں کچرا ڈپو قائم کر رکھے ہیں۔ شاہین مارکیٹ کے بالمقابل اور ہائی اسکول برائے طالبات سے ملحقہ دیوار کے ساتھ ایک بڑا کچرا ڈپو ہے۔ جس کی وجہ سے اسکول اور اردگرد کے علاقے شدید طور پر متعفن ہو گئے ہیں۔

ایک اور کچرا ڈپو بیرون دولت گیٹ علی چوک میں واقع ہے۔ جہاں کی غلاظت ٹرکوں کے ذریعے شہر سے باہر لے جائی جاتی ہے۔ یہ ٹرک جہاں جہاں سے گزرتے ہیں غلاظت پھیلاتے جاتے ہیں۔

نکاسی آب کا یہ عالم ہے کہ شہر کے ہر حصے میں گٹر ابلتے دکھائی دیتے ہیں اور جگہ جگہ آلودہ پانی کے جوہڑ بن گئے ہیں جب بارش ہوتی ہے تو یہ پانی گھروں کے اندر تک چلا جاتا ہے ایک سروے کے مطابق 10 فیصد گٹروں کے ڈھکنے غائب ہیں۔ پلاسٹک کی تھیلیاں ہوا کے ساتھ اڑ کر گٹر میں چلی جاتی ہیں اور پانی کے اخراج کو روک دیتی ہیں۔

ملتان صوتی آلودگی میں بھی کسی شہر سے پیچھے نہیں محلوں، سڑکوں، بازاروں اور بسوں کے اڈوں پر واقع ہوٹلوں میں لاؤڈ سپیکر پر گانے بجائے جاتے ہیں۔ بازاروں کا شور، گاڑیوں کے ہارن سب نے مل کر صوتی آلودگی پھیلا رکھی ہے۔ اس ضمن میں انتظامیہ نے کبھی کوئی توجہ نہیں دی۔

ملتان شہر کا پرانا علاقہ تنگ گلی کوچوں پر مشتمل ہے۔ جہاں صفائی کی صورت حال دگرگوں ہے کالے منڈی، چوڑی بازار ہنوں کا چھجہ اور دیگر ایسے علاقوں میں سانس لینا دشوار ہے۔ ایک سروے کے مطابق ان محلوں میں بچوں کی شرح اموات شہر کے دیگر حصوں کی بہ نسبت زیادہ ہے۔ اس علاقے کے ماحولیاتی آلودگی کے ذمہ دار ذبح خانے بھی ہیں۔ عموماً غیر قانونی طور پر جانوروں کو ذبح کر کے ان کی غلاظت نکاسی آب کی لائنوں میں ڈال دیتے ہیں۔

شہر کے مشرق میں واقع کھاد فیکٹری آلودگی کا بڑا سبب ہے جب یہ فیکٹری قائم کی گئی تھی تو یہ شہر آبادی سے آٹھ میل دور تھی۔ مگر اب یہ نیو ملتان کے گنجان علاقے کے اندر آ چکی ہے۔ اس فیکٹری سے خارج ہونے والی ایمونیا گیس کی وجہ سے علاقے میں سانس اور اعصابی بیماریاں عام ہو چکی ہیں۔

لاہور

لاہور شہر کے ماحولیاتی مسائل وہی ہیں جو کراچی کے ہیں۔ سڑکوں اور گلیوں سے گندگی اور غلاظت اٹھانے کا مناسب انتظام نہیں ہے۔ پینے کے پانی کے بارے میں عام

شکایت ہے کہ اس میں گندا پانی مل جاتا ہے۔ دریائے راوی شہر کے ساری غلاظت اپنے اندر سمیت رہا ہے۔ بار بار ترقیاتی منصوبوں کا اعلان کیا جاتا ہے لیکن ابھی تک کسی ایسے منصوبے پر عمل نہیں کیا گیا جس سے ان مسائل پر قابو پایا جا سکے۔ موٹر گاڑیوں کی تعداد میں اضافے کے ساتھ دھوئیں اور شور کی آلودگی مسلسل بڑھ رہی ہے۔ ٹوٹی سڑکوں کی بدولت سارا شہر گرد سے اٹا رہتا ہے۔ حکومت اور اس کے اداروں کے علاوہ غیر سرکاری تنظیموں نے بھی ابھی تک اس جانب توجہ مبذول نہیں کی ہے۔

تاہم حال ہی میں عالمی بینک کے تعاون سے ایک منصوبہ شروع کیا گیا ہے جس کے مطابق کوڑے کرکٹ سے بجلی پیدا کی جائے گی۔ اس مقصد کے لئے زمین بھی حاصل کر لی گئی ہے۔

راوی الکلی

شمال کے ترقی یافتہ ممالک اپنی ناکارہ اور نقصان دہ ٹیکنالوجی جنوب کے ترقی پذیر ممالک کو منتقل کر کے اپنے مالی مفاد اور ماحول کا کس طرح تحفظ کرتے ہیں اس کی مثال راوی الکلی کا قصہ ہے۔ شکر ہے کہ بین الاقوامی اور قومی غیر سرکاری تنظیموں نے باہم جدوجہد کے نتیجے میں اس منصوبے کو ناکام بنا دیا۔ یہ ماحولیاتی ایڈووکیسی پاکستان کی این جی اوز، شہریوں، حکومت، تحقیقی اداروں اور صنعت کاروں کے لئے ایک بہترین سبق ہے۔

22 نومبر 1994ء کو رواوی الکلی نے مرکری پر مبنی کلورین اور سوڈا پروڈکشن پلانٹ کو ڈی ایس انڈسٹریز ڈنمارک کی استعمال شدہ مشینری میں تبدیل کرنے کا اعلان کر کے پاکستان کی صنعتی تاریخ میں ایک باب کا اضافہ کیا۔ انہوں نے اطلاع عام میں یہ کہا کہ وہ مرکری سیل ٹیکنالوجی کی میمبر ین سیل ٹیکنالوجی میں تبدیل کر رہے ہیں کیونکہ آخر الذکر کلورالکلی کی پیداوار کے لیے صاف ستھرا طریقہ ہے۔ اس سے مرکری یعنی پارہ کے زہریلے اثرات جو اعصابی انتشار، ڈراؤنے خواب پاگل پن یا موت کا سبب بن سکتے ہیں پیدا نہیں ہوں گے۔

لیکن بین الاقوامی ماحولیاتی تنظیم گرین پیس نے ڈنمارک کے اس پلانٹ کی متوقع فروخت کے بارے میں پاکستان کی این جی اوز کو مارچ 1942ء میں ہی خبردار کر دیا

تھا کہ یہ تباہ کن ٹیکنالوجی ہے اور جو اس کے اپنے ملک میں مسترد کی جا چکی ہے۔ شمال کے دیگر ممالک میں اس متروک ٹیکنالوجی کے بارے میں تنقید کی جارہی تھی اس لئے ترقی پذیر ممالک میں خریدار کی تلاش تھی۔ اس پر پاکستان اور ڈنمارک میں اس نقصان دہ ٹیکنالوجی کی منتقلی کی خبر شائع کردی گئی گرین پیس کے تعاون سے عالمی، ڈنیشن اور پاکستانی این جی اوز نے ملکر پلانٹ کے جہاز کی پاکستان روانگی رکوانے کے لئے شور مچانا شروع کردیا اور اس کے خلاف شدید تحریکیں چلائی گئیں۔ مارچ 1994ء کو کوپن ہیگن تحفظ ماحول کی ایجنسی (CEPA) نے فیکٹری کو کیمیاوی فضلہ قرار دے دیا۔ جس سے باسل کنونشن کے تحت (جس پر پاکستان اور ڈنمارک کے دستخط موجود ہیں) پرخطر فضلے کی تجارت پر پابندی لگائی گئی ہے۔ جہاز کی روانگی میں رکاوٹ کی کچھ امید پیدا ہوئی لیکن ڈنیشن قانون میں ایک رخنہ یہ ہے کہ ایک ایسی سہولت جس میں پیداواری صلاحیت ہو، اسے فضلہ نہیں کہا جا سکتا۔ ڈنمارک کی حکومت اس قانون کا سہارا لیتے ہوئے اپنے ہاں کی غلیظ ٹیکنالوجی کو ترقی پذیر ملک کے سر ڈالنے کے الزام سے بچ گئی۔

پاکستان میں بھی سرکاری سطح پر اسے کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔ پنجاب ایجنسی برائے ماحولیاتی تحفظ کا طرز عمل بھی حوصلہ افزا نہ تھا اور اس معاملے کو بدستور پس پشت ڈالا جارہا تھا۔ البتہ عوام کے نمائندوں کے صرف ایک ادارہ پاکستان سینٹ نے اس پلانٹ کے ماحولیاتی خطرے کے بارے میں میڈیا کی مہم پر توجہ دی۔ سینٹ کے اجلاس میں ماحول اور شہری امور کی کمیٹی کی خدمات کے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم کرنے سے قاصر رہے۔ البتہ انہوں نے پلانٹ فروخت کرنے والوں سے یہ یقین دہانی حاصل کرلی کہ زہریلی گیس اور نقصان دہ سیال کے اخراج میں کمی کردیں گے۔ مگر خود مختار سائنس دانوں نے اس کی شدید مخالفت کی کہ ایسا کرنا تکنیکی لحاظ سے ناممکن ہے۔

سینٹ کمیٹی کی جانب سے پلانٹ کی پاکستان میں درآمد کی اجازت دینے پر ڈنمارک اور پاکستان کی ماحولیاتی تنظیموں اور شہری تنظیموں میں ہلچل مچل گئی۔ اخبارات میں خصوصی مضامین کے ذریعے اس پرخطر ٹیکنالوجی کے بارے میں عوام کو مطلع کیا گیا۔

اتحاد اور باہمی تعاون کی خوبصورت مثال یہ ہے کہ ڈینش بندرگاہ کے کارکنوں نے پاکستان کو روزانہ ہونے والا ڈی ایس انڈسٹریز کا پلانٹ جہاز پر سوار کرنے سے انکار

کردیا۔ ادھر کراچی کی لیبر یونین نے فیصلہ کیا کہ پلانٹ فروخت کرنے والے اور پلانٹ خریدنے والے فریقین نے اپنے معاہدے کو برقرار رکھنے پر اصرار کیا تو وہ پلانٹ کو جہاز سے نہیں اتاریں گے۔ ڈنمارک کے شہریوں نے فرسودہ ٹیکنالوجی کی فروخت کے خلاف احتجاج کے طور پر مشعلیں جلا کر جہاز کی نگرانی کی۔ گرین پیس کے جہاز ایم وی سولو نے کوپن ہیگن کی بندرگاہ پر اس نگرانی کا مشاہدہ ایک ہفتے تک کیا۔

نومبر کے آغاز میں سینٹ کمیٹی برائے ماحول کے چیئر مین ناکارہ سہولت کے بارے میں ملک بھر جو تشویش کا مظاہرہ ہوا تھا اس کی روشنی میں کمیٹی کے فیصلے پر نظر ثانی کی لئے رضامندی ظاہر کی۔ 22 نومبر کو راوی الکلی نے یہ اعلان کیا کہ وہ مرکری، مرکری سیل اور مرکری کے جرثوموں والی مشینری استعمال نہیں کریں گے۔

ماہرین ماحولیات، آلودگی اور ماحول کی خرابی کے خلاف اسے ایک بڑی کامیابی قرار دے سکتے ہیں کیوں کہ ایسا پہلی بار ہوا کہ پاکستان میں عوامی دباؤ کی وجہ سے مقامی صنعت نے ماحول کے بارے میں مثبت رویہ اختیار کیا۔

لیکن اسے معاملے سے قومی اور بین الاقوامی قانون کی متعدد کمزوریاں سامنے آئیں جنہیں دور کرنا ضروری ہے۔ سب سے پہلے تو فعال تنظیموں کو یہ مطالبہ کرنا چاہئے کہ ایک ایسا بین الاقوامی قانون بنایا جائے کہ ناکارہ ٹیکنالوجی کسی دوسری جگہ منتقل نہ کی جا سکے۔ شمالی ممالک سے یہ وعدہ لیا جائے کہ وہ فرسودہ ٹیکنالوجی جنوب کی طرف نہیں پھینکیں گے۔ ایسا میکانزم ہونا چاہئے کہ آنے والی ٹیکنالوجی کا تجزیہ کیا جا سکے۔ قومی ماحولیاتی کوالٹی معیار پر نظر ثانی کی جائے۔ ماحول پر اثر انداز ہونے والے امور کا خود مختار نہ تجزیہ کیا جائے اور اس سے عوام کو باخبر کیا جائے۔

کوٹ لکھپت، لاہور

لاہور کے شمال مشرق کی جانب پنجاب کی سب سے بڑی کچی آبادی کوٹ لکھپت واقع ہے۔ 25 برس قبل یہ ایک روایتی صاف ستھرا گاؤں تھا۔ یہاں کی مشہور دستکاری رضائیاں تھیں۔ کچے مکانوں پر مشتمل اس گاؤں کے نواحی کھیتوں کو ٹیوب ویلز کے ذریعے سیراب کیا جاتا تھا۔ پھر یہاں کچھ فیکٹریاں قائم کی گئیں۔ جو کوٹ لکھپت صنعتی علاقہ کہلاتا

ہے۔

1970ء میں جب صنعت کاری کا عمل شروع ہوا تو لاہور کے ملحقہ اضلاع کے لوگ بڑی تعداد میں شہر آنے لگے۔ اس دوران انہیں کوٹ لکھپت کے ایسے چھوٹے چھوٹے زمیندار یا کسان ملے جو اپنے کھیتوں کو پلاٹوں کی شکل میں فروخت کرنا چاہتے تھے۔ اس وقت تک جائیداد مافیا ابھی وجود میں نہیں آیا تھا۔

جیسے جیسے نو وارد افراد کی تعداد بڑھتی گئی کوٹ لکھپت بھی پھیلتا گیا اور 20 برس کے دوران اس کی آبادی 10 لاکھ سے زیادہ ہوگئی۔ کسی زمانے میں صاف ستھرا گاؤں اب ٹیڑھی میڑھی گلیوں اور گندے پانی سے بھرے راستوں کا چھوٹا شہر بن گیا۔ دیگر بنا منصوبہ بندی کی آبادیوں کی طرح کوٹ لکھپت میں بھی پانی کی فراہمی اور نکاسی اور کچرا پھینکنے کی سہولتیں موجود نہ تھیں۔

یہاں ہاتھ کے نلکوں کے ذریعے پینے کا پانی حاصل کیا جاتا تھا۔ اور کھلی ہوئی نالیوں کے ذریعے ایک قریبی گڑھے میں گندہ پانی بہا دیا جاتا تھا جو بعد میں ایک بڑا جوہڑ بن گیا۔ جیسے جیسے آبادی کا دباؤ بڑھتا گیا بنیادی سہولتوں میں مزید کمی ہونے لگی۔ البتہ لوگوں نے گھروں کے باہر پختہ اینٹوں کے چھوٹے ٹینک بنا لئے اس طرح پانی کا کچھ حصہ زمین کے اندر جذب ہونے لگا۔ لیکن ڈرینج کا نظام نہ ہونے کے سبب ٹینک جلد بھرنے لگے اور پانی کناروں سے باہر آنا شروع ہوگیا۔ جس سے گلیاں، گٹروں کی مانند نظر آنے لگی۔ نیز زمین میں غلیظ پانی جذب ہونے کی وجہ سے نلکوں کا پانی آلودہ ہو گیا اور بیماریاں پھیلنے لگیں۔ یہ صورتحال 80ء کی دہائی کے وسط تک جاری رہی۔

1990ء میں لاہور کی ایک تنظیم یوتھ کمیشن فار ہیومن رائٹس (YCHR) نے کورٹ لکھپت میں ہوم اسکول کھولے۔ اس سے ایک قدم آگے ماؤں کی ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس نے اسکولوں کی افادیت کے لئے کام کرنا شروع کیا۔ بتدریج ان کمیٹیوں کا دائرہ کار بڑھتا گیا۔ جس نے اسکولوں کے علاوہ دیگر مسائل پر بھی توجہ دینی شروع کی اس طرح علاقے میں پانی کی فراہمی اور نکاسی کے نظام کی ضرورت کی نشاندہی کی گئی۔

اس دوران لوگوں میں اجتماعی سوچ کی کمی کا احساس بھی ہوا لوگوں کا خیال تھا کہ یہ کام صرف بلدیہ ہی کر سکتی ہے۔ لیکن یوتھ کمیشن نے اپنے روابط کے ذریعے امداد دینے

والے اداروں سے اپیل کی کہ جن کے مشترکہ تعاون سے پراجیکٹ پر کام شروع کر دیا گیا۔

اورنگی پائلٹ پراجیکٹ کی طرز پر چلنے والے اس پروگرام میں سب سے پہلے مقامی لوگوں کو ملوث کرنے کی کوشش کی گئی۔ تنظیم پر لوگوں کا اعتماد بڑھنے لگا اس لئے انہوں نے اپنی مدد آپ کے تحت چندہ جمع کیا اور کچھ علاقوں میں سیوریج لائنیں بچھا دیں، مگر ضروری سامان اور انتظامی مدد کی کامیابی سے یہ پروگرام تعطل کا شکار ہو گیا۔ اس مرتبہ بھی سیپ (SAP) کے افراد مدد کے لئے پہنچ گئے۔ اور انہوں نے سوس ڈیویلپمنٹ کارپوریشن (SDC) سے امداد کی درخواست کی۔ کوٹ لکھپت کے دورے کے دوران انہوں نے مکینوں کی اجتماعی سوچ دیکھ کر ان کی بھرپور مدد کا فیصلہ کیا۔اس امدادی رقم سے یوتھ کمیشن نے ضروری کاموں کے لئے انتظامی طریقہ کار وضع کیا، جن میں سماجی کارکن، سرویئر، آرکیٹکٹ اودیگر ٹیکنیکل اسٹاف کا حصول شامل تھا۔

ایک پراجیکٹ آفس قائم کیا گیا اور کام کی نوعیت جانچنے کے لئے سروے کرایا گیا اور سوریج کا کام شروع کر دیا گیا اس دوران سرگرم تنظیم نے صرف ٹیکنیکل امداد فراہم کی جبکہ باقی اخراجات کمیونٹی نے خود برداشت کئے۔ وہ لوگ جو ایسے کاموں کی ذمہ داری سراسر بلدیہ پر ڈال کر ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے تھے اب وہ بھی اس کام میں شامل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس علاقے میں سیوریج کا مسئلہ حل ہونے سے آبادی کو بہت سی بیماریوں سے نجات حاصل ہوئی۔

قصور

پاکستان میں موجود 450 چمڑا پکانے اور رنگنے کے کارخانوں میں سے 160 صرف قصور میں واقع ہیں۔جس کی بنا پر بلھے شاہ کا یہ شہر ٹینریز کا سب سے بڑا گڑھ بن گیا ہے۔مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ چمڑے کے یہ کارخانے علاقے میں معاشی ترقی تو نہ لا سکے البتہ نا قابل بیان آلودگی کی وجہ سے یہ صنعتیں لوگوں کے لئے مصیبت کا سبب بن گئی ہیں۔

یہاں ایک کلو میٹر لمبا اور سینکڑوں میٹر چوڑا تالاب ان کارخانوں کے فضلے کو جمع کرنے کی واحد بڑی جگہ ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ایک دن میں تقریباً 9ہزار کیوسک

میٹر آلودہ پانی تالاب میں ڈالا جاتا ہے۔ 160 میں سے ایک یا دو فیکٹریاں جدید مشینری رکھتی ہیں۔ جبکہ باقی لوگوں کی نجی فیکٹریاں ہیں جو آلودگی کے تدراک کی طرف سے لا پرواہی برتتے ہیں ان فیکٹریوں کا گندہ پانی اور 150 ٹن زہریلا فضلہ فیکٹریوں کے گردنواح میں پھینک دیا جاتا ہے۔لیکن تعجب کی بات ہے کہ ان ماحولیاتی اورمعاشرتی جرائم کے خلاف ارباب اختیار کی جانب سے کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا۔کچھ سیاست دان اپنے ووٹ بنک کو محفوظ کرنے کے لئے ان کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کرتے۔ جب کہ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ کل آبادی میں کم از کم دو ہزار خاندان یا دوسرے الفاظ میں 20 ہزار افراد کا وسیلہ روزگار یہی چمڑے کے کارخانے ہیں جس کی برآمدات سے ملک کو تقریباً 7 ملین روپے سالانہ زرمبادلہ ملتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مسائل کو حل کرتے وقت ان امور کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

اقوام متحدہ کی صنعتی ترقی کے شعبے(UNIDO) نے قصور ٹینریز پولیوشن کنٹرول پروگرام بنایا ہے۔ اس کے تحت سیال اخراج کے لیے مناسب ڈرینج،ٹھوس سیال کو محتاط طریقے سے ٹھکانے لگانا، اور متعلقہ افراد کو چمڑے کی صنعت کے ضمن میں تکنیکی معلومات بہم پہنچانا ہے تا کہ مالکان کارخانوں میں بہتر طریقے اختیار کریں اور آلودگی کو کم کرنے میں مدد دیں۔

یہ پروگرام اکتوبر 93ء میں شروع کیا جانا تھا۔لیکن اس کی تکمیل میں کچھ رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے جس میں سب سے بڑی وجہ مالیاتی امداد تھی۔ طے یہ پایا تھا کہ تقریباً 10 ملین ڈالر کے اس مجوزہ پراجیکٹ کے لئے امداد دینے والے ادارے نے 7 ملین ڈالر کی منظوری دیں گے جبکہ ڈھائی ملین ڈالر حکومت پنجاب کو ادا کرنے تھے۔

اس سے کہیں اہم پراجیکٹ کے عملدرآمد اور انتظامی امور پر خرچ ہونے والی رقم تھی جن کا سالانہ تخمینہ 5 ملین روپے تھا۔ کیونکہ ڈونر ایجنسیاں کسی ایسے پراجیکٹ میں تعاون نہیں کرتیں جس کے آپریشنل اخراجات کے لئے مشکلات کا سامنا ہو۔ای پی اے پنجاب کا خیال تھا کہ یہ اخراجات کارخانوں کے مالکان برداشت کریں مگر وہ ایسا کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔

نیز چمڑے کے کارخانوں کے چھوٹے بڑے مالکان دو حصوں میں بٹ گئے،

150 چھوٹے کارخانے دار ایک طرف اور 90 بڑے کارخانوں کے مالک ایک طرف، چھوٹے مالکان کا کہنا تھا کہ بڑے کارخانوں کے مالک زیادہ کماتے ہیں، اس لئے وہ مذکورہ اخراجات کے لئے زیادہ رقم دیں۔ جبکہ بڑے کارخانوں کے مالکان کا جواب تھا کہ چھوٹے کارخانے دار تعداد میں زیادہ ہیں اس لئے وہ زیادہ حصہ دیں۔

اس کے علاوہ مجوزہ پراجیکٹ کے لئے 150 ایکڑ زمین درکار تھی۔ جو دراصل ریلوے کی ملکیت ہے۔ مگر اب قابضین کے ہاتھوں میں ہے۔ علاقے سے آلودگی ختم کرنے اور ترقیاتی کام کے لئے آخر کار منصوبہ پر کام شروع کر دیا گیا۔

بنگلا

قصور کسی زمانے میں انتہائی زرخیزہ علاقہ تھا۔ جہاں بڑے پیمانے پر سبزیاں وغیرہ اگائی جاتی تھیں۔ زیر زمین پانی میٹھا، ٹھنڈا اور صحت بخش تھا۔ وہاں کے لوگ تندرست وتوانا تھے۔ مگر آج کل قصور کے باشندے کچھ اور کہانی سنا رہے ہیں۔ اب پانی صاف اور میٹھا نہیں رہا۔ حتی کہ 220 فٹ گہرے نلکے بھی کیمیائی مادوں کی وجہ سے آلودہ پانی دے رہے ہیں۔ اب وہاں سبزیاں کاشت کرنا ممکن نہیں رہا۔ ہوا میں عجب طرح کی بدبو موجود ہے۔ جس سے آنکھوں میں جلن کی شکایت پیدا ہوتی ہے۔ پھیپھڑوں کی بیماریاں عام ہیں۔ جبکہ متعدد مقامات پر پھیپھڑوں کے کینسر کا بھی انکشاف ہوا ہے۔

بارہ سو افراد پر مشتمل گاؤں بنگلا کے مسائل سنگین صورت حال اختیار کر چکے ہیں۔ وہاں کا ہر مرد، عورت اور بچہ کسی نہ کسی بیماری میں مبتلا ہے۔ آنکھوں کی بیماریاں اور کینسر عام ہو گیا ہے، بچوں میں ذہنی اور جسمانی معذوری کے کیسوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ لوگوں کو انتظامیہ کی طرح رفاہی تنظیموں پر اعتماد نہیں رہا ان کا کہنا ہے کہ ان مسائل کی ذمہ انتظامیہ ہے جو ٹینریز کے مالکان سے گٹھ جوڑ کر کے ان کے مسائل کی طرف سے چشم پوشی کئے ہوئے ہے۔ اس طرح رفاہی تنظیموں کی کارکردگی بھی تسلی بخش نہیں ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ ہمارے علاقے میں آئے دن غیر ملکی آتے رہتے ہیں وہ ان سے سوالات کرتے ہیں۔ مگر کوئی مثبت قدم نہیں اٹھایا جاتا، شاید یہ لوگ بھی مالکان سے بھتہ لیتے ہیں۔ گذشتہ 14-15 سال کے دوران چمڑے رنگنے کے کارخانوں میں مسلسل اضافے

کی وجہ سے زیرزمین پانی نا قابل استعمال ہو گیا ہے۔لیکن ٹینریز سے نکلنے والا سیال اخراج اور کیمیائی مادے بدستور ماحول کو پورا گندہ کررہے ہیں۔

سیاستدانوں نے بھی لوگوں کی مدد نہیں کی، وہ انتخابات کے وقت بڑے بڑے وعدے کرتے ہیں، مگر مقامی لوگوں کی نجات کے لئے کوئی اقدامات نہیں اٹھائے جاتے۔

ٹینریز سے نکلنے والا آلودہ پانی نہ صرف قرب وجوار بلکہ دور دراز کے دیہات کو بھی متاثر کررہا ہے۔ کیونکہ یہ فضلہ، منان والا، ہاری ہار، بہامنی والا اور دولیا والا اور دیگر علاقوں سے گزرتا ہوا قصور سے باہر جاتے ہوئے روہی نالہ میں جا گرتا ہے اور گزرتے گزرتے اپنا اثر ملحقہ علاقے میں چھوڑتا جاتا ہے۔

گندے پانی کے نکاس کے دوران فضلہ رسنے سے ٹیوب ویلز کا پانی بھی آلودہ ہو جاتا ہے جو نقصان دہ کیمیائی مادوں کی وجہ سے زرعی زمینوں کی زرخیزی اور خصوصاً سبزیوں کو تباہ کرتا ہے۔

مسئلہ کے حل کی تلاش میں سرگرداں دیہاتی متعدد بار کارخانوں کے مالکان اور انتظامیہ سے رابطہ قائم کر چکے ہیں۔ اس پر انہیں حفاظتی پشتہ باندھنے کا مشورہ دیا گیا تھا۔ یہ بند قصور نارووال روڈ سے لے کر قصور فیروز پور سیکٹر تک ایک میل لمبا ہے، اس بند کی بدولت کیمیائی فضلہ دیہات کی جانب نہیں پھیلتا۔مگر اس سے زیرزمین سطح آب بلند ہو گئی ہے۔ جس سے قصور پاک پتن روڈ کے ڈوبنے کا خطرہ لاحق ہو گیا ہے، اس بند کے خلاف انتظامیہ نے بہت تگ ودو کی، لیکن دیہاتیوں نے ان کی ایک نہیں چلنے دی۔ دیہاتیوں کا خیال ہے کہ بند کی تعمیر کے خلاف کی گئی کاروائی کے پس پشت رشوت ستانی اور بدعنوانی کار فرما ہے۔ انہوں نے اب بند کی حفاظت کے لئے چوکیدار رکھے ہیں جن کی تنخواہیں وہاں کے کسان اور دیگر مقامی لوگ چندہ جمع کر کے ادا کرتے ہیں۔

قصور کے ملحقہ دیہات کے لوگ شاید اپنا مقدمہ جیت لیں مگر آلودگی کے خلاف جنگ جاری ہے۔حکومت نے حال ہی میں وہاں ایک ٹریٹ منٹ پلانٹ نصب کیا ہے۔ اس سے یقیناً مثبت نتائج برآمد ہوں گے لیکن کئی برسوں کے دوران پھیلی ہوئی آلودگی کو ختم کرنے کے لئے اور علاقے میں پھیلی ہوئی بیماریوں کا مداوا ایک ٹریٹ منٹ پلانٹ سے نہیں ہوسکتا۔

سیالکوٹ

کھیتوں کے درمیان بنے پانی کے جوہڑوں کے اوپر ڈوبتے سورج کی شفق پھیل رہی تھی۔ درخت کے قریب کھڑے ہوئے گھوڑے اور خاموش فضانے وہاں مشہور برطانوی مصور کانسٹیبل کی تصور بنا دی تھی۔ لیکن یہ محض ایک دور کا نظارہ تھا۔ قریب سے دیکھوں تو یہ کہانی کچھ اور تھی۔ وہاں ایک ناگوار بو پھیلی تھی۔ اجڑے اجڑے درخت زمین کے بنجر ہونے کا پتہ دے رہے تھے۔ تالاب کا پانی سیاہی مائل تھا۔ یہاں چمڑے کے کارخانے کا سیال نکاس ڈالا جا رہا تھا۔

سیالکوٹ شہر سے 3 کلومیٹر دور پسرور روڈ پر چمڑے کا ایک بڑا کارخانہ ہے۔ اسی سڑک پر اس نوعیت کے بہت سے کارخانے لگائے گئے ہیں۔ یہ علاقہ چند سال قبل تک مکمل طور پر زرعی تھا اور گرد ونواح میں متعدد گاؤں اور بستیاں موجود تھیں۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے کارخانوں سے نکلنے والا زہریلا مواد ان زمینوں کی زرخیزی کو چاٹنے لگا۔ گو کہ پسرور روڈ پر واقع کچھ دیہات چمڑہ سازی کے حوالے سے پہچانے جاتے تھے۔ مگر ان دونوں چمڑا تیار کرنے کے لیے روایتی طریقوں کو اپنایا جاتا تھا۔ یعنی کھل کو تپتی دھوپ میں سکھایا جاتا تھا اور ان سے مختلف اشیاء تیار کی جاتی تھیں۔ اس پورے عمل میں زرعی زمین یا انسانی جانوں کو کسی قسم کا کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا۔ لیکن اب جبکہ روایتی طریقوں کو جدید طریقوں میں تبدیل کر دیا گیا ہے اور کارخانوں میں مختلف قسم کے کیمیکل استعمال کئے جاتے ہیں تو وہاں سے خارج ہونے والا زہریلا مادہ انسانی جانوں مویشیوں اور زمینوں کے لیے انتہائی خطرناک ہے۔

علاقے کے لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کے نلکوں نے زرد رنگ کا آلودہ پانی دینا شروع کر دیا ہے۔ اس لئے بہت سے لوگوں کو صاف پانی حاصل کرنے کے لئے طویل فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے۔

1993ء کے ایک سروے کے مطابق اس علاقے میں قائم کئے گئے چھوٹے چھوٹے کارخانوں کی تعداد 130 ہے۔ وہ روزانہ 11 لاکھ لیٹر آلودہ پانی خارج کرتے ہیں۔ کارخانوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے لیکن آلودہ سیال کے اخراج کا کوئی معقول

نظام نے بنایا گیا۔ جس سے ٹینریز سے نکلنے والے فضلہ سے خطرے میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔

یہ ٹینریز زیادہ تر گنجان علاقوں میں قائم ہیں جس کی بناء پر فضلے کے لئے انسدادی نظام بنانا ایک مشکل کام ہے۔ ان میں ایبٹ روڈ، شاہ بان اگوکی یا چھاؤنی کا علاقہ ہے۔ اس کے علاوہ سیالکوٹ شہر میں بھی متعدد ایسے کارخانے قائم ہیں۔

سیالکوٹ کے زیادہ تر کارخانے الگ الگ یونٹوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ یعنی 35 کے قریب ڈسکہ روڈ حاجی پورہ اور گردونواح میں ہیں۔ جبکہ 25 سے زائد وزیر آباد سے سمبڑیال تک پھیلے ہوئے ہیں۔ 13 کارخانے ڈیفنس روڈ اور ہیڈ مرالہ روڈ پر، 12 سیالکوٹ انڈسٹریل اسٹیٹ میں اور 8 سعید پور روڈ پر واقع ہیں۔ جبکہ بعض کیپٹل روڈ، میانا پورہ، کوٹلی بہرام، پاسی کوٹلی، فتح گڑھ، نیکاپورہ اور خادم علی روڈ پر ہیں۔

یہ لاتعداد کارخانے جو منصوبہ بندی اور باقاعدہ اجازت کے بغیر قائم کئے گئے ہیں ماحول، آبادی اور زمین کے لئے سنگین خطرہ بن چکے ہیں۔ حتیٰ کہ کارخانوں کے مالک اس صورت حال سے چشم پوشی اختیار کئے ہوئے ہیں اور زہریلے مادے کے اخراج کو جاری رکھ کر ماحول اور معاشرے کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ جبکہ ان میں ایسے بے حس اور کم اندیش افراد بھی موجود ہیں جو کارخانوں کے آلودہ پانی کو کھڑی فصلوں میں چھوڑ کر کہتے ہیں کہ یہ کھاد کا بہترین نعم البدل ہے۔

سیالکوٹ میں ٹینریز سے پیدا ہونے والی تمام خرابیاں ایک دم نظر نہیں آتیں۔ ان کارخانوں میں بہت سے جموں کی طرف سے آنے والی نالیوں کے قریب واقع ہیں اس لئے ٹینریز کا کثیر مقدار کا فضلہ ان برساتی نالوں میں بہہ جاتا ہے۔ یہ پانی کھیتوں اور مویشیوں کے استعمال میں لایا جاتا تھا۔ اس وسیلے سے جہاں تازہ اور صاف پانی میسر آتا تھا اب وہ زہر آلود ہو چکا ہے۔

ماڈل ٹاؤن میں واقع کیپٹل روڈ پر واقع چمڑے کے کارخانے نسبتاً نئے ہیں۔ اس لئے ان کے مضر اثرات شاید کچھ عرصہ بعد ظاہر ہوں۔ سعید پور روڈ، توپ خانہ پلی، رحیم پور کچیاں پر واقع ٹینریز 15 سال پرانی ہیں۔ جبکہ باقی 6 یا 7 سال قبل قائم کی گئی تھیں۔ اس لئے علاقے کے لوگوں کی مشکلات اور شکایات کو نظر انداز کرنا آسان نہیں۔

چھاؤنی کی حدود میں واقع سڑک پر بھی چمڑے کے کارخانے قائم ہونا شروع ہو چکے ہیں اور یہ گندے پانی کا نکاس سیوریج کے ذریعے کرتے ہیں جو بستیوں اور آبادیوں سے گزرتا ہوا پھلا کونالہ میں جا گرتا ہے جہاں کے لوگ مویشی پالتے ہیں اور سبزیاں اگاتے ہیں۔ رحیم پور کچیاں کے لوگوں کا کہنا ہے ان کی بیشتر بھینس آلودہ پانی پینے سے بیمار ہو چکی ہیں اور بعض مر بھی چکی ہیں۔

اس صورتحال سے پریشان ہو کر علاقے کے لوگوں نے باہمی طور پر اس کے تدارک کی کوشش کی، متعلقہ دیہات کے مکینوں نے ایک احتجاجی جلوس نکالا جس پر انتظامیہ نے آلودگی کی روک تھام کرنے کے لئے ضروری اقدام کرنے کی یقین دہانی کرائی۔ اس وقت کچھ ٹینریز 3-4ماہ کے لئے بند کردی گئیں۔لیکن بعد میں مالکان اور انتظامیہ کی ملی بھگت سے وہ تمام یکے بعد سے انڈسٹریز کے سپرنٹنڈنٹ سے مزید ٹینریز کے قیام کے لئے اجازت نامے بند کردیئے۔ اس دوران علاقے کے مکینوں نے ''ٹینریز کا قیام موت کا پیغام'' کے نام سے ایک پمفلیٹ شائع کیا جس میں لوگوں کو ایسے کارخانوں کے نقصانات سے آگاہ کیا گیا تھا۔ مقامی سرکاری حکام نے مقامی شورش کو دبانے کے لئے بلا اجازت کام کرنے والی ٹینریز کو 15 دن کے اندر بند کرنے کا حکم بھی جاری کیا۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان پر عملدرآمد نہ ہونے کی وجہ سے وہ محض جھوٹا دلاسا ثابت ہوا۔ سب ٹینریز بدستور کا کررہی ہیں۔

وزیرآباد

چاقو چھری سامنے آتے ہی وزیرآباد کا تصور ابھرتا ہیں، کہتے ہے کہ وزیر خان مسجد لاہور کے بانی نے چنیوٹ کی تعمیر کیساتھ ساتھ وزیرآباد کی تعمیر بھی شروع کی تھی۔اس کے کئی گلی محلوں کے نام پیشوں کے نام سے منسوب ہیں۔ یعنی شروع ہی سے یہ گھریلو دستکاریوں کا شہر ہے۔ یہ شہر جو کبھی نہروں، ندی نالوں اوردریا سے گھرا ہوا ایک خوبصورت شہر تھا اب یہاں فطری حسن کے نام کی کوئی شے نظر نہیں آتی۔ شہر کے اردگرد باغ اجڑ چکے ہیں قدرتی نالے فضلاتی نالے بن گئے ہیں۔

اب تو یہ عالم ہے کہ وزیرآباد میں جس طرف سے بھی داخل ہوں بدبو کے بھبکے

استقبال کرتے ہیں۔ فیصل آباد سے آئیں تو ہڈیاں جلنے کی بدبو، لاہور سے آئیں تو چمڑے رنگنے کی بدبو اور کوڑے کرکٹ کے ڈھیر وغیرہ۔ گجرات سے وزیر آباد آنے کے راستے میں پانی کا ایک چشمہ تھا جو ایک تفریح گاہ بن گئی تھی۔ اب وہ چشمہ گندے پانی کا نالہ بن چکا ہے۔ اس شہر کے ہر گلی کوچے کے کونے پر غلاظت کے ڈھیر ہیں۔

اس شہر میں کشش ثقل کے خلاف سیوریج سسٹم تیار کیا گیا ہے جس کی وجہ سے بالائی نالی کے کنارے چھلکنے لگتے ہیں، اس طرح ڈیم شاہ پلکھو تک کا نالہ فضائی آلودگی کا بڑا ذریعہ ہے۔

وزیر آباد میں تیار ہونے والے چاقو چھریوں کے لئے خاص قسم کا لوہا استعمال کیا جاتا ہے۔ جسے گرم کرنے پر پیدا ہونے والا دھواں انسانی پھیپھڑوں کے لیے شدید مضر ہے۔ شہر میں پبلک پارک نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ حالانکہ ماضی میں اس شہر میں درختوں کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ مثلاً کئی جگہیں درختوں کے ناموں سے پہچانی جاتی تھیں، مثلاً کیکر والی مسجد، گوندنی والا گھر، بیری والا حکیم۔ پیپل والا چوک، لیکن اب مقامی انتظامیہ کی بے توجہی بڑھتی ہوئی آبادی، گھریلو صنعتوں کی کثرت سے یہاں نباتات گھٹتی گئیں اور آلودگی بڑھتی گئی۔ شیر شاہ سوری کے زمانے میں تعمیر کیا گیا ڈاک بنگلہ جو ہمارا ثقافتی ورثہ ہے دگر گوں حالت میں ہے۔ یہ شہر ان سرکاری ایجنسیوں اور غیر سرکاری تنظیموں کے انتظار میں ہے جو اس کے فطری حسن کی بحالی کے لئے منصوبے بنائیں اور ان کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل ہو سکیں۔

اسلام آباد کا گرڈ اسٹیشن

1991ء میں اسلام آباد کے ایک پرسکون رہائشی علاقے ایف 6/1 میں مقیم ایک خاندان کو وقت زبردست پریشانی کا سامنا کرنا پڑا جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ ان کے گھر کے برابر درختوں سے گھرے ہوئے چھوٹے سے قطعہ اراضی پر ایک گرڈ سٹیشن قائم کیا جا رہا ہے۔ کچھ دنوں بعد وہاں پر موجود درخت کٹنے لگے تاکہ گرڈ سٹیشن لگانے کا کام شروع ہو سکے۔ اس ضمن میں جب واپڈا سے احتجاج کیا گیا تو ان کی طرف سے مثبت ردعمل کا اظہار نہیں کیا گیا۔ 1992ء میں اس خاندان کے افراد نے واپڈا کے چیئر مین کے نام خط لکھا

جس میں گرڈ اسٹیشن کے منصوبے پر علاقے کے لوگوں کی تشویش ظاہر کی گئی تھی، اس میں یہ نشاندہی کی گئی تھی کہ ہائی وولٹیج ٹرانسمیشن لائنوں کے باعث جو برقی مقناطیس کا علاقہ بنے گا اس سے علاقے کے مکینوں، بالخصوص بچوں کی، جو سڑکوں پر کھیلتے ہیں اور علاقے میں قائم دھوبی گھاٹ میں رہنے والوں کی صحت کو شدید خطرات لاحق ہوں گے۔ خط میں مزید کہا گیا کہ یہ گرڈ اسٹیشن علاقے کے ماحول کے لئے بھی مضر ثابت ہوگا۔ بعد میں اس خط کی نقل آئی یو سی این کے ڈاکٹر طارق بنوری نے سپریم کورٹ کو بھی روانہ کی۔ سپریم کورٹ سے استفسار کیا کہ آیا کسی حکومتی ایجنسی کو اس قسم کے اقدامات کے ذریعے شہریوں کی صحت سے کھیلنے کی اجازت ہے۔

عدلیہ کی جانب سے جاری کئے جانے والے ایک نوٹس کے جواب میں واپڈا نے یہ موقف اختیار کیا کہ گرڈ اسٹیشن کی حدود رہائشی مکانات سے 40 فٹ کے فاصلے کے بعد شروع ہوتی ہے۔ اس لئے 132 کلو واٹ کی ہائی وولٹیج ٹرانسمیشن لائنوں سے علاقے کے لوگوں کی صحت کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔

بعد میں عدالت کی درخواست پر درخواست دہندگان شہلا ضیا اور ان کے خاندان کے ارکان نے، جن میں ان کی دو بیٹیاں سرگرم ماہرین ماحولیات ہیں، ایسے مضامین اور تحقیقی مواد کا ایک مکمل ریکارڈ عدالت کے سامنے پیش کیا جس میں واضح کیا گیا تھا کہ ہائی ٹرانسمیشن لائنوں سے پیدا ہونے والی برقی مقناطیسی شعاعوں سے لیوکیمیا، کینسر، دماغ کی رسولی اور اس نوعیت کی دیگر خطرناک بیماریاں پیدا ہوسکتی ہیں۔

سپریم کورٹ کی فل بینچ نے جواب میں واپڈا کو ہدایت کی وہ اپنی تحقیقات کی تجدید کرے کیونکہ انہوں نے جو مواد عدالت میں پیش کیا ہے وہ تقریباً 20 سال پرانا ہے۔ عدالت نے یہ بھی کہا کہ سماجی بھلائی کی خاطر اقتصادی فروغ کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس بات کو مدنظر رکھا جائے کہ ان منصوبوں سے عوام کی صحت کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔

فیصلہ

سپریم کورٹ نے اپنے فیصلے میں وضاحت کے ساتھ کہا کہ یہ معاملہ شہریوں کی فلاح و بہبود سے متعلق ہے۔ لیکن چونکہ اقتصادی ترقی کے ضمن میں توانائی کی اہمیت سے

انکار نہیں کیا جا سکتا اس لئے اقتصادی خوشحالی اور صحت کو درپیش خطرات کے مابین ایک توازن قائم کرنا ہوگا۔ فریقین نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ واپڈا کی تجویز کو جانچنے کے لئے نیسپاک کو بطور کمشنر مقرر کیا جائے۔ فاضل عدالت کا کہنا تھا کہ حکومت کو سائنس دانوں پر مشتمل ایک غیر جانبدار انجمن قائم کرنی چاہئے تا کہ مستقبل میں کسی بھی گرڈ اسٹیشن کی تعمیر سے قبل اس سے اجازت لی جائے۔ عدالت نے واپڈا کو احکام دیا کہ وہ کسی گرڈ اسٹیشن یا ٹرانسمیشن کی تعمیر سے پہلے ایک پبلک نوٹس جاری کرے جس میں اعتراضات طلب کیے جائیں اور شکایت کنندگان کے ساتھ بات چیت کی جائے۔

عدالتی فیصلے کے مطابق یہ مقدمہ ماحولیاتی حقوق کے ضمن میں تاریخی اہمیت کا حامل ہے اور پہلی مرتبہ سپریم کورٹ نے اس معاملے کو آئینی شناخت دی ہے، اس مقدمے لوگوں کے بنیادی حقوق کے سلسلے میں بھی عدالت کی توجہ مبذول کروائی گئی ہے۔ عدالت نے پانے فیصلے میں کہا ہے کہ آئین نے زندگی کے حق کی ضمانت دی ہے۔ اسی طرح زندگی اور انسانی حرمت دونوں آئینی حقوق میں مضمر ہیں۔ یوں لفظ ''زندگی'' کی اصطلاح وسیع تر معانی میں استعمال ہوتی ہے اور اس میں بنیادی خوش اطواری اور شہریوں کے ذاتی حقوق کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

نمک کا پہاڑی سلسلہ

سرخی مائل مٹی کی تہوں سے پر 60 ملین سال پرانا سفید چونے کا پتھریلا علاقہ نمک کے پہاڑی سلسلے کے شمالی کنارے پر واقع ہے۔ یہ ایک انتہائی خشک علاقہ ہے۔ خشک ہواؤں کی بدولت زمین بنجر ہوگئی ہے اس لئے تاحد نظر پودے یا درخت نظر نہیں آتے۔

زرخیز زمین کے ٹکڑے کو عبور کرتے ہوئے کہیں کہیں نالوں یا کیمیائی عوامل کے باعث زمین کے پھٹنے سے جو خلا بن گیا ہے اس میں سے ایک سڑک گزرتی ہے اس لنک روڈ کو آگے چل کر ایک اور رکاوٹ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ رکاوٹ پشاور کی جانب سے آتے ہوئے ایک لٹکتی ہوئی کوئی چیز معلوم ہوتی ہے۔ اصحاب اقتدار میں سے بہت کم افراد نے اس سڑک پر سفر کیا ہوگا۔ حکومت کی منصوبہ بندی کا عمل اس قدر مرکزی ہے کہ تمام دیہات پیچھے رہ گئے ہیں۔ پشاور سے باہر رہنے والے اتنے بے بس ہیں کہ پالیسی پر ان کا

عمل دخل نہیں ہے،۔ حالانکہ یہ تمام پالیسیاں انہی کی بھلائی اور بہتری کے لئے تیار کی جاتی ہیں۔

ان کے لئے ترقی کی کھڑکی اس وقت کھلی جب 1992ء میں حکمت عملی برائے قومی تحفظ (NCS) تیار کی گئی تھی۔ مذکورہ پالیسی یا حکمت عملی کو بڑھانے کا عمل عوام کی شمولیت پر مبنی تھا جو اس سے قبل کسی حکومت نے نہیں اپنایا تھا۔

جب صوبائی حکومت نے این سی ایس کو اپنانے کے لیے اپنی پالیسی کی بات کی تو اس نے پالیسی میں زیادہ سے زیادہ افراد یک شمولیت کو مدنظر رکھتے ہوئے سرحد صوبائی حکمت عملی برائے تحفظ تیار کی۔ اس کا عمل دو حصوں پر مشتمل تھا، یعنی پہلے حصے میں پالیسی بنانے کا عمل تھا جس میں دو سال کا عرصہ لگا جبکہ دوسرا حصہ پروگرام پر عملدرآمد کرنا تھا۔ مذکورہ پالیسی میں ماحولیاتی بہتری سرفہرست تھی۔ دریائے کابل کی صفائی بھی اس حکمت عملی کا حصہ تھی۔

سرحد حکمت عملی برائے تحفظ کی(SPCS) ٹیم نے پشاور سے اپنے کام کا آغاز کیا اور اس مقصد کے لیے ضلعی حکام کا تعاون حاصل کیا۔لیکن بوجوہ کام کا آغاز التواء کا شکار رہا ہے۔اس کے باوجود چترال، کہستان اور ہزارہ ڈویژن میں اجلاس منعقد کئے گئے۔جن میں سنگی ڈیولپمنٹ فاؤنڈیشن کی اعانت بھی شامل تھی۔

اس دوران جو عوامی رابطے قائم کئے گئے وہ بہت سود مند ثابت ہوئے۔ کیوں کہ مقامی لوگوں کی مدد اور وسیلے سے علاقے کے ماحولیاتی مسائل کے بارے میں معلومات حاصل کی گئیں نیز ایسے لوگوں سے بھی ملاقات ہوئی جو ماحولیاتی آلودگی کو ختم کرنے کے لئے کام کرنے کا جذبہ بھی رکھتے تھے اور اپنے طور پر برسر پیکار تھے۔ ان میں انفرادی اور اجتماعی دونوں صورتوں میں کام کیا جا رہا تھا۔ اس طرح صوبائی حکومت متعدد ایسی انجمنوں کے رابطے میں آ گئی جو اس قبل ان کی فہرست میں شامل نہیں تھیں۔ حالانکہ ماحولیاتی مسائل کے حل کے لئے متعلقہ سرکاری محکموں کو لا تعداد درخواستیں موصول ہوتی رہی ہیں۔

صوبہ سرحد میں 7ہزار دیہات ہیں۔ اس لئے اس کام کے لئے وقت اور محنت دونوں کی ضرورت ہے۔ مذکورہ ٹیم نے چھوٹے چھوٹے مقامات پر ورکشاپس اور سیمنار منعقد کئے تا کہ لوگ مختلف تنظیموں سے راہ راست رابطہ قائم کر کے اپنے مسائل کا حل تلاش کر سکیں۔

سب سے اہم کام صوبے کے مسائل کا احاطہ کرنا ہے۔ اگر ان کی مکمل فہرست تیار ہو جائے تو ان کے حل کے لئے حکمت عملی تیار کرنے کا کام شروع ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد اس پر عملدرآمد کے لئے عوامی شمولیت لازمی ہو گی، دوسرے الفاظ میں حکومت کو اپنے منصوبوں کی کامیابی کے لیے عوامی شراکت داری کے جذبے کو آگے لانا ہو گا، تاکہ عوام محسوس کر سکیں کہ ان کے مسائل کو ان کے تعاون سے حل کیا جا رہا ہے۔ ایسے لوگ اپنی تجاویز اور مسائل پر کھل کر بحث کریں گے۔ نیز عوام اور حکومت کے مابین اعتماد کا رشتہ قائم ہو گا۔

جنگلات کی بربادی

ضلع مانسہرہ میں دریائے سرن کے کنارے واقع جنگلات کا رقبہ 1979ء میں 84'966 ہیکٹر تھا۔ جبکہ یہ رقبہ 1988ء میں کم ہو کر 46'929 ہیکٹر رہ گیا۔ اس طرح اس علاقے میں گزشتہ 9-10 برسوں کے دوران 50 فیصد کمی واقع ہوئی۔

1992ء کے سیلاب کے بعد بڑی تعداد میں درختوں کی کٹائی مشاہدے میں آئی۔ وہ دراصل ٹمبر مافیا کی کارستانی تھی۔ جن کے تجارتی مفادات ہزارہ کے جنگلات سے وابستہ ہیں۔ دوسرے الفاظ میں ہزارہ ڈویژن میں جنگلات کی بربادی کی ایک بڑی وجہ تجارتی مقاصد کے لئے درختوں کی غیر قانونی کٹائی ہے۔

سنگی کے زیر اہتمام کئے گئے ایک سروے کے مطابق ایف سی ایس (فارسٹ کواپریٹو سوسائٹی) کے ارکان درختوں کی کٹائی والے علاقوں میں اپنا اثر ورسوخ استعمال کر کے چھوٹے جنگلات کے مالکوں کو اپنا دست نگر بنائے رکھتے ہیں۔ تین اقسام کے درخت کٹائی کے قابل سمجھے جاتے ہیں۔

1- 80 برس سے زیادہ عمر کے درخت۔

2- قدرتی طور پر نقصان زدہ درخت۔

3- بیمار درخت۔

بڑے جنگلات کے مالکان، چھوٹے مالکان کی کمزور معاشی اور سماجی حیثیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کی آمدنی میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔ جس پر وہ ان کے زیر اثر آنے

پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ ہزارہ ڈویژن میں تین اقسام کے جنگلات ہیں۔ ذخیرہ جنگلات، محفوظ جنگلات اور گذارہ جنگلات۔

1-ذخیرہ جنگلات

یہ جنگلات سرکاری ملکیت ہیں اور محکمہ جنگلات کے حکام ان کی دیکھ بھال کرتے ہیں ایف ڈی سی ان درختوں کی نشاندہی کرتی ہے جو یا تو بہت بوڑھے ہو چکے ہیں یا قدرتی وجوہات کی بناء نقصان زدہ ہیں۔ ان علاقوں میں مقامی آبادی کو چند محدود حقوق حاصل ہیں۔ مثلاً گھاس کاٹنا، مویشی چرانا، گری ہوئی خشک لکڑی چننا اور جنگلات میں سے گزرنے والے راستے کا استعمال۔

2- محفوظ جنگلات

یہ وہ جنگلات ہیں جن پر حکومت اور مقامی آبادی کے درمیان حق ملکیت کا فیصلہ ابھی نہیں ہوا۔

3- گذارہ جنگلات

یہ صوبہ سرحد (ہزارہ ڈویژن) اور صوبہ پنجاب کے دیہی علاقوں کے وہ جنگلات ہیں جنہیں بندوبست اراضی کے وقت ذخیرہ جنگل یا محفوظ جنگل قرار نہیں دیا گیا۔ یہ جنگلات دیہی آبادی کے مفادات کی خاطر سرکاری ملکیت میں لے لئے گئے تھے۔ ان جنگلات کی زمین دیہی آبادی یا افراد کی ملکیت ہے مگر درختوں پر کنٹرول حکومت کا ہے۔ گذارہ جنگلات کا شمار محدود علاقے میں ہوتا ہے جہاں کاشتکاری ممنوع ہے۔

جنگلات کے انتظام میں عوام کی عدم شمولیت

ہزارہ میں جنگلات کا انتظام روایتی طور پر مقامی لوگ جرگہ کے ذریعے کرتے ہیں۔ جرگے کا نظام بذات خود کوئی بہترین نظام نہیں ہے کیونکہ آبادی کے بزرگ اور با اثر افراد جرگہ کو یرغمال بنائے رکھتے ہیں۔ بہر حال پرانے وقتوں میں جرگہ میں ایسا قانونی نظام وضع کرلیا تھا جو سماجی تنظیم کے ذریعے جنگلات کے دیرپا استعمال کا انتظام کرتا تھا اور اسے عوام کی حمایت بھی حاصل تھی۔ مگر برطانوی حکمرانوں نے ایک قانونی نظام وضع کیا اور جنگلات کا انتظام بتدریج عوام سے حکومت کی طرف منتقل ہو گیا۔

روایتی نظام کے خاتمے اور تجارتی مفاد پرستی کی ترویج کے باعث نئے اداروں، قوانین اور منصوبوں کی تشکیل کے باوجود جنگلات کا انتظام روایتی اداروں کی جگہ عوامی شمولیت پر مبنی غیر سرکاری تنظیمیں اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکیں۔ بلکہ اس سے عوام کی شرکت نسبتاً کم ہوتی چلی گئی اور غیر معروف اداروں اور گروہوں کو ان پر مسلط کر دیا گیا۔

اداروں کا ناجائز استعمال

1950ء کی دہائی تک جنگلات کی نشاندہی اور کٹائی محکمہ جنگلات کی ذمہ داری تھی۔ جبکہ درختوں کو گرانے اور ترسیل کے لئے چھوٹے ٹھیکے دیئے جاتے تھے۔لیکن ان سے حاصل ہونے والی آمدنی محکمہ جنگلات کا مکمل استحقاق تھا۔ 1960ء کی دہائی میں ایوب خان کے بنیادی جمہوری نظام کو فروغ دینے کے لئے محکمہ جنگلات نے درختوں کی کٹائی کا کام ٹھیکے داروں کو دینا شروع کر دیا۔ اس نظام کے تحت جنگلات میں کھڑے درختوں کے ذخیرے ٹھیکیداروں کے ہاتھ نیلام کر دیئے جاتے۔ وہی ان جنگلات کی کٹائی، ترسیل، حتیٰ کہ فروخت کے بھی ذمہ دار ہوتے تھے۔ اس طرح پہلی مرتبہ فروخت کا اختیار محکمہ جنگلات کے ہاتھوں سے نکل گیا اور متعلقہ ٹھیکیداروں میں زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کی دوڑ شروع ہو گئی۔ یوں جنگلات کے ٹھیکے داروں کا نیا طبقہ وجود میں آیا جس کے انتظامیہ کے ساتھ گہرے روابط تھے۔ یہ امر زیادہ کمائی کی خاطر محکمہ جنگلات کے نشان زدہ درختوں سے کہیں زیادہ کٹائی کی جانب پہلا قدم ثابت ہوا۔

صوبہ سرحد کی فاریسٹ ڈویلپمنٹ کارپوریشن،صوبے کے ایف ڈی سی ایکٹ 1976ء کے تحت قائم کی گئی تھی، تاکہ ٹھیکیداروں کے ذریعے لکڑی کی نکاسی اور نیلام کے متنازعہ نظام کی جگہ جنگلات کی ترقی کو ٹھوس اور معقول بنیادوں پر منظم کیا جا سکے۔ ایف ڈی سی کے تنظیمی ڈھانچے پر 1980ء میں نظر ثانی کی گئی اور صوبائی حکومت نے صوبہ سرحد کے آرڈی نینس مجریہ 1980ء کے تحت کارپوریشن کا انتظام چلانے کے لیے ایک بورڈ آف ڈائریکٹرز قائم کر دیا۔

ایف ڈی سی کے قیام کے وقت حکومت سرحد کا خیال تھا کہ اس طرح جنگلات کے وسائل کے استعمال اور ترقی کو تکنیکی بنیادوں پر چلانا ممکن ہوگا، مگر بدقسمتی سے اس وسیلے

سے جو نظام وجود میں آیا اس نے لکڑی کے حصول سے پہلے سے موجود بے قاعدگیوں کو کم کرنے کی بجائے بڑے زمینداروں کی طاقت اور جنگلات پر ان کے اختیار میں مزید اضافہ کر دیا۔ اور ایسا ایف ڈی سی کے افسروں، بڑے جنگلات کے مالکوں اور ٹھیکیداروں کی ملی بھگت سے ہی ممکن ہوا۔

سروے کے دوران ہزارہ ڈویژن کے مقامی لوگوں کا کہنا تھا کہ ایف ڈی سی ہزارہ ڈویژن میں جنگلات کی کمی کو دور کرنے کے بجائے منافع کمانے میں مصروف رہی ہے۔

فارسٹ کوآپریٹو سائٹیز (ایف سی ایس)

ایف ایس عوام کو جنگلات کے انتظام میں شریک کرنے کے نظریئے پر مبنی ہے۔ ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق اب تک قائم ہونے والی 37 سوسائٹیوں میں سے صرف 32 کام کر رہی ہیں۔ کام کرنے والی سوسائٹیوں میں تین کو بدعنوانیوں کے باعث کالعدم قرار دیا جا چکا ہے۔ جبکہ 4 کے خلاف ایسی ہی وجوہات کی بناء پر کالعدم قرار دیئے جانے کی کاروائی جاری ہے۔ پندرہ سوسائٹیوں کو بڑے پیمانے کی بے قاعدگیوں پر سزا دی جا چکی ہے۔ ان سوسائٹیوں نے آمدنی کو پہلے سے طے شدہ شرح، جس میں مالک کا حصہ 60 فیصد ہونا تھا، کے تحت تقسیم نہیں کیا۔ اور کسی بھی سوسائٹی نے جنگلات اگانے اور زرخیرہ بڑھانے کے سلسلے میں فاریسٹ مینجمنٹ پلان، کی متفقہ شرائط پر عمل نہیں کیا۔

ریاست کا مرکزیت پسند ڈھانچہ، نظام احتساب کی کمی، مقامی سطح کے عوامی شمولیت کے اداروں کی کمزوری، اور طاقتور معاشی اور سیاسی گروہوں کی موجودگی میں وہ عوامل ہیں جنہوں نے صوبے کے جنگلات بشمول ہزارہ ڈویژن، جنگلات کے انتظام کو بگاڑا ہے۔ چنانچہ گذارہ جنگلات کے چند مالک جو جنگلات کی آمدنی پر کنٹرول حاصل کرنے کی وجہ سے انتہائی طاقتور ہو گئے ہیں محکمہ جنگلات کے کام میں دخل اندازی کرتے ہیں۔

لیکن محکمہ جنگلات اب محض نگرانی کے عمل سے نکل کر وسیع تر سماجی شمولیت کے طریقوں کی طرف مائل نظر آتا ہے۔ اس تبدیلی کی ایک وجہ ان پروگراموں کی کامیابی ہے جن میں منصوبہ بندی، نفاذ عمل اور نگرانی کے تمام مراحل میں مقامی آبادی کو شامل کیا گیا

ہے۔ مقامی آبادی کا یہ مطالبہ ہے کہ قدرتی ماحول پر اثر انداز ہونے والے ہر معاملے میں ان سے مشورہ کیا جائے۔

جنگلات کے مسائل سے متعلق غیر سرکاری تنظیموں کی حوصلہ افزائی کے نتیجے میں مقامی آبادی اب بے عملی کا کردار چھوڑ کر سرگرم شمولیت کا رویہ اپنا رہی ہے۔ تاہم بہت سے مسائل ابھی تک موجود ہیں۔ صوبائی حکومت اور ضلعی انتظامی اداروں کے لائحہ عمل میں عدم مساوات نظر آتی ہے۔ حکومت قومی حکمت عملی برائے پائیدار ترقی کو تسلیم کرتے ہوئے شراکتی نقطۂ نظر کی حمایت کرتی ہے جبکہ ضلعی ادارے اپنے وسیع تر مفاد کی خاطر عوامی شمولیت کو زیادہ پسند نہیں کرتے۔

ٹمبر مافیا

مارچ 1992ء میں وادی کاغان کے لوگ خوفناک آواز سے لرز گئے کیوں کہ پہاڑوں کی اونچائی سے ہزاروں ٹن پانی اپنے ساتھ مٹی، پتھر کے تودوں اور درختوں کے ساتھ نشیب کی طرف بڑھ رہا تھا۔ بارش تھمی تو اکھڑے ہوئے درختوں اور پتھروں سے دریائے کنہار، سراں اور دریائے جہلم کے پاٹ اٹ گئے۔ ہزاروں کی تعداد میں کٹی ہوئی لکڑی اور تنے سمیت اکھڑنے والے درختوں کی گنتی کرنا ممکن نہ تھا۔ اصل مسئلہ یہ تھا کہ کوئی بھی ان گرے ہوئے درختوں کو اپنا ماننے کے لئے تیار نہ تھا۔ کیوں کہ یہ سب غیر قانونی طور پر کاٹے گئے تھے۔ انسانی زندگی کے خاتمے، مکانوں کا نقصان زرعی زمین کی تباہی ایک سانحہ تھا۔ کیونکہ لکڑی کے تنوں نے راستے میں آنے والی ہر شے کو تہس نہس کر دیا تھا۔

پہاڑی علاقوں میں موجود ان گنت آبادیاں دنیا بھر سے کٹ کر تنہا رہ گئی تھیں۔ پختہ راستوں کے ملیا میٹ ہونے کی وجہ سے لوگوں کو اشیائے ضرورت کی شدید قلت کا سامنا کرنا پڑا۔

بے شک اس دوران حکومت کی سول اور فوجی امداد نہایت تن دہی سے وقوعہ پر پہنچنا شروع ہو گئی تھی۔ ان کی امدادی کاروائیوں کی بدولت مقامی لوگوں کو چین ملا، لیکن اس دوران یہ شکایت بھی موصول ہوئی کہ متاثرین کی مستقل بحالی کے لئے حکومت کی جانب سے کئے گئے انتظامات نامکمل اور ناکافی ثابت ہوئے تھے۔

اس سال ہونے والی تباہی غیر معمولی ضرور تھی لیکن غیر متوقع نہیں تھی۔ کیونکہ بارشوں کی وجہ سے جانی اور مالی نقصان کی بڑی وجہ بڑے پیمانے پر جنگلات کی کٹائی ہے۔ غیر قانونی طور پر کاٹے گئے درختوں کونقل وحمل کے لئے ندیوں کے کنارے چھوڑ دیا گیا تھا جنہوں نے پانی کی زور میں شامل ہو کر نا قابل تلافی نقصان پہنچایا۔

ان علاقوں میں درختوں کی کٹائی برسوں سے جاری ہے جو علاقے میں جاگیرداری نظام کے تحت علاقے میں قبضے کی صورت میں موجود ہے۔ ٹمبر مافیا کے اراکین نے جنگلات کے متعلقہ شعبوں میں اہم حیثیت حاصل کر لی ہے۔ جبکہ بہت سے ایسے خاندان جو جنگلات کا مذکورہ کاروبار کرتے ہیں ملکی سیاست میں ملوث ہیں جنہوں نے قانون سازی کو اپنے مفادات کے تابع رکھا ہوا ہے۔ انہیں ماحول کی تباہی یا مفاد پرستی کے عمل سے علاقے پر مرتب ہونے والے مضر اثرات سے کوئی غرض نہیں۔ یہ صورت حال بدعنوانی کے باعث مزید خراب ہوگئی ہے۔ محکمہ جنگلات کے اہلکاروں کا احتساب نہ ہونا، غلط انتظامی فیصلے اور دیگر وجوہات کی بناء پر جنگلات کے مالکان کو کھلی چھوٹ ملی ہوئی ہے۔ روزگار کے مناسب مواقع اور وسائل نہ ہونے کے باعث مقامی لوگ درختوں کی غیر قانونی کٹائی کے دھندے میں ملوث ہو جاتے ہیں۔

سیلاب کی تباہی کے بعد ایک سوال شدت کے ساتھ سامنے آیا۔ کیا سرکاری محکمہ اس ضمن میں ضروری اقدام کرے گا؟ بہر حال صوبہ سرحد کے محکمہ ماحولیات اور ترقیات نے ایک کمیشن کے ذریعے تفتیش کروا کر کابینہ کو رپورٹ پیش کردی۔ جس میں کہا گیا تھا کہ تودے گرنے سے وادی کاغان میں تباہی معمولی بات ہے۔ البتہ رپورٹ میں کمزور ماحولیاتی صورت حال، زمین کا غلط استعمال، بے قابو چراگاہوں اور نامناسب سیوریج سسٹم کی نشاندہی بھی کی گئی تھی۔ حالانکہ سیاسی طاقت اور پشت پناہی اور جاگیرداری نظام کے خاتمے کے بغیر ان تجاویز پر عملدرآمد ناممکن ہے۔ کیوں کہ ندی کے دونوں کناروں کے نزدیک درختوں کی کٹائی پر مکمل پابندی کی ضرورت ہے۔

آبادی کی اکثریت جس زرعی ڈھانچے پر انحصار کئے ہوئے ہے اس میں وہ متعدد کمزوریوں سے ناواقف ہے۔ مثلاً سیلاب کے بعد آبی ذرائع کو صاف نہیں کیا گیا نیز لکڑی کے تنے اور دیگر اشیاء کو ہٹائے بغیر علاقے کی از سر نو مرمت اور بحالی ممکن نہ تھی۔ البتہ

فاریسٹ کوآپریٹو سوسائٹیز پر پابندی حکومت کا واحد مثبت اقدام تھا جس میں ٹمبر مافیا کو چیلنج کیا گیا تھا کیوں کہ ان سوسائٹیز کی سرپرستی عموماً جاگیرادار اور مقامی سیاسی لیڈر کرتے ہیں جو نیلام کے دوران لکڑی کے نرخوں کو ملی بھگت سے کم رکھتے ہیں جس کے باعث چھوٹے الکان کو نقصان پہنچتا ہے۔ نیز مذکورہ سوسائٹیاں مقررہ قواعد وضوابط کی کبھی پابندی نہیں کرتیں۔ اس لئے ٹمبر مافیا کے خلاف قانون سازی کے ذریعے سخت اقدامات کی ضرورت ہے۔

سنگی فاؤنڈیشن نے مقامی لوگوں کو اپنی مدد آپ کے تحت بحالی کے لئے راغب کیا اور آبپاشی کے نظام کی مرمت پر زیادہ زور دیا گیا تا کہ زرعی کاشت کو جاری رکھا جا سکے۔ اسی طرح پانی کی فراہمی کے نظام کو بحال کرکے اسے کام لایا گیا۔ اس سلسلے میں ضلع کونسل کی جانب سے چھوڑے گئے پائپس بھی بروئے کار لائے گئے یہ پائپ ضلع کونسل نے جس غرض سے حاصل کئے تھے وہ کام ادھورا رہ گیا تھا۔ علاقے کے مکینوں نے فوری طور پر انہیں ذاتی طور پر استعمال کیا لیکن بعد میں انہیں اجتماعی مفادات کے کام میں لگا دیا گیا۔

اس ضمن میں سنگی کی کارکردگی میں شجرکاری کے ذریعے جنگلات کی بحالی بھی شامل ہے۔ انہوں نے ہزارہ میں اجتماعات کے ذریعے حکومت کی توجہ حاصل کرنے کی جدوجہد کی تا کہ علاقے میں ترقیاتی کام کروائے جا سکیں اور ٹمبر مافیا کے خلاف قانون سازی کے ذریعے سخت اقدامات کئے جا سکیں۔

مذکورہ این جی او کی سرگرمیوں کے دوران ٹمبر مافیا نے ان سیاسی مخالفت یا ذاتی مفادات قسم کے الزامات لگائے اور مقامی لوگوں کو ان کے خلاف اکسانے کی مہم شروع کردی۔ اس دوران چوری چھپے درختوں کی کٹائی بھی جاری رہی اور کارکنوں کے انکار پر ان پر تشدد کیا جانے لگا۔

بہر حال مقامی لوگ بتدریج منظّم ہو رہے ہیں۔ ہزارہ، کاغان اور دیگر ملحقہ علاقوں کے لوگوں کے درمیان رابطہ قائم ہو چکا ہے۔ لیکن سرکاری سرپرستی کے بغیر ان مشکلات پر قابو پانا مشکل ہے جبکہ یہاں مسلح تصادم کا خطرہ بھی لاحق رہتا ہے۔

نتھیا گلی

اسلام آباد میں 4 گھنٹے اور ایبٹ آباد سے 2 گھنٹے کے فاصلے پر واقع نتھیا گلی،

کوہسار مری کی ملحقہ علاقوں کا سب سے خوبصورت اور مشہور سیاحتی مقام ہے۔ یہاں پر کثیر القوی کمپنیوں سرکاری اور غیر سرکاری اداروں تاجروں اور دیگر اہم شخصیات نے بڑے بڑے گاؤں آباد کیے ہیں۔

موسم سرما میں نتھیاں گلی کی آبادی بہت کم ہوتی ہے جب گرمی کے موسم میں یہاں کی آبادی میں تقریباً دس ہزار تک کا اضافہ ہو جاتا ہے، مقامی لوگ انتظار کرتے ہیں۔ اس دوران علاقے میں ٹریفک کا شور بڑھ جاتا ہے وہاں کی خوشگوار فضا آلودہ ہونے لگتی ہے لیکن عارضی طور پر اس علاقے میں آبد ہونے والے لوگ ان کی معاش کا سہارا ہیں، اس دوران سب بوڑھے، جوان اور بچے سیاحوں کی خدمت اور دلجوئی میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

وہاں کے مقامی لوگوں کو سیاحوں کی پھلائی ہوئی آلودگی سے کوئی سروکار نہیں۔ مقامی لوگوں کی خوراک مقامی طور پر کاشت کی گئی مکئی ہے لیکن سیاحت کے موسم کے آغاز سے یہ لوگ معدنی پانی کی بوتلیں، بسکٹ مشروبات کے بے اور دیگر اشیائے خورنی کا برائے فروخت ذخیرہ کرنے لگتے ہیں چنانچہ اس موسم میں علاقے کی پگڈنڈیاں اور گلیاں پلاسٹک کی تھیلیوں، خالی ڈبوں اور بوتلوں سے اٹی ہوئی نظر آتی ہیں۔ حالانکہ ہزارہ امپرومنٹ ٹرسٹ کی جانب سے کچرا جمع کرنے کی غرض سے ڈبے بھی نصب کئے گئے ہیں۔ لیکن سیر و سیاحت کے لئے آنے والے اس کا خیال نہیں کرتے وہ کچراڈبوں میں ڈالنے کے بجائے ادھر ادھر پھینک کر ماحولیاتی آلودگی جرم سرزد کرتے ہیں۔

ٹرسٹ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ گندگی پھیلانے والوں کے خلاف کاروائی کرے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ ایسی قانونی کاروائی کس کے لیے کریں کیوں کہ اس میں سراسر قصور سیاحوں کا ہی نہیں بلکہ مقامی لوگوں کا بھی ہے۔ وہ بھی اس دوران دوکانوں، قہوہ خانوں اور ریسٹورانوں میں جمع ہونے والا کچرا برساتی نالے میں پھینک دیتے ہیں۔

نتھیا گلی میں آنے والے سیاح علاقے کی معیشت کو مضبوط کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ وہ پانی، نکاسی آب اور کچرے سے پیدا ہونے والے مسائل بھی پیدا کرتے ہیں۔

اس ضمن میں پاکستان کو کوہساری گلیوں کے ماحول کے تحفظ کی فاؤنڈیشن نے ان مسائل کی نشاندہی اس طرح کی ہے۔

1- آبادی، وسائل اور پروگراموں کی منصوبہ بندی کی کمی۔

2- پلاٹ حاصل کرنے کی غرض سے درختوں کی بڑے پیمانے پر کٹائی۔
3- زمین کی تباہی۔
4- پودے لگانے کے بعد ان کی دیکھ بھال کی کمی۔
5- نکاسی آب کا موجودہ ناکارہ نظام۔

نیز ضرورت اس بات کی ہے کہ سیاحتی موسم میں کچرے کی صفائی کا خیال رکھا جائے اس دوران نگرانی کے نظام کو بہتر بنایا جائے اور کچرے پھیلانے والوں پر بروقت جرمانہ عائد کیا جائے۔

کانگڑہ کی تیزابی بارش

موسم سرما کی ایک رات میں جب ہری پوری کی قریبی گاؤں کانگڑہ کے رہنے والے بے خبر سو رہے تھے اس وقت اس علاقے میں قائم فیکٹریوں کی چمنیوں سے نکلنے والا زہر سرسبز کھیتوں اور نہری پانی کو تباہ کر رہا تھا۔

ہری پور سے 4 کلو میٹر کے فاصلے پر واقع کانگڑہ پاکستان میں سب سے زیادہ ماحولیاتی تباہ کاری کا شکار ہونے والا گاؤں بن چکا ہے اس کی تباہی کی بڑی وجہ مذکورہ کھاد فیکٹریاں ہیں جن میں سے ایک 350 ایکڑ رقبے پر پھیلی ہوئی ہے۔ اسے این ایف سی نے چین کے مشترکہ تعاون سے قائم کیا تھا۔ بعد میں اسے نجی شعبے کو دے دیا گیا۔ اس فیکٹری میں روزانہ 300 ٹن کھاد تیار ہوتی ہے۔ جس کی تیاری میں نائیٹروجن، میتھین، امونیم ہائیڈروآکسائیڈ کے علاوہ نکل اوکسائیڈ اور فیرس اوکسائیڈ بھی استعمال کی جاتی ہے۔ فاضل مادہ جس میں ایمونیا اور یوریا حل کر کے ایک کا تالاب میں جمع کیا جاتا ہے۔ فیکٹری سے نکلنے والا فاضل مادہ 514 ٹن فاضل مادہ فی گھنٹہ اس تالاب میں جمع ہوتا ہے۔

قومی مالیاتی کوالٹی اسٹینڈرڈ کے مطابق ایمونیا کی مقدار 400 ملی گرام سے کسی صورت زیادہ نہیں ہونی چاہئے لیکن مذکورہ فیکٹری یہ زہریلا مواد زیادہ مقدار میں خارج کرتی ہے اور کھاد کی تیاری میں روزانہ 6 سے 9 سو ٹن پانی استعمال کیا جاتا ہے۔

ایک محتاط تجزیے کے مطابق فیکٹری کی بدولت 600 کیوبک میٹر زہریلا پانی قرب جوار کے علاقے پر اثرانداز ہو رہا ہے کیونکہ فیکٹری کا تالاب مطلوبہ اور مقرر کردہ

اصولوں کے تحت نہیں بنایا گیا۔جس کی وجہ سے زیر زمین پانی آلودہ ہورہا ہے۔ نیز مذکورہ تالاب ڈھکا ہوانہیں ہے جس کے باعث پانی سے نکلنے والے بلبلے فضا کو پراگندہ کرتے ہیں اور لوگوں کو اکثر سانس کی تکالیف لاحق ہو جاتی ہیں۔ خارج ہونے والے ایمونیا سے آنکھوں میں جلن گلے میں خراش کی شکایت بھی پیدا ہوتی ہے۔

این ایف سی کی ایک اور فیکٹری 1989ء میں قائم کی گئی تھی اس کی سالانہ پیداوار 85ہزار ٹن فاسفیٹ ہے اس کھاد کی تیاری کے لیے فاسفیٹ پتھر کی ضرورت ہے جو 30فیصد کاکول اور بقایا اردن اور دیگر علاقوں سے حاصل کیا جاتا ہے۔ فیکٹری کا فاضل مادہ چھوٹے تالابوں میں جمع کیا جاتا ہے اور وہیں سے باہر نکالا جاتا ہے پانی کی رنگ اور بو سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں فاسفیٹ اور سلفر ڈائی اکسائیڈ شامل ہے۔

یہ زہریلے اجزاء پر مشتمل گردوغبار فضا کو آلودہ کررہا ہے جبکہ سلفر ڈائی اکسائیڈ بادلوں میں شامل ہو کر تیزابی بارش کا موجب بنتی ہے اس بارش نے ایک آفت کی طرح دیہات کو برباد کیا ہے۔

1989ء سے فیکٹریوں سے خارج ہونے والے مادہ کی وجہ سے 100 سے زائد مویشی زہریلا پانی پینے کی وجہ سے مر گئے۔ اس علاقے میں چھوٹے کاشتکار ہیں جو پالک، میتھی، ٹماٹر اور آلو وغیرہ کاشت کرتے ہیں وہ انہیں روزانہ فروخت کر کے گزر بسر کرتے ہیں اور یہی اس علاقے کی معیشت ہے۔

سنگی نے اس ضمن میں فیکٹریوں کی انتظامیہ سے رابطہ کیا کہ مقامی لوگوں کی پریشانی کا اندازہ کیا جائے انہوں نے مذکورہ علاقوں میں نقصان کا تخمینہ 14لاکھ لگایا تنظیم نے ادارہ تحفظ ماحولیات پاکستان (PEPA) سے تحریری شکایت کی جس کی بنا پر دونوں فیکٹریوں سے ماحول کے تحفظ کے آرڈی نینس کی شق 2اے کے تحت فیکٹری کے طریقہ کار کی رپورٹ طلب کی گئی مگر فیکٹری کی انتظامیہ نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے پی ای پی اے کے اختیارات کو چیلنج کیا۔ یہ معاملہ بعد میں سیاست کی نذر ہوگیا۔ یہ بات لوگوں کی سمجھ سے باہر ہے کہ کن کو قصوروار ٹھہرائیں۔

بہرحال سنگی انہیں انصاف دلانے کے لیے قانون کا سہارا لینے کے لیے کوشاں ہیں۔

چھچھ

قدیم تاریخی شہر اٹک حضرو تک دریائے سندھ اور جرنیلی سڑک کا درمیانی علاقہ چھچھ ہوتا ہے۔ قدیم وقتوں میں یہ ایک سر سبز شاداب علاقہ کہلاتا تھا۔ یہاں ہو سو گھنے جھنڈ، ہریالی جھیلوں کا ٹھہرا ہوا پانی منظر کو دلفریب بناتا تھا اور یہاں پرندوں کی چہکار کی موسیقی دل کو لبھاتی تھی لیکن اب نہ وہاں پرانے درخت ملتے ہیں اور نہ پرندوں کو مسحور کن چہکار سنائی دیتی ہے۔

اس علاقے میں تین عشرے سے قبل تک فاختہ، نیل کنٹھ، گل تر کلا، ترکھان، ہریل طوطا، ڈھوڑر، کوا، ابابیل عام نظر آتے تھے۔ علاقے کے لوگوں کو یاد ہے کہ فاختہ کی موسم گرما کی تپتی دوپہر میں درختوں کی اونچی ڈال پر سے اٹھتی ہوئی آواز سحر انگیز ہوتی تھی۔ نیل کنٹھ، مکھی، مچھر اور ہر قسم کے کیڑے مکوڑوں کا دشمن تھا۔ ککی نیچی اڑان رکھنے والا پرندہ، فالج زدہ افراد کے لیے اس کا گرم تاثیر والا گوشت اکسیر خیال کیا جاتا تھا۔ گل تر کلا قبرستان اور دیگر اجاڑ جگہوں پر دکھائی دیتا تھا چڑی ترکھان (ہد ہد) کھوکھلے درختوں میں گھونسلا بنانے کے تگ ودو میں رہتا تھا پھلدار درختوں کے قرب وجوار میں ہرے ہرے طوطوں کی ڈاریں نظر آتی تھیں۔ ابابیل مسجدوں کی گنبدوں میں گھونسلے بناتی تھی۔

لیکن اب چھچھ کا پورا علاقہ گھوم جائیں یہ پرندے کہیں دکھائی نہیں دیتے۔ ان بے چارے پرندوں پر کیا افتاد پڑی۔ اس علاقے کا سروے کرنے کے بعد چند وجوہات سمجھ میں آئیں۔

اس علاقے میں پاپولر اور یوکلپٹس کے درختوں نے پرانے سایہ دار شیشم اور کوانہہ کی جگہ لے لی۔ یہ درخت پرندوں کو بسیرا فراہم کرتے تھے۔ خصوصاً نیل کنٹھ گل تر کلا چڑی ترکھان اور طوطے پرانے درختوں کی کھوہ میں اپنا گھونسلا بناتے تھ

پاپولر اور یوکلپٹس کے تنے ان کے لیے مناسب جائے پناہ ثابت نہیں ہوئے۔ جس نتیجے کے طور پر وہ یا تو ہجرت کر گئے یا پھر شدید موسموں کا شکار ہو گئے۔

فاختہ کے معدوم ہو جانے کی ایک وجہ یہی چھوٹے درخت ہیں وہ ان درختوں میں خود کو غیر محفوظ تصور کرتی ہے ہوائی بندوق کا بڑھتا ہوا استعمال بھی فاختاؤں کی ہجرت کی

ایک وجہ ہے نیز ٹیوب ویل کے شور سے خوفزدہ ہو کر اڑ جاتی ہے۔

ڈھوڈر کوے، چیل اور گدھے جیسے بھاری پرندے جب بجلی کی تاروں پر بیٹھتے ہیں تو سرکٹ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس طرح ابابلیں جو مسجدوں، ویرانوں گھروں یا کھنڈروں میں آرام کی نید سوتی تھیں۔ اب تیز برقی روشنیوں میں ان کی آنکھیں چندھیانے لگیں اور گرمیوں میں پنکھوں کی لپک جھپک سے ان کے آرام میں خلل پڑا اور وہ نقل مکان پر مجبور ہوئے۔

بار وادی

ماحولیات کی بحالی اور مویشیوں اور جانروں کی تعاد کی بڑھتی ہوئی قلت کو دور کرنے کے لیے ڈبلیو ڈبلیو ایف گلگت کی بار وادی میں مقامی لوگوں کے ساتھ مل کر کام کر رہی ہے۔ اس وادی میں ہمالیہ کے بھورے ریچھ، برفانی چیتے، پہاڑی بکرے اور دیگر چرند پرند بکثرت پائے جاتے ہیں جنہیں مقامی باشندے اپنی گزر بسر کے لیے عموماً ہلاک کر دیتے ہیں۔

بار وادی کے لوگوں کا ذریع معاش شکار، چراگاہیں اور زراعت ہے۔ ڈائنز جو ایک سڑک کے ذریعے شاہراہ قرارقرم سے ملا ہوا ہے اس میں دو سینگوں والے جنگلی بکرے کے کھال کو وہی اور مکھن جمع کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ جبکہ یاک بھینس اشیاء اور لوگوں کی آمدورفت کے لیے بطور سواری استعال کی جاتی ہے۔ لیکن غذا اور پالتوں مویشیوں ک تحفظ کی خاطر جنگلی حیات کے شکار سے منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔

ڈبلیو ڈبلیو ایف نے 1988ء میں اس ضمن میں ایک پراجیکٹ کا آغاز کیا تھا۔ جس کا بنیادی مقصد روایتی انسانی طریق کار کو استعال کرتے ہوئے ماحویاتی آداب کو فروغ دینا تھا۔ تاکہ آمدنی کے متبادل ذریعوں کی نشاندہی کی جا سکے، اس کی خاطر تنظیم نے مقامی آبادی کی بہتر روایات کو بنیاد بنایا کہ دیہاتی اپنے وعدے کا پاس کریں وہ دوسرے کی ملکیت کا خیال کریں اور مقامی آبادی کو اپنے رہنما پر اعتماد اور مکمل یقین ہو۔

آبادی میں سے ایک رہنما منتخب کرنے کے بعد تنظیم کے لیے ماحولیاتی مسائل کے بارے میں آگاہی پیدا کرنا نسبتاً آسان ہو گیا اور انہوں نے دو سال کے عرصے میں بغیر

اضافی وسائل کے مثبت نتائج حاصل کر لئے۔ اس علاقے کی معتبر شخصیات کو اس کام میں ملوث کیا گیا تا کہ وہ مقامی آبادی اور تنظیم کے درمیان رابطے کا وسیلہ بن سکیں۔ انہیں وساطت سے مقامی لوگوں نے شکار نہ کرنے کی قسم کھائی۔

روزگار کے متبادل ذرائع کی خاطر مالی امداد فراہم کی گئی اور مقامی لوگوں خصوصاً شکاریوں کو نئے منصوبے میں شامل کر کے ان سے چوکیداری کا کام لیا گیا۔ سن 88ء میں دو ہزار کی آبادی کے گاؤں میں 44 کل وقتی شکاری تھے جن میں سے 14 کو تحفظ کمیٹی کا رکن منتخب کیا گیا۔

اس دوران ڈبلیو ڈبلیو ایف کی مالی اعانت سے 6 کلو میٹر لمبی سڑک تعمیر کی گئی جس سے کاشتکاروں کے لئے آمدورفت آسان ہوگئی۔ کاشتکاروں کو یہ ترغیب دی گئی کہ وہ مہنگی کیمیاوی کھاد کے بجائے مویشیوں کے گوبر سے بنی ہوئی قدرتی کھاد استعمال کریں جو کثیر مقدار میں وہاں موجود تھی۔

بار وادی میں کئی اور تنظیمیں بھی سرگرم عمل ہیں جن کی بدولت علاقے میں بہت سے ترقیاتی کام ہو رہے ہیں اور مقامی لوگوں کو روزگار کے متبادل ذرائع میسر آتے ہیں۔ آغا خان رورل سپورٹ نے مقامی آبادی کو زراعت، پولٹری اور دیگر متعلقہ شعبوں میں تکنیکی تربیت دی، کسانوں کی ایک تنظیم بھی تشکیل دی گئی۔

شکار پر دباؤ کم ہونے کے بعد مقامی لوگوں نے ماحولیاتی بحالی، مویشیوں اور جنگلی جانوروں کے اضافے کے لئے اقدامات شروع کر دیئے۔ 94-1993ء کے اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ پہاڑی بکرے کی تعداد 500 سے بڑھ کر ایک ہزار ہوگئی تھی بھورے ریچھ، برفانی چیتے اور دیگر جانوروں اور پرندوں کی نسل میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ حکومت نے بہترین نشانہ بازی کی ٹرافی کے لئے ہر سال 8 عدد پہاڑی بکرے دینے کی تجویز کی حمایت کی ہے اگر اس پر عمل ہو تو یہ علاقہ ماحولیاتی تحفظ کا ایک خوبصورت نمونہ ہوگا۔

لیکن ماحولیاتی تحفظ کے پروگرام کو آگے بڑھانے کے راستے میں کچھ مسائل بھی رکاوٹ بنے ہوئے ہیں مثلاً مقامی آبادی کا خیال تھا کہ متبادل ذرائع آمدنی فوری طور پر دستیاب ہو جائیں گے۔ 1993ء کے دوران وہاں 3 کوہ پیما ٹیمیں پہنچ سکیں۔ جن کے ارکان کی تعداد 96 تھی یہ آمدنی مقامی لوگوں کے لئے ناکافی تھی نیز بازی کے مقابلے میں بھی

منعقد نہ کئے جا سکے۔ پھل اور بکروں کے بالوں سے تیار کئے گئے قالین بھی وسیع منڈی حاصل نہ کر سکے۔

اس پر مقامی آبادی میں بے چینی اور عدم اطمینان پیدا ہوا اور انہوں نے احتجاجی رویہ اختیار کر لیا۔ ان کا مطالبہ تھا کہ انہیں شکار کی اجازت دی جائے مگر ان مشکلات کے باوجود آبادی نے ماحولیاتی تحفظ کے پروگرام کو یکسر مسترد نہیں کیا۔ ماحولیاتی تحفظ کے لئے کام کرنے والی سماجی بہبود کی تنظیم کے لئے ضروری ہے کہ وہ آمدنی بڑھانے کے نئے نئے طریقے متعارف کروائے۔ جن میں سیاحت کو فروغ، پھل جمع کرنا، بکریوں کے بالوں کو متبادل طریقے سے استعمال کرنا وغیرہ۔ جیسے جیسے ان پروگراموں سے آمدنی ملنا شروع ہو گی ایسے منصوبوں کی توسیع آسان ہو جائے گی۔

کرک

کرک کا بنیادی مسئلہ صاف پانی کا نہ ہونا ہے۔ حالانکہ یہ صوبہ سرحد کا ترقی یافتہ علاقہ کہلاتا ہے۔ یہاں کی زمین قدرتی طور پر شورے والی ہے اور بڑھتی ہوئی آبادی کے پیش نظر ٹیوب ویلز میں اضافہ ہو رہا ہے۔ جس کی وجہ سے زمین کی سطح گر رہی ہے اور بہت سے لوگ کھارے پانی کی شکایت کرتے ہیں۔ زیر زمین پانی کو زرعی مقاصد کے لئے استعمال کرنے سے علاقے میں سیم تھور پیدا ہو رہا ہے۔

کرک کے لوگ صوبائی حکومت کے غیر مساویانہ سلوک سے بھی شاکی ہیں۔ خٹک قبیلہ کے ارکان نمک کو اندرون ملک اور بیرون ملک برآمد کرتے ہیں۔ مگر آمدنی کا قلیل حصہ بھی شہر کی ترقی پر صرف نہیں کیا جاتا۔ اس طرز عمل کی وجہ سے صورت حال گمبھیر ہو گئی ہے اور زرعی پیداوار بھی گھٹتی جا رہی ہے۔

کرک نمک کے پہاڑی سلسلے میں واقع ہے یہ علاقہ فطری طور پر نا قابل کاشت ہے۔

یہاں کا دوسرا مسئلہ کالا باغ ڈیم ہے۔ حالانکہ ڈیم کی مجوزہ زمین علاقے کی حدود سے باہر ہے مگر بڑی مقدار میں پانی جمع ہونے کے سبب پیدا ہونے والی سیم تھور سے لوگ خوفزدہ ہیں۔ شاید اس کے اثرات کوہاٹ اور نوشہرہ سے زیادہ کرک پر ظاہر ہوں گے۔ ڈیم

کے مسئلہ پر حامی اور مخالف مختلف کہانیاں پھیلاتے رہتے ہیں۔ جن میں سے کچھ حقیقت اور کچھ محض مبالغہ آمیز ہوتی ہے۔ اس لئے لوگ دوہری مشکل میں ہیں کہ کس کی بات کا یقین کریں۔ وہاں کے مقامی لوگ بجلی کی افادیت اور ضرورت کو اہمیت دیتے ہیں لیکن ان کے خیال میں زرعی حیثیت کی تباہی پر یہ سودا بہت مہنگا ہے۔ زیادہ تر لوگ حکومت سے شاکی ہونے کے باعث اس نقطۂ نظر کی حمایت کرنے سے گریز کرتے ہیں۔

گنیار

گنیار گاؤں مالاکنڈ ایجنسی میں قصبہ تھانہ سے دو چار کلو میٹر دور پہاڑوں کے دامن میں آباد ہے۔ گاؤں کے چند نوجوانوں نے مل کر 1985ء میں ایک فلاحی تنظیم انجمن بہبود نوجواناں گنیار کے نام سے قائم کی۔ چونکہ گاؤں کے ارد گرد تمام پہاڑ گاؤں کی ملکیت ہیں لہذا تنظیم کے نوجوانوں نے علاقے کے بزرگوں سے مشورے کے بعد شجر کاری کی مہم کا آغاز کیا اور پہاڑ کے ایک حصے میں 1986ء میں دو ہزار پودے لگائے۔ انہوں نے یہ کام کسی بیرونی امداد کے بغیر کیا۔ نیز انہوں نے چار دیواری تعمیر کی ایک گارڈ کا تعین کیا تاکہ مویشی ادھر ادھر نہ جا سکیں۔ اس دوران انہوں نے فی کس 10 روپے کے حساب سے گاؤں والوں سے چندہ جمع کرنا شروع کیا۔ جس سے تنظیم کو 16 ہزار روپے وصول ہوئے۔ اس رقم سے گاؤں کے وسط میں واقع ایک اہم کچی گلی بھی پکی کردی اور وہاں سے گندگی کی صفائی کی۔ اس کام میں گاؤں والوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تقریباً دس، گیارہ برس قبل جو پودے لگائے گئے تھے وہ اب بڑے درخت بن چکے ہیں جس سے گاؤں کے ماحول پر خوشگوار اثر پڑ رہا ہے۔ اب تک اس انجمن نے گاؤں کی فلاح و بہبود کے لئے جو کام کئے ہیں ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہیں:

1- گاؤں کی خواتین اور بچیوں کو ہنر سکھانے کے لئے ایک دستکاری مرکز قائم کیا گیا ہے۔

2- خواتین کے لئے ایک حصہ مرکز کا قیام۔ جس میں ایک تربیت یافتہ نرس متعین ہے جو خواتین کو مفید مشورے دیتی ہیں۔ نیز وہ گھر میں جا کر خواتین کو خاندانی منصوبہ بندی اور حفظان صحت کے بارے میں ہدایات اور مشورے دیتی ہیں۔

3- ایک کمیونٹی ہال قائم کیا گیا۔جس میں تقریبات منعقد کی جاتی ہیں۔
4- کسانوں کو بیجوں کی اور کیمیائی کھاد کی فراہمی اور مویشیوں کی دیکھ بھال کی تربیت وغیرہ۔
5- تعطیلات کے دوران گاؤں کے طلباء وطالبات کی بلامعاوضہ ٹیوشن اور ان کے لیے لائبریری کی سہولت مہیا کی۔

گاؤں کے نوجوانوں نے اپنے علاقے میں جو کارہاء نمایا سرانجام دیئے اس کی بدولت گاؤں کا نام دنیا کے بہت سے ممالک اور اقوام متحدہ تک پہنچ گیا جس کی بدولت بیرونی ملک کے کئی منصوبے گنیار میں زیرتکمیل ہیں۔

وادی چترال

چترال صوبہ سرح کے شمال میں واقع رقبے کے اعتبار سے سب سے بڑا ضلع ہے جوصوبے کے پانچویں حصے کے برابر ہے۔تقریباً 3لاکھ آبادی کے اس ضلع کا رقبہ ساڑھے پانچ ہزار مربع میل ہے۔ وادی چترال میں آمدورفت کی تمام تر دشواریوں، مشکلات اوردیگر بنیادی سہولتوں کی کمی کے باوجود یہ ایک مقبول سیاحتی مقام ہے۔ پاکستان اور بیرون ملک سے چترال آنے والے سیاحوں کی تعداد میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ فطری حسن سے لبریز ایک خوبصورت وادی ہے،لیکن اس علاقے میں بڑھتی ہوئی آلودگی سے فطری حسن ماند پڑ رہا ہے۔

وادی چترال کو درپیش خطرات کا جائزہ لینے کے لئے ایک غیر سرکاری تنظیم ہندوکش ٹریل نے علاقے کے مختلف مقامات پر سیمینار کا اہتمام کیا تھا، اس کے بعد جو باتیں خاص طور پر سامنے آئیں ان میں درختوں ک بے دریغ کٹائی، جنگلی جانوروں اور پرندوں کا اندھا دھن شکار، پانی کی آلودگی، سڑکوں، خاص طور پر کچی سڑکوں پر گردوغبار، شہری منصوبہ بندی میں صحت وصفائی کی نامناسب سہولتیں اور آبادی میں مسلسل اضافہ قابل توجہ ہے۔

اس صورت حال کی ایک بڑی وجہ مجموعی طور پرتعلیم کی کمی، خصوصاً خواتین میں خواندگی کی شرح نہ ہونے کے برابر ہے۔صحت وصفائی اور نکاسی آب کامناسب انتظام نہ ہونے کے باعث دریاؤں کے کنارے غلاظت بڑھ رہی ہے۔جس سے صحت کے مسائل

پیدا ہو رہے ہیں اور پانی کی آلودگی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ پانی کی آلودگی کا ایک بڑا سبب دریا کے کنارے قائم ہونے والی ورکشاپس بھی ہیں۔ جہاں سے گندا تیل اور ڈیزل وغیرہ دریا میں شامل ہو جاتا ہے۔ بجلی کی عام کمی کو پورا کرنے کے لئے ڈیزل جنریٹرز کا استعمال بڑھ رہا ہے جس سے شور سے پرندے اڑ جاتے ہیں اور صدیوں پرانے چنار کے درختوں کا حسن تباہ ہو رہا ہے، بیشتر گاڑیاں ڈیزل پر چلتی ہیں وہ عموماً خراب حالت میں ہیں جن سے خارج ہونے والا دھواں فضائی آلودگی کا بڑا سبب ہے۔

ان ماحولیاتی مسائل کے ساتھ ساتھ چترال میں شکار ایک محبوب مشغلہ ہے۔ بچے ہاتھوں میں غلیل اور جوان بندوق لئے خوبصورت پرندوں سے لے کر نایاب جنگلی جانوروں تک کا نام ونشان مٹانے کے درپے ہیں۔

چترال کے ماحولیاتی مسئلے پر قابو پانے کے لئے متعلقہ محکموں اور اداروں کی طرف سے بھرپور کوششیں کرنے کی ضرورت ہے۔ نیز یہ اہل چترال کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے لئے اور اپنی آئندہ نسلوں کے لئے چترال کے فطری ماحول کو محفوظ کریں۔

شمالی کوہستان

شمالی کوہستان صوبہ سرحد کا آخری ضلع ہے، اس ضلع میں کوئی کشادہ میدانی علاقہ نہیں ہے۔ اس کے وسط میں دریاؤں کا باپ دریائے سندھ (اباسین) بہتا ہے 1976ء میں پٹن اور داسو ضلعوں پر مشتمل ایک ڈویژن بنایا گیا اس کا کل رقبہ دو ہزار مربع میل اور آبادی چار لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ شاہراہ ریشم اس علاقے کے سینے پر سے گزرتی ہے اور شاہراہ کا سب سے دشوار گزار حصہ جو 185 کلومیٹر پر مشتمل ہے اس کوہستان میں واقع ہے۔

یہ پاکستان کا سب سے زیادہ پسماندہ علاقہ ہے، سڑک، تعلیم، صحت، پانی اور دیگر سہولتیں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ یہاں مٹی کا تیل جلانا بھی عیاشی سمجھا جاتا ہے۔ اگرچہ اس کے پہاڑ معدنیات سے پر ہیں لیکن تاحال یہاں ان قدرتی ذخیروں کے استحصال نہیں کیا جا سکا۔ تاہم زراعت کے علاوہ کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے۔

یہاں کے باشندے بڑے مضبوط اور توانا ہیں لیکن معاشی لحاظ سے بہت کمزور ہیں اباسین اس قدر گہرائی میں بہتا ہے کہ اس سے زمینوں کو سیراب کرنا محال ہے۔ یہ صرف

اس صورت میں ممکن ہے جب اس علاقے میں آبپاشی کے جدید ذرائع کو بروئے کارلایا جائے۔ گذشتہ کئی برسوں سے اس علاقے میں بھاشا ڈیم کی تعمیر کا ذکر سنا جا رہا ہے جس سے نہ صرف ذرائع آبپاشی کی سہولت میسر آئے گی بلکہ ملکی ضروریات کے لئے بجلی پیدا کی جا سکے گی۔ لیکن یہ معاملہ ابھی تک کاغذی کاروائی سے آگے نہیں جا سکا اباسین کانتھرا پانی، علاقے میں آنے والے سیاحوں اور مقامی لوگوں کی بدولت آلودہ ہو رہا ہے۔

یہ علاقہ جنگلی حیات کے لحاظ سے بہت مالدار ہے۔ یہاں شکار پر کوئی پابندی نہیں ہے موسم سرما میں مختلف قسم کے پرندے ہجرت کر کے دریا پر جمع ہو جاتے ہیں۔ جو بے رحم شکاریوں کا نشانہ بن جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ہجرت کر کے آنے والے پرندوں کی تعداد گھٹتی جا رہی ہے۔

شمالی کوہستان کے جنگلوں میں انواع و اقسام کے چرند پرند اور حیوانات پائے جاتے ہیں۔ جن میں مشک ہرن، برفیانی چیتا، بھیڑیا، کالا اور سرخ ریچھ،لنگور، مارخور وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

اس علاقے میں کچھ جنگل اس قدر گھنے ہیں کہ وہاں کبھی سورج دکھائی نہیں دیتا۔ انگریز ماہرین نباتات نے انہیں زمردیں جنگل کا نام دیا تھا۔ یہاں کا دیودار دنیا بھر میں اپنی خوشبو اور مضبوطی کی وجہ سے مشہور ہے۔ نیز مغربی ہمالیہ کا مشہور جنگلی درخت ایلم بھی یہاں بکثرت پایا جاتا ہے۔لیکن یہ علاقہ بھی ٹمبر مافیا کے ہاتھوں سے محفوظ نہیں رہا۔ جنگلا کی بے رحمانہ کٹائی کے باعث بہت سے پہاڑ برہنہ ہو گئے ہیں اور یہاں از سر نو شجر کاری کا کوئی نظام نہیں ہے۔

جنگلات کی کٹائی یہاں کے مقامی لوگوں کی ضرورت ہے، جن کی لکڑی وہ ایندھن کے طور پر استعمال کرنے پر مجبور ہیں۔ضرورت اس بات کی ہے کہ یہاں گیس، بجلی، تعلیم،صحت، پانی اور آبپاشی کی سہولتیں فراہم یک جائیں تا کہ جنگلات پر مقامی آبادیوں کا دباؤ کم ہو جائے اور ان کی غیر قانونی کٹائی کی ضرورت باقی نہ رہے۔

چرمیاں

بلوچستان کے صوبائی دارلحکومت کوئٹہ کے شمالی میں 90 کلومیٹر ایک گاؤں چرمیاں

آباد ہے۔ یہاں کی زیادہ تر آبادی کاکڑ قبیلے سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ لوگ سیب خوبانی اخروٹ وغیرہ کاشت کرتے ہیں اور مویشی پالتے ہیں۔ پاکستان کے عام دیہات کی طرح یہاں کا مسئلہ پانی کی فراہمی اور ایندھن ہے۔

چرمیاں میں لکڑی اور کوئلے کو ایندھن کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کی غرض سے علاقے کے قیمتی جنگلات کو کاٹا جاتا ہے۔ اس علاقے میں پانی کی شدید قلت ہے۔ یہاں آبپاشی کا واحد ذریعہ کاریز ہے۔ زیر زمین چشموں سے کاریز کا پانی جوہڑوں میں جمع کر کے باغات تک نالیوں کے ذریعے پہنچایا جاتا ہے۔ جس عمل میں بہت سا پانی ضائع ہو جاتا ہے۔

اس علاقے میں ڈبلیو ڈبلیو ایف سرگرم عمل ہے۔ جو یہاں کے لوگوں کے اہم مسائل، یعنی قدرتی وسائل اور ذخائر کی کمی۔ پانی کے ذخائر کا ضائع ہونا وغیرہ حل کرنے کے لئے کوشاں ہے۔

ماحول کی تباہی کے ضمن میں آگاہی کے بعد مقامی لوگوں نے ایندھن کے طور پر استعمال میں آنے والے درخت لگانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس طرح تعمیراتی لکڑی کو نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ ان درختوں کے پودے ''ڈبلیو ڈبلیو ایف'' کی جانب سے نہایت ارزاں قیمت پر فراہم کئے جاتے ہیں۔

پانی کے ضیاع کو روکنے کے لئے کاریز سے لے کر جوہڑ تک پختہ تالاب تعمیر کئے جا رہے ہیں۔ نیز لوگوں میں ماحولیات کا شعور پیدا کرنے کے لئے چرمیاں میں قائم ہائی سکول کے اساتذہ کو تربیت دی گئی ہے۔ تاکہ وہ ماحول سے متعلق معلومات طلباء تک پہنچائیں اور لوگوں کو راغب کریں کہ وہ ماحول کو بہتر بنانے کے لئے ان سے تعاون کریں۔ ان چھوٹے چھوٹے اقدامات کی بدولت اس علاقے میں نمایاں تبدیلیاں رونما ہونے لگی ہیں۔

چلتن اور ہزار گنجی کے مارخور

جب وادی کوئٹہ میں برفباری شروع ہوتی ہے تو وادی کے اطراف مشہور پہاڑ کوہ مردار اور چلتن برف سے ڈھک جاتے ہیں۔ بعض اوقات صورت حال اس قدر سنگین ہو جاتی ہے کہ علاقے کے مکینوں اور جنگلی حیات کے لئے زندہ رہنا ناقابل برداشت ہو جاتا

ہے۔ چند برس قبل موسم سرما میں چلتن نیشنل پارک میں محفوظ کیے گئے مارخوروں اور ان کے پڑوس میں آباد مری قبائل کو بہت سے مصائل کا سامنا کرنا پڑا۔ مری قبائلی کئی برس پہلے جلا وطنی کے بعد پاکستان واپس آئے جنہیں نیشنل پارک کے برابر ایک کیمپ میں رکھا گیا ہے۔ یہ مری قبائل جب سے یہاں آئے ہیں انہیں زندگی کی بنیادی ضرورتیں میسر نہیں ہیں وہ بھیڑ بکریاں چراتے ہیں اور پارک کی لکڑی کاٹ کر ایندھن کے طور پر جلاتے ہیں۔ چلتن پہاڑ پر فطری نباتات بہت کم ہیں۔ اس سبزے پر چلتن نیشنل پارک کے پانچ سو سے لے کر سات سو مارخوروں کا گزارہ ہے۔ موسم سرما میں یہ پہاڑی بکرے خوراک کی قلت کی وجہ سے نیچے آ جاتے ہیں اور تنگ گھاٹیوں، نالوں اور ڈھلوانوں پر بچے کچے چارے پر گزارہ کرتے ہیں۔ جب سے جلا وطن مری قبائلیوں کے مال مویشیوں نے پارک کے چارے کو ختم کرنا شروع کر دیا ہے اس کے نتیجے میں مارخوروں کو نقصان اٹھانا پڑا۔ خوراک کی کمی کی وجہ سے مارخور نیشنل پارک سے نکل کر دوسرے پہاڑوں کا رخ کر رہے ہیں جہاں ان کے لئے زندگی مزید دشوار ہو گئی ہے۔ گذشتہ بارہ سال کے حفاظتی اقدامات کی وجہ سے چلتن اور ہزارہ گنجی کے پہاڑوں پر خاصا سبزہ ہو گیا تھا جبکہ مردار اور تکاتوں کے پہاڑ بنجر ہیں۔

اہم بات یہ ہے کہ کیمپ میں مقیم جلا وطن قبائلیوں کو ہنگامی بنیادوں پر ضروریات زندگی فراہم کی جائیں نیز نیشنل پارکس کے قانون اور بنیادی اصولوں کے مطابق محفوظ علاقوں میں کسی قسم کی مداخلت ممنوع کی جائے۔ یعنی نہ ہی ضرورت سے زیادہ کھیتی باڑی کی جائے نہ بیجا طور پر درخت کاٹے جائیں، نہ مویشی چرائے جائیں اور پارک کی فطری جنگلی حیات سے ان کی قدرتی غذا چھینی جائے۔ اگر چلتن ہزارہ گنجی سے مارخور ایک بار ختم ہو گئے تو اس جنگلی حیات کو واپس بلانا ممکن نہ ہو گا۔

کلی گوال

بلوچستان میں بوستان سے 20 کلو میٹر دور پختون قبیلہ پانزئی پر مشتمل ایک چھوٹا سا گاؤں کلی گوال ہے۔ صوبے کے دیگر علاقوں کی طرح گوال کو بھی پرانے روایتی ذریعہ کاریز سے پانی حاصل ہوتا ہے۔ یہ ایسا طریقہ کار ہے جس میں کنویں سے پانی نکال کر کچھ پختہ نالیوں کے ذریعے پانی کو حسب ضرورت لے جایا جاتا ہے۔ اس طرح پانی بلوچستان

میں چلنے والی خشک ہواؤں میں بھی محفوظ رہتا ہے اور بہت کم مقدار میں آبی بخارات کی صورت میں ضائع ہوتا ہے ریتلے علاقوں میں یہ طریقہ کار بہت مفید ہے۔

یہ طریقہ صدیوں پرانے تجربہ کا نچوڑ ہے۔ ندی اور کنویں کے سنگم پر بہت بڑی سرنگ بنا لی جاتی تھی جس میں سے پانی کو گزارا جاتا تھا زیرزمین سرنگیں عموماً دیہات کے قریب سے گزرتی ہیں جہاں سے ایک بار پھر پانی کو چھوٹی نالیوں میں تقسیم کر کے باغات اور کھیتوں تک پہنچایا جاتا ہے۔

کلی گوال کی بنیاد کب پڑی اور یہاں کاریز کی تعمیر یا کھدائی کب ہوئی اس بارے میں حتمی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے۔ لیکن اندازہ یہی ہے کہ یہ انیسوی صدی کے آغاز کا شاہکار ہے۔ 30 برس قبل تک توجہ اور مرمت کے بدولت یہ کاریز ٹھیک ٹھاک کام کرتا تھا۔ لیکن اس کے بعد کوئٹہ اور گردونواح کے لوگ نوکریوں کی تلاش میں باہر جانے لگے اور کاریز کا گرانقدر ذریعہ آبپاشی بے توجہ کا شکار ہو گیا۔ زیرزمین سرنگ میں بھی جا بجا مقامات پر پتھروں کی وجہ سے پانی کے بہاؤں میں رکاوٹ پیدا ہوئی۔ جبکہ کھلی سرنگ گھاس اور جڑی بوٹیوں کے باعث اکثر بند ہو جاتی نتیجتاً جہاں 5-4 گھنٹے کے پانی کے بہاؤ سے 150 ایکڑ زمین سیراب ہوتی تھی اب اس عرصے میں 10 ایکڑ زمین بھی مشکل سے سیراب ہو رہی ہے نیز بارشوں کی عدم موجودگی کے باعث کھیت اور باغات خشک ہو رہے ہیں۔

وہاں کے لوگوں نے روزگار کی تلاش میں نقل مکانی شروع کردی ہے۔ اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ مقامی لوگوں کو ایریٹو فارمنگ کی طرف راغب کیا جاتا۔ اس لئے 1987ء میں تنظیم اتحاد نوجواناں وجود میں آئی۔ جسے شروع میں مذاق کا نشانہ بنایا گیا مگر مقامی دور اندیش افراد نے ہمت نہیں ہاری اور رضا کاروں کی مدد سے کاریز کی مرمت کا کام شروع کردیا۔ ایسے میں افرادی قوت تو مفت میں حاصل ہوگئی۔ جبکہ دیگر اخراجات مقامی آبادی کے عطیات سے پورے کئے جاتے تھے۔ مگر یہ منصوبہ کچھ لوگوں کے عدم تعاون سے زیادہ کامیاب نہ ہوسکا۔

کینیڈین حکومت اور جنوب مشرقی ایشیاء کی این جی اوز کی مالی تعاون سے کام کرنے والی ساؤتھ ایشین پارٹنر شپ (SAP) پاکستان کی ایک ٹیم 1990ء میں کوئٹہ پہنچی۔ جسے کسی طور پر گوال لے جایا گیا۔ نوجوانوں کے جذبے اور ان کی محنت کو دیکھ کر سیق نے

انہیں کاریز کی مرمت کے لئے ایک پلان بنا کر لانے کی ہدایت کی اس طرح تقریباً دو سال کے عرصے میں مقامی اور دیگر ذرائع سے فنڈز آنے کے سبب کاریز کی مرمت کا کام شروع ہو گیا۔

کاریز کی کھدائی کے لئے گلزئی قبیلہ کے افراد کی خدمات مستعار لی گئیں۔ اس عرصہ میں گاؤں کے لوگوں نے بھی بھر پور تعاون کیا۔ جس کی بنا پر ڈیڑھ کلو میٹر لمبی سرنگ کو مکمل طور پر بحال کر دیا گیا۔ نیز ہر 50 میٹر پر کنویں کی مرمت کی گئی اور 370 میٹر لمبی سرنگ پر 8 نئے کنویں کھودے گئے۔

تاہم دیہات اور باغات کو پانی کی فراہمی کے لئے مزید 5 کلو میٹر کھلی سرنگ کی ضرورت تھی یہ کام بھی کسی نہ کسی طرح مکمل ہو گیا۔ یہ کھلی سرنگ گاؤں کے باہر سے ایک ٹینک سے پہنچائی گئی اور ٹینک کے اردگرد دیوار بنا دی گئی تاکہ پانی رسنے سے محفوظ رہے۔ اس طرح سب کے باہمی تعاون سے ایک خواب کو حقیقت کی شکل دے دی گئی۔ مذکورہ پراجیکٹ کی کامیابی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سب مل کر کام کریں تو کچھ بھی مشکل نہیں ہوتا۔ اس کی تکمیل کے بعد باغات کی پیداوار گناہ ہو گئی ہے۔ اب گوال کلی کے رہنے والی عورتوں کو پانی لانے کے لئے میلوں کا سفر نہیں کرنا پڑتا۔ مرد حضرات کوئٹہ ملازمت ترک کر کے اپنے گاؤں واپس آ گئے ہیں اور یہ نئے جذبے کے ساتھ اپنی زمینوں کو آباد کر رہے ہیں۔

حوالہ جات

مجوزہ ڈرافٹ پاکستان ایکٹ برائے ماحولیاتی تحفظ 1995ء (حکومت پاکستان کا شائع کردہ)

قومی ماحولیاتی کوالٹی معیارات (این ای کیو ایس ایس آر او 724(1)/93-

ماحولیاتی اور شہری امور ڈویژن۔ حکومت پاکستان

ماحولیاتی قانون سازی۔ (حکومت پاکستان)

پاکستان قومی حکمت عملی برائے تحفظ۔ آئی یو سی این

کورنگی ایکوسسٹم۔ پٹیر جان نیل

بین الاقوامی ماحولیاتی معاہدے۔ زاہد احمد ایڈووکیٹ

غازی بروتھا ہائیڈرو پاور پراجیکٹ۔سنگی فاؤنڈیشن

جنگلات کا تحفظ، سنگی فاونڈیشن

نیچرا۔۔ڈبلیوڈبلیو ایف

روزنامہ دی نیوز انٹرنیشنل اور روزنامہ ڈان میں شائع ہونیوالی جن رپورٹوں اور مضامین سے استفادہ کیا گیا ان کے مصنفین ہیں۔ نجمہ صادق، بینا سرور اور بھگوان داس۔

آئی یوسی این کی اشاعتوں دی وے آہیڈ، این سی ایس بلٹن اور شہری سی بی ای کے نیوز لیٹر میں شائع ہونے والے جن مضامین سے استفادہ کیا گیا۔ ان کے مصنفین ہیں۔

نوید حسن، عمر اصغر خان، ساجد عزیز ڈوبن ڈی سیلوا، سید عزیز آغا، نواز بھٹو، ذوالفقار علی کمبوہ، جمال حیدر صدیقی، امجد علی، طغرل ترکمان، پرویش شاہین، فرحان انور، ڈاکٹر مرزا حامد بیگ، عمر گل آفریدی، میاں پیر محمد یعقوب، صباحت ناہید، سونی زبیری، سلمان راشد، ناصر ڈوگر، خالد حسین، آئی یو چوہدری، محمد رفیق، چلیس حاضر، عامر احمد خان، پرویز نعیم اور عمر گل آفریدی۔

حرف آخر

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بہت اعلیٰ پایہ کے سائنٹیفک قسم کے مذاکرے کے دوران ایک ہاتھ اٹھتا ہے اور پھر معذرت خواہانہ انداز میں کہا جاتا ہے ''معاف کیجئے میرا سوال اردو میں ہے۔''

مشعل پاکستان نے بھی کچھ اسی نوعیت کے تناظر میں ہاتھ کھڑا کیا ہے کہ ''معاف کیجئے' ہمارا کام اردو میں ہے'' ان کی تائید میں ایک آواز انٹر پیرس کمیونی کیشن (آئی پی سی) کی ہے کہ اردو اور صرف علاقائی زبانیں جاننے والوں کا بھی حق ہے کہ ضروری معلومات ان تک بھی پہنچائی جائے ورنہ ان لوگوں کا شعور سیاستدانوں کے بیانات اور جرائم و تشدد کی کہانیوں سے آگے نہیں جا سکے گا۔

بہر حال اس کام کے دوران بہت سی باتیں واضح ہوئیں۔ مثلاً '' این جی اوز ریکٹ'' کا اکثر ذکر آتا ہے۔ اس کتاب کے مواد کے لئے جب مختلف اداروں اور تنظیموں سے رابطہ ہوا تو پتہ چلا کہ کچھ این جی اوز واقعتاً سرگرم عمل ہیں۔ وہ کراچی کے بلڈرز مافیا کے خلاف شہری سی بی ای کے اقدامات ہوں، کیرتھر نیشنل پارک کے ماحولیاتی نظام کو تباہ کرنے کے منصوبے پر اسکوپ کا واویلا ہو۔ انفرادی سطح پر اسلام آباد گرڈ اسٹیشن کے خلاف شہلا ضیا کا مقدمہ ہو، کے ڈبلیو ڈبلیو ایس کی جانب سے شہری بے قاعدگیوں کے خلاف دباؤ ہو، گنیار یا کلی گوال میں مقامی آبادی کا باہمی تعاون ہو یا سنگی فاؤنڈیشن کے ماحولیاتی مطالعے ہوں کہیں نہ کہیں۔ کچھ نہ کچھ ضرور ہو رہا ہے۔

لیکن یہ بھی ہوا کہ آغا خان فاؤنڈیشن کے این جی او، ریسورس سنٹر کی وساطت سے ماحولیات پر کام کرنے والی تنظیموں کے پتے حاصل کر کے انہیں خطوط لکھے کہ ان کا تعارف اور کارکردگی بھی اس کتاب میں شامل کی جا سکے تو ان میں سے کچھ خطوط واپس آ گئے کہ اس پتہ پر فلاں نام کی تنظیم ہی نہیں ہے۔ باقی کے جواب نہیں آئے سوائے پشاور کی ایک تنظیم کے۔

اس سے یہی واضح ہوتا ہے کہ کچھ تنظیمیں بوقت ضرورت بن جاتی ہیں اور حسب اوقات ٹوٹ جاتی ہیں اور کام کرنے والے مخلص لوگ بھی ''ریکٹنگ'' کی تہمت کی زد میں آ جاتے ہیں۔

ہمارے ہاں ماحولیات کا پہلے پہل ذکر آیا تو کچھ لوگوں نے اسے ''مخولیات'' کا نام دے دیا۔ سچ جانئے ہم اپنے قدرتی وسائل کو بے دردی سے لوٹ کر اپنے ملک اور اپنے

ماحولیاتی نظام کے ساتھ ''مخول'' ہی کیا ہے۔ جنگلی حیات، سمندری حیات، زمینی حیات کو حرص، بدعنوانی، بدنظمی، خودغرضی کی دیمک ضرور لگی ہے۔ ہمارے ہاں وہ اجتماعی سوچ بھی نہیں جو راوی الکلی کے ضمن میں کوپن ہیگن کے شہریوں کی تھی جو ٹارچ لئے اس جہاز کی نگرانی کررہے تھے کہ کہیں وہ زہریلا مواد لیکر روانہ نہ ہو جائے، جس سے ہمیں تو نجات ملے گی، لیکن وہ کسی دوسرے ملک کو تباہ کردے گا۔

بہر حال کوششیں یہی کی ہے کہ ماحولیاتی مسائل کے مختصر تجزیئے کے ساتھ ایڈووکیسی کے لئے، ارادے کی تحریک اور طریقہ کار کے بارے میں زیادہ سے زیادہ مثالیں پیش کی جاسکیں۔

ہمارے ہاں پہلی بار بڑی محنت سے ماہرین قانون کی زیرنگرانی ایک جامع ایکٹ برائے ماحولیاتی تحفظ 1995ء تیار کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے اطلاق کا مسئلہ کیسے حل ہوگا۔ ہمارے صنعت کار جو پانی، زمین اور ہوا کو آلودہ کرنے کے سب سے بڑے مجرم ہیں وہ قانون کی خلاف ورزی پر مجوزہ سزاؤں، میں نرمی کے خواستگار ہیں۔ حالانکہ اس سے بھلا کیا فرق پڑے گا۔ ان کی فیکٹریوں سے پیدا شدہ ماحولیاتی تباہ کاریوں کے لئے پہلے بھی فیکٹری ایکٹ موجود تھا۔ جنگلات کاٹنے سے پہلے جنگلات ایکٹ موجود تھا اور اب 1995ء کا ماحوالیاتی تحفظ کے ایک ایکٹ کا فائنل ڈرافٹ تیار ہے اور اسے عوامی مشاورت کے بعد اسمبلی میں پیش کردیا جائے گا اور منظوری کے بعد اس کا نفاذ ہو جائے گا۔ لیکن این ای کیو ایس کو نافذ ہوئے دو سال سے زیادہ ہو گئے ہیں۔ کیا ہماری سڑکوں پر چلنے والی موٹر گاڑیوں نے دھواں چھوڑنا اور شور مچانا چھوڑ دیا جائے؟ کیا آپ نے کبھی کسی ٹریفک کانسٹیبل کے ہاتھ میں ''ساؤنڈ میٹر'' دیکھا ہے۔ اس کے تو اپنے منہ میں سیٹی لگی ہوئی ہے۔

اس کتاب کی تکمیل کے بعد خیال آیا کہ آئی یو سی این کا کنٹری آفس کراچی میں نہ ہوتا تو میرے لئے یہ کام بہت مشکل ہو جاتا۔ میں آئی یو سی این کے میڈیا کے شعبے کے سعید حسین اور عبداللہ بیگ، شعبہ قانون سے راشدہ ورہا اور نادیہ لون کے تعاون، مشوروں اور راہنمائی کے لئے ان کی شکرگذار ہوں۔ سرکاری نوعیت کا تمام مواد ای پی اے سندھ کی ڈائریکٹر جنرل محترمہ مہتاب راشدی کے وسیلے سے ہی دستیاب ہوسکا۔ میں ان کی بہت ممنون ہوں۔ خصوصی شکریہ آئی پی سی کے اپنے ساتھیوں منہاز رحمٰن اور بختیار چند کا جنھوں نے میرے ساتھ ہر ممکن تعاون کیا۔

ش۔فرخ